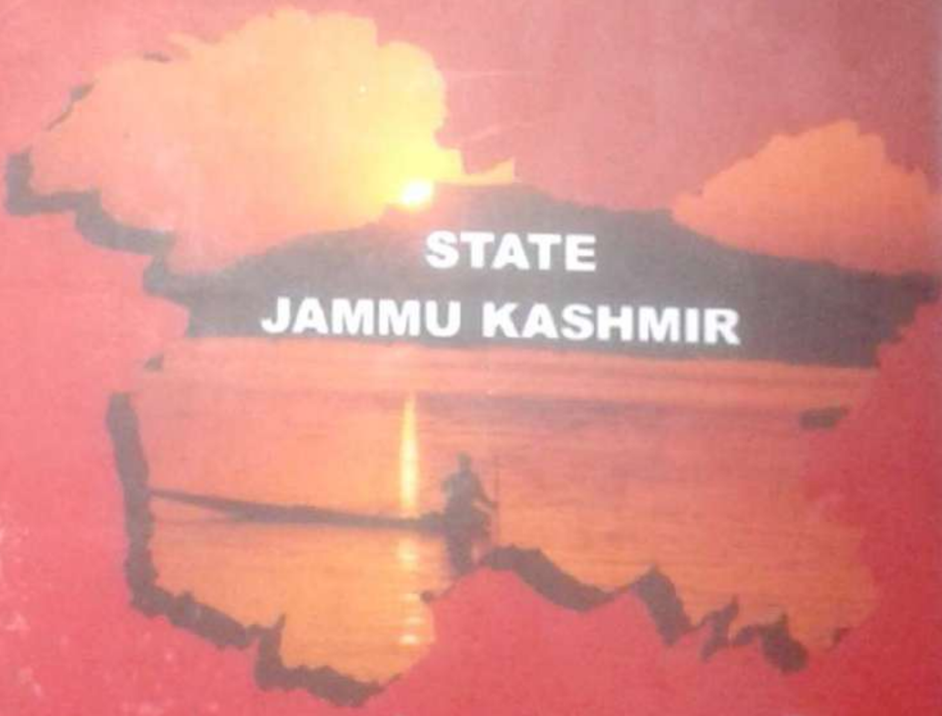
کشمیر کے موضوع پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب

جموں کشمیر
بُک آف نالج





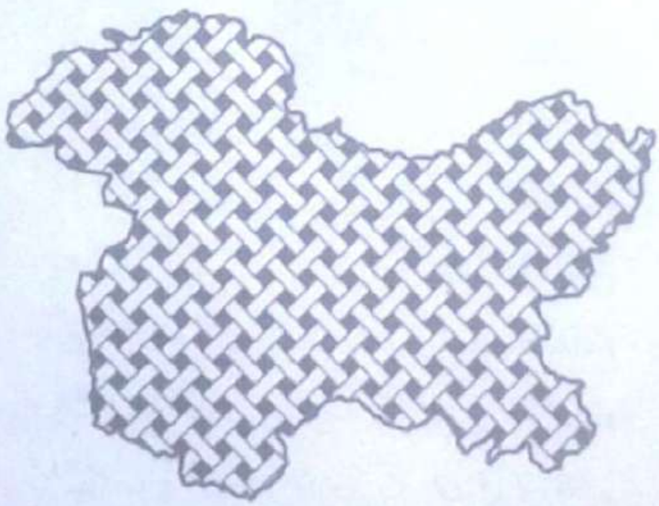
محمد سعید اسعد



بسم اللہ الرحمن الرحیم

جموں کشمیر

بک آف نالج



محمد سعید اسعد

شائع کردہ: نیشنل انسٹیٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز (نِکس) میرپور

ہماری تحقیقی وفکری کاوشوں کا مقصد یہ ہے کہ کشمیر کی نئی نسل کو اس عظیم قومی سرمائے کی تباہی کا احساس دلایا جائے جو غیر ملکی تسلط کے سبب برباد ہو رہا ہے۔

نام کتاب	:	جموں کشمیر بک آف نالج
مصنف	:	محمد سعید اسعد
پہلا ایڈیشن	:	اگست 1997ء
دوسرا ایڈیشن	:	مارچ 1999ء
تیسرا ایڈیشن	:	فروری 2000ء
چوتھا ایڈیشن	:	اگست 2002ء
پانچواں ایڈیشن	:	اگست 2003ء
چھٹا ایڈیشن	:	اکتوبر 2004ء
ساتواں ایڈیشن	:	فروری 2006ء
آٹھواں ایڈیشن	:	مارچ 2007ء
نواں ایڈیشن	:	اپریل 2009ء
دسواں ایڈیشن	:	جولائی 2009ء
گیارھواں ایڈیشن	:	اگست 2009ء
بارھواں ایڈیشن	:	اپریل 2011ء
تیرھواں ایڈیشن	:	فروری 2012ء
چودھواں ایڈیشن	:	دسمبر 2012ء
پندرھواں ایڈیشن	:	نومبر 2013ء
سولھواں ایڈیشن	:	مارچ 2015ء
سترھواں ایڈیشن	:	دسمبر 2015ء
اٹھارواں ایڈیشن	:	جولائی 2017ء
انیسواں ایڈیشن	:	اپریل 2018ء
قیمت	:	300روپے

انتساب

۞

وطن عزیز جموں کشمیر

کی

اُس نسل کے نام

جس نے

جموں کشمیر بک آف نالج

کے

فیض رساں چشمے

سے

علم و شعور

کی پیاس

بجھائی

محمد سعید اسعد

قومی ترانہ

سید امجد علی اشہری

ہر ملک تھا جہاں میں افسانہ خواں ہمارا ہوتا نہ تھا بتاؤ چرچا کہاں ہمارا
لہراتے تھے جہاں میں فوجوں کے اپنے پرچم چلتا تھا سب کے آگے طبل و نشاں ہمارا
پشمینہ ، سوت ، ریشم مشہور تھا یہاں کا اب ان کے بدلے باقی ہے تارِجاں ہمارا
کمخواب کے عوض میں سونا تھا ہم کو ملتا سستا سمجھ کے لیتے سودا گراں ہمارا
کشمیر کے دو شالے دنیا میں فرد نکلے تھا صنعتوں کا شاید پہلے جہاں ہمارا
پتھر کی صنعتوں میں یہ ملک تھا نمونہ ملتا کہیں کہیں ہے پچھلا نشاں ہمارا
ہے زعفراں ہماری پھولوں سے بڑھ کر اب بھی فصل بہار دیکھے، رنگِ خزاں ہمارا
سونے کی کانیں اس میں قسمت جگا رہی ہیں لیکن سلا رہا ہے خوابِ گراں ہمارا
گر صنعتیں یہاں کی پھر زندہ ہوں تو دیکھو جی جائے پھر جہاں میں یہ نیم جاں ہمارا
جب تک جہاز اپنے ہر سو رواں نہ ہوں گے ہرگز نہ ہو گا اونچا ملکی نشاں ہمارا
اُٹھے اسی زمین سے جینا اسی زمیں پر جنت نشاں کے ہم ہیں جنت نشاں ہمارا
مردے ہوئے تو کیا ہے تم پھر جلا لو ہم کو مرنے سے بھی ہے آساں جینا یہاں ہمارا

اے اشہری جہاں میں ہم خاک ہو چکے ہیں
اکسیر اب بنائے کشتہ جہاں ہمارا

تحریر 1886ء

فہرست

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب ''جموں کشمیر بک آف نالج'' آزاد کشمیر کے معروف نوجوان محقق اور کئی کتابوں کے مصنف و مولف محمد سعید اسعد کی قابلِ قدر کاوش ہے۔ وطنِ عزیز کشمیر پر معلوماتی کتب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ یوں بھی جغرافیائی اعتبار سے کشمیر پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک مقید ریاست ہے جس کے بیرونی دنیا سے رابطے غیر ملکی تسلط کے باعث نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس لیے اس جنت نشان خطہ ارضی کے بہت سے حیرت انگیز پہلو دنیا کے سامنے آشکار انہ ہو سکے۔ آزاد کشمیر کے عوام بالخصوص پڑھے لکھے طبقے کا یہ فرض تھا کہ وہ کشمیر سے متعلق تاریخی، جغرافیائی، سیاسی اور ثقافتی معلومات کو سلیقے کے ساتھ یکجا کرتے، اس لیے کہ کشمیر ہماری منزل ہے اور آزاد کشمیر کے بچے بچے کو اس کے متعلق تمام بنیادی معلومات فراہم کرنا بے حد ضروری ہے۔ سعید اسعد صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک اہم قومی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اس موضوع پر توجہ دے کر ایک علمی خلاء کو پورا کیا ہے۔

کتاب میں درج بعض معلومات عام قاری کے لیے چونکا دینے والی ہیں مثلاً کشتواڑ کے مقام پر گرنے والی آبشار جو سات سو میٹر بلندی سے سات زینوں میں تقسیم ہو کر نیچے پھیلی ہوئی سرسبز وادی میں اس طرح گرتی ہے کہ ہر زینے پر پانی پوری قوت سے ٹوٹ کر قطروں میں یوں بکھر جاتا ہے گویا سفید موتیوں کی پھوار آسمان سے زمین کی طرف لٹائی جا رہی ہو۔ اسی طرح لداخ کی بلند و بالا چوٹیوں سے متعلق معلومات، جہاں پہنچ کر انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ آسمان پر پہنچ گیا ہے۔ سعید اسعد صاحب نے مختصر جملوں میں ارضِ وطن کے دریاؤں، پہاڑوں، آبشاروں، وادیوں، پھولوں پھلوں، فصلوں، زبانوں اور تاریخ وادب کو کھنگال کر گویا کوزے میں سمندر بند کر دیا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف آزاد کشمیر کے طلبہ کے لیے ایک گرانقدر علمی اضافہ ہے بلکہ ہر پڑھے لکھے کشمیری کی ضرورت بھی ہے۔

یہ کتاب طلباء و طالبات کے تعلیمی کیئریر کے لیے مفید اور معاون ثابت ہوگی نیز آزاد کشمیر میں نصاب سازی کے میدان میں مصنفین کے لیے بھی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا

کرے گی۔ اس کے علاوہ سیاسیات میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ اور سیاست دانوں کے لیے بھی فائدہ مند ثابت ہوگی۔ کتاب کا اختصار اس کی انفرادیت کا ثبوت ہے۔

سعید اسعد صاحب آزاد کشمیر کے ابھرتے ہوئے محنتی اور ذہین قلمکار ہیں۔ ان کی سوچ وفکر کا محور ومرکز کشمیر ہے۔ ان کی مطبوعہ کتب، معلومات جموں کشمیر، بطل حریت، کشمیر قائد اعظم اور کے ایچ خورشید اور غیرت کشمیر مطالعہ کے شوقین حضرات سے داد حاصل کر چکی ہیں۔ سعید اسعد کی ایک درجن کتب زیر طبع ہیں۔[1] ان کے منظر عام پر آنے سے ایک وافر خزانہ ہمارے ہاتھ آئے گا۔ (انشاء اللہ)

زیر نظر کتاب پبلک سروس کمیشن کے امیدواران اور دیگر طلبہ کے لیے امتحانی نقطہ نظر سے اضافی مطالعہ کے طور پر ایک گرانقدر سرمایہ ثابت ہوگی۔ اس کامیاب کوشش کے لیے محمد سعید اسعد یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

بیگم تنویر لطیف
ڈائریکٹر نظامت تحقیق وترقی نصاب
مظفرآباد (1997)

---

[1] زیر طبع کتب اب منظر عام پر آ چکی ہیں۔

آرزو کا سفر

یہ 1996ء کی ایک سہانی صبح تھی۔ ہلکی ہلکی پھوار گر رہی تھی۔ مظفر آباد کے آس پاس پربتوں کی دیویاں برف کی اُجلی اُجلی سفید چادر اوڑھے کتنی بھلی لگ رہی تھیں۔ صبح سویرے اولڈ سیکرٹریٹ کا ماحول بڑا سہانا تھا۔ چنار کے بلند قامت بوڑھے درخت اور ان کے پہلو میں سرو کی قطاریں نیلے آسمان تلے ماحول کو رشکِ فلک بنا رہی تھیں۔ پینٹ کوٹ پہنے چند خوبصورت نوجوان پبلک سروس کمیشن کے لان میں ٹہل رہے تھے۔ وہ بڑے خوشگوار موڈ میں تھے۔ اُن کے چہروں سے متانت ٹپک رہی تھی۔ باتوں سے جوش جذبے اور علمیت کا رنگ جھلکتا تھا۔ ان کی پیشانیوں میں وہ نور چمک رہا تھا جس نے ان کے قلب ونظر میں آتش شوق بھڑکا رکھی تھی۔

پبلک سروس کمیشن آزاد کشمیر میں گزشتہ کئی برسوں سے انٹرویو دینے اور روشن مستقبل کے سپنے دیکھنے والوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری ہے لیکن آج یہاں کی فضا عجیب تھی۔ یہ ہشاش بشاش نوجوان قسمت آزمانے یا روشن مستقبل ڈھونڈنے نہیں آئے تھے۔ یہ قوی ہمت اور عالی حوصلہ نوجوان وہ تھے جو علم کی تلاش میں آزاد کشمیر کے دور دراز دیہاتوں سے اٹھ کر برعظیم کی عظیم درسگاہ پنجاب یونیورسٹی تک پہنچے تھے۔ وہاں کے اورینٹل کالج کا نام کس نے نہیں سنا ہوگا۔ اس گلشن میں تازہ تازہ ایک نظر نواز اور جاں فزا پھول کھلا تھا۔ اس پھول کی مہک نے وطن عزیز جموں کشمیر کے ان چرب دست وتر دماغ نوجوانوں پر ایسا جادو کیا کہ یہ اس کے دامن الفت سے وابستہ ہو گئے۔

کسی نے ایم اے انگلش میں داخلہ لے رکھا تھا۔ کوئی ایم ایس سی کرنے گیا تھا۔ کوئی ایل ایل بی کی ٹھان چکا تھا۔ کسی نے ایم کام کی گرہ باندھی تھی اور کوئی سیاسیات پڑھنے کا متمنی تھا۔ جب اورینٹل کالج میں شعبہ کشمیریات کا قیام عمل میں آیا تو سب نے متعینہ راہیں چھوڑ کر اسی ایک پگڈنڈی کو جالیا۔ آزاد کشمیر کی مردم خیز اور زرخیز مٹی سے جنم لینے والے یہ نوجوان خوبصورت بھی تھے اور ذہین وفطین بھی۔ کشمیر کے یہ بیٹے سود وزیاں، نفع ونقصان اور حال ومستقبل کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر نہایت لگن، محنت، شوق اور یقین سے پڑھنے لگے۔ ان کا شوق اور عمل بس اس نقطے پر

مرکوز تھا کہ ہم اپنے وطن کی تاریخ وتہذیب، ثقافت وتمدن اور روایات و اقدار کے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کریں گے جو گزشتہ کئی صدیوں سے غلامی کے گھنے تاریک جنگل میں بکھیر دیے گئے ہیں۔ ان نوجوانوں نے بڑی محنت اور ریاضت سے کام کیا۔ دن رات ایک کیا۔ شباب کی چاندنی راتیں اور سہانے دن اسی عشق کی وادی میں گزار دیے۔ یہ جس لیلائے وطن کے مجنوں تھے اس نے انہیں جی جان سے رلایا، گلی گلی تڑپایا اور کوچہ کوچہ پھرایا۔ کشمیر سے متعلق لکھی گئی پرانی کتابیں ڈھونڈنے، تحقیق کرنے اور مضامین ومقالات لکھنے کے اس عمل نے ان نوجوانوں کو جہاں دسمبر اور جنوری کی لمبی سرد راتوں میں جگائے رکھا وہاں جون جولائی کی تپتی ہوئی دھوپ میں آگ برساتی شاہراہوں پر رقص بھی کروایا۔ کشمیر سے متعلق لکھی گئی کوئی نایاب کتاب جس دیوانے کے ہاتھ لگتی وہ اتنا خوش ہوتا جیسے اسے تابوت سکینہ مل گیا ہو۔ وہ اس کتاب کو دوسروں سے چھپا چھپا کر رکھتا اور اپنے نوٹس کو جامع، علمی اور معلوماتی انداز سے تیار کرتا۔

شعبہ کشمیریات کے اساتذہ بھی کیا عظیم ہستیاں تھیں۔ ایسے ایسے شفیق اور مہربان اساتذہ ہر طالب علم کے نصیب میں کہاں۔ پروفیسر محمد اسلم، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر محمد یوسف بخاری، پروفیسر احسان الٰہی سالک، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی، پروفیسر نیئر صمدانی، اشرف قریشی اور کلیم اختر۔ ایک ایک ہستی علم وعمل کا تاج محل تھی۔ جب طالب علم سیکھنے پر کمربستہ ہو اور استاد سکھانے پر تلا بیٹھا ہو تو پھر غیر معمولی کردار پروان چڑھتے ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی شعبہ کشمیریات سے فارغ ہونے والے کشمیری طلباء بلاشبہ غیر معمولی کردار تھے۔ وہ اگر کسی آزاد معاشرے میں یہ سعی کرتے تو بلاشبہ مفکر، مدبر، دانشور، محقق اور مصنف بن سکتے تھے لیکن جب وہ ایم اے کشمیریات کی ڈگریاں لے کر واپس **''آزاد کشمیر''** پہنچے تو یہاں کے علم کش سیاسی ماحول اور بے ادب معاشرت نے انہیں مشکوک نظروں سے دیکھا۔ کسی نے کہا'' یہ وطن پرست ہیں'' کسی نے کہا'' یہ لڑکے باغیانہ سوچ لے کر آئے ہیں''۔ کسی نے کہا'' بیٹا آپ نے کے ایچ خورشید پر مقالہ لکھا ہے آپ کو تو آزاد کشمیر میں نوکری نہیں ملے گی''۔ کسی نے مشورہ دیا'' نوکری چاہیے تو قیوم خان کی تعریف میں کتاب لکھو''۔ کسی نے کہا'' یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے، کشمیریات پڑھنے کا کیا فائدہ''۔ کسی نے کہا'' یہ ڈاکٹر یوسف بخاری اور اشرف قریشی کے شاگرد ہیں اگر انہیں نوکریاں دیں تو نئی نسل کے ذہن خراب کر دیں گے''۔ کسی نے کہا'' کیا ہمارے لیے مطالعہ پاکستان اور تاریخ پاک وہند پڑھنا کافی نہیں''۔ کسی نے سوال کیا'' ہمیں مطالعہ کشمیر یا تاریخ کشمیر پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟؟؟؟؟؟؟''

یہ جاہلانہ پروپگنڈہ اور بھانت بھانت کی بولیاں سن کر ان پرجوش اور مخلص نوجوانوں کے جذبات کچلے گئے۔ حوصلے ٹوٹنے لگے۔ فکر روزگار نے تنگ کیا تو کشمیریات کے یہ سکالرز آہستہ آہستہ حالات سے سمجھوتہ کرنے لگے اور جدھر سینگ سمائے چلے گئے۔ جب ماحول اور نظام یہ روش اختیار کر لے تو پھر جذبوں کا قائم رکھنا اور عمل کا جاری رہنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک سازش تھی جسے وقت خود بے نقاب کرے گا۔

آزاد کشمیر کے نام نہاد ارباب اختیار سے ہم لوگوں کا مطالبہ یہ تھا کہ یہاں کے تعلیمی اداروں میں مطالعہ کشمیر اور تاریخ کشمیر کو بطور مضمون شامل کیا جائے اور حکومتی سطح پر ایک ایسا تحقیقی ادارہ قائم کیا جائے جو کشمیر کے حوالے سے ٹھوس اور سنجیدہ بنیادوں پر کام کرے۔ میں نے اس مطالبے کو عام کرنے اور قابل قبول بنانے کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے کا عہد کر لیا۔ پانچ برس کی طویل جدوجہد کے بعد لیکچرار کشمیریات کی ایک آسامی مشتہر ہوئی تو ہم نے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ ہم نے سوچا شاید ہماری فریاد سن لی گئی ہے۔ شاید حاکمان وقت کو ہمارے مطالبے کا احساس ہو گیا ہے۔ وقت نے ہماری پکار سن لی ہے۔ ان لمحوں میں شوق کی قربان گاہ پر چڑھنا اور آتش عشق میں جلنا کتنا اچھا لگا۔ پبلک سروس کمیشن کے ممبرز کو کشمیریات کے طلباء سے لے گئے وہ طویل دورانئے کے انٹرویوز شاید کبھی بھول نہ پائیں۔ میں انٹرویو دے رہا تھا، پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین یوسف اعوان صاحب نے دوران انٹرویو بورڈ کے ممبرز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا" ان کے پاس بڑی معلومات ہیں ان سے مزید سوال پوچھیے تا کہ ہمارے علم میں بھی اضافہ ہو" یہ فقرہ مجھے زندگی بھر نہیں بھول سکے گا۔

آج سے چند برس قبل پی ایس سی کے امتحانات میں کشمیر کے حوالے سے کوئی سوال کرنا یا کوئی بات پوچھنا شجر ممنوعہ سمجھا جاتا تھا لیکن گزشتہ چند برسوں نے اس بے حسی اور غفلت کی دھول کو ہٹا کر منظر صاف کر دیا ہے۔ جو چیز فضول، بے مقصد اور بے وقعت لگ رہی تھی آج وہی چیز کارآمد، بامقصد اور قابل غور سمجھی جا رہی ہے، گزشتہ چند برسوں سے پبلک سروس کمیشن میں ہونے والے زبانی اور تحریری امتحانات میں کشمیر کے موضوع کو حیرت انگیز پذیرائی ملی ہے۔ اسی پذیرائی کے پیش نظر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ راقم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ کشمیر کے جنرل نالج پر پہلی کتاب "معلومات جموں کشمیر" اسی ناچیز نے 1990 میں لکھی تھی۔ کتاب ہذا نئی ترتیب اور نئے انداز سے لکھی گئی ہے۔ ایک طالبعلم یا ایک امیدوار کی ضرورت پورا کرنے کے علاوہ یہ ہر اس شخص کے لیے بھی کشش کا موجب بنے گی جو کشمیر کے بارے میں علم حاصل کرنا چاہے گا۔ اپنے پیارے وطن

جموں کشمیر کے لیے لکھنا اور نئی نسل کو اپنی قومی عظمت سے آگاہ کرنا میری زندگی کا مشن ہے۔ خدا مجھے اس راستے پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

محمد سعید اسعد

مظفرآباد 1997ء

اندھیروں کے مقابل آفتاب آیا ہی کرتا ہے
بشر بے چین ہو تو انقلاب آیا ہی کرتا ہے

مرا قلم تو امانت ہے میرے لوگوں کی
مرا قلم تو عدالت مرے ضمیر کی ہے
اسی لیے تو جو لکھا تپاکِ جاں سے لکھا
جبھی تو لوچ کماں کی، زبان تیر کی ہے
میں کٹ گروں کہ سلامت رہوں یقین ہے مجھے
کہ یہ حصارِ ستم کوئی تو گرائے گا
تمام عمر کی، ایذا نصیبوں کی قسم
مرے قلم کا سفر رائیگاں نہ جائے گا

(احمد فراز)

سفر جاری رہے گا....

جموں کشمیر بک آف نالج 1997 میں طلبا و طالبات کی جس ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی تھی وہ ضرورت پوری کرنا اس وقت نہایت ضروری تھا۔ بک آف نالج کے شائع ہونے کے بعد میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ کتاب اتنی مقبولیت اور پذیرائی حاصل کر پائے گی۔ ماضی میں اس کتاب کے جتنے ایڈیشن شائع ہوئے اگر اس سے دوگنا ایڈیشن بھی شائع کیے جاتے تو پھر بھی کتاب کی مانگ کم نہ ہوتی۔ جموں کشمیر بک آف نالج کے لیے یہ اعزاز کیا کم ہے کہ ماضی قریب اور ماضی بعید میں کشمیر کے موضوع پر اس سے زیادہ نہ کوئی کتاب شائع ہوئی اور نہ ہی پڑھی گئی۔ اس کتاب کی شہرت و مقبولیت کا دوسرا بڑا ثبوت یہ ہے کہ کئی نئے لکھنے والوں نے اس انداز سے کشمیر کے موضوع پر طبع آزمائی کی لیکن بات بن نہ سکی۔ ان کی ان کوششوں سے جموں کشمیر بک آف نالج کی مقبولیت کا گراف کم ہونے کے بجائے مزید اونچا ہوا۔ کیونکہ اوّل تو اس موضوع پر نئے لکھنے والے کشمیر کی تاریخ و جغرافیہ، تہذیب و ثقافت اور علم و ادب سے ناآشنا تھے۔ دوم انہوں نے محض نقل بازی اور چربہ سازی سے کام لیا۔ کوئی نیا تخلیقی یا تحقیقی جوہر ان کی نقالی میں دکھائی نہ دیا۔ راقم کی تصانیف جموں کشمیر بک آف نالج اور ''کشمیریات'' کو جس طرح ہو بہو نقل کر کے کتابیں ترتیب دی گئیں اس سے قارئین بھی بآسانی اس حقیقت تک پہنچ گئے کہ ان نقالوں کی اصلیت کیا ہے۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

اس ضمن میں کشمیر لبریشن سیل کے ایک ایڈھاک ملازم (ر،س،ل) ایک پروفیسر اور پنجاب یونیورسٹی شعبہ کشمیریات کی دو طالبات (ش،گ اور ع،ص) نے نقل بازی کا جو مظاہرہ کیا اس کا بھانڈا جلد ہی پھوٹ گیا۔ تحقیق و تحریر کے میدان میں ایسی بد دیانتی بے بال و پر ہی رہتی ہے اور قارئین ایسی حرکات کرنے والوں کو جس رائے سے نوازتے ہیں وہی ان کی جمع پونجی ہوتی ہے۔

راقم کے لیے اثاثہ اور اعزاز یہ ہے کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق دو لاکھ لوگوں نے جموں کشمیر بک آف نالج سے استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ سپریم کورٹ آف انڈیا کے سابق جج آر پی سیٹھی نے اپنی گراں قدر مطبوعہ تحقیقی کاوش Commantry on Constitution of J & K میں جموں کشمیر بک آف نالج سے بطور حوالہ جاتی کتاب استفادہ کیا۔

جموں کشمیر بک آف نالج کے پہلے ایڈیشن سے اس ایڈیشن تک قارئین نے اس کتاب کے بارے جن جذبات و احساسات کا اظہار کیا ہے ان کو سمیٹنا میرے لیے خاصا مشکل ہے۔ یہ قارئین کی دلچسپی اور پذیرائی کا نتیجہ ہے کہ میں نے اچھی خاصی محنت و ریاضت کے بعد اس کتاب میں لگ بھگ 112 صفحات کا اضافہ کر کے اسے مزید معلوماتی اور مفید و معاون بنا دیا ہے۔ اس ضمن میں مجھے قارئین کی آراء اور مشوروں کی ضرورت رہے گی۔

اپنے پیارے وطن جموں کشمیر کے لیے لکھنے کا میرا مشن کسی مالی منفعت یا کاروبار کی غرض سے شروع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ یہ ایک بے سروسامان اور سربکف مسافر کا وہ سفر تھا جس کی وضاحت میں کتاب ہذا کے اوّلین ایڈیشن میں ''آرزو کا سفر'' کے عنوان سے کر چکا ہوں یہی تحریر میری اس کاوش کا حرفِ آغاز ہے۔ معلوم نہیں بک آف نالج کے چاہنے والوں اور اس سے فیض یاب ہونے والوں نے میری مذکورہ تحریر کو کس انداز سے پڑھا ہوگا۔ اس لیے میں نہیں چاہتا کہ آرزو کا یہ سفر شروع کرنے والوں پر بعد ازاں جو بیتی اس کو یہاں بیان کرنے بیٹھ جاؤں۔ یہ بڑی طویل اور تلخ داستاں ہے۔ جو کسی اور موقع پر ضبطِ تحریر میں لائی جائے گی۔

یہاں بس اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ سفر اب بھی جاری و ساری ہے اور پوری شد و مد سے جاری ہے۔ رہزنوں اور لٹیروں نے قدم قدم پر ناکے لگا کر لوٹنے اور اجاڑنے کی کوشش کی لیکن بقول شاعر

ع لوٹنے والوں نے کبھی عزمِ سفر بھی لوٹا ہے

عزیز قارئین ! اطمینان رکھیے اور دعا گو رہیے قلم و فکر کے محاذ پر ہم اپنا سفر انشاءاللہ جاری رکھیں گے۔ اور اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک ہمارے جسم میں روح باقی ہے۔ کشمیر کی نئی نسل کو اپنے پیارے وطن جموں کشمیر کے بارے ہم کتنا کچھ اور کیا کچھ بتا سکے۔ اس کا فیصلہ آپ لوگ کریں گے یا پھر وقت کی عدالتِ عظمیٰ کرے گی۔

قارئین کرام ! آپ کی موجودگی میں میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج کہاں ہیں وہ پالیسی ساز، وہ درباری دانشور، وہ نانہاد ماہرینِ تعلیم، وہ نصاب ساز، وہ خود ساختہ مشیران عظام جو مظفرآباد اور اسلام آباد کی حکومتوں کو صبح و شام یہ مشورے دیتے رہے کہ مطالعہ کشمیر اور تاریخ کشمیر کو ہرگز تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل نہ کیا جائے وگرنہ کشمیر کی نئی نسل گمراہ ہو جائے گی اور ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ میں ان سطور کی وساطت سے ایسے ابن الوقتوں اور کشمیر دشمنوں کو باور کرانا چاہتا ہوں کہ اب نہ ہی وقت اور نہ ہی کشمیر کی نئی نسل تمہارے ساتھ ہے۔ وقت اور کشمیر کی نئی نسل اب ہمارے ساتھ ہے۔

اب تمہارا مرتب کردہ سرکاری ودرباری نصاب پڑھنے کا وقت بیت گیا۔ آج نئی نسل تمہارے فرسودہ اور بیہودہ نصاب کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر چکی ہے۔ تم کب تک یہ جھوٹ پر مبنی نصابِ تعلیم جبراً پڑھاتے رہو گے۔ نئی نسل تمہارے اس نصاب کو کشمیر کے چوکوں اور چوراہوں میں نذرِ آتش کرے گی۔ وقت اب قریب آ گیا ہے کہ نصابوں کی جلتی ہوئی چتاؤں میں تم اپنا آپ بھی جلتا ہوا پاؤ گے.... کشمیر کی نئی نسل عہد انقلاب کے دروازے پر دستک دے رہی ہے.... یہ نسل سچ کی متلاشی ہے.... وہ حقیقت کی پیکر ہے.... یہ اپنی شناخت.... اپنا تشخص.... اپنا وقار.... اپنی خودداری اور اپنی عزت وسالمیت چاہتی ہے.... اسی لیے جموں کشمیر بک آف نالج اور ایسی ہی روح پرور کتابیں اس کے لیے قومی نصاب کا درجہ رکھتی ہیں۔ جھوٹ اور فرسودگی پر مبنی تمہارا نصاب تمہیں مبارک ہو.... اپنا نصاب ہم خود مرتب کرنا اور پڑھنا جانتے ہیں۔

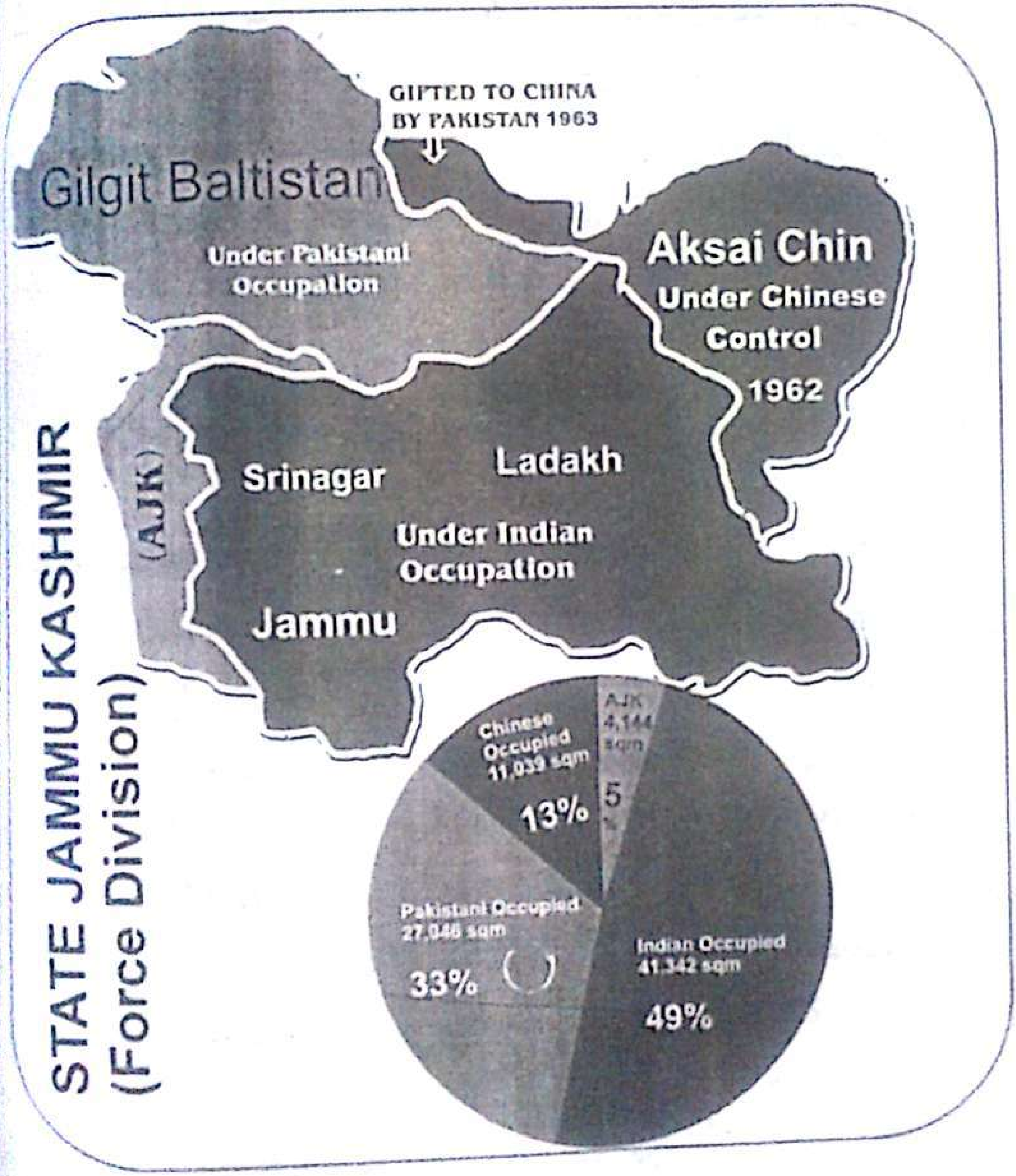
قارئین کرام الحمداللہ

جموں کشمیر بک آف نالج کا انیسواں ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ ایڈیشن نہایت ہی کٹھن حالات میں منظرِ عام پر لایا جا رہا ہے۔ کشمیری قوم اور ان کی عظیم الشان تاریخ کی کچھ نادیدہ دشمن قوتوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ وہ کشمیر کی نئی نسل کو تاریکی، اندھیرے، جہالت اور انتشار وخلفشار کی کیفیت سے دوچار رکھیں گے، ان کی تاریخ ان تک نہیں پہنچنے دیں گے اور ان کا جغرافیہ مٹا دیں گے، ان کو ان کے قومی سوال سے دور رکھیں گے۔ لیکن میرا عزم ہے کہ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں جہالت اور غلامی کا یہ ایجنڈا رکھنے والوں کا قدم قدم پر مقابلہ کروں گا اور اپنے وطنِ عزیز جموں کشمیر کی نئی نسل کو تاریخی حقیقتوں سے آگاہ کرتا رہوں گا۔ اس مشن کی خاطر میں ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار ہوں۔ میرے اور میری قوم کے دشمن خاطر جمع رکھیں، عزت وذلت دینے والا اللہ رب العالمین ہے، روزی رساں وہی ہے اور زندگی اور موت بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے میرے اس مقدس مشن سے روک نہیں سکتی۔ وماتوفیقی الا باللہ

خونِ دل دے کے نکھاریں گے رخِ برگِ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

محمد سعید اسعد

0331-8240495


GIFTED TO CHINA
BY PAKISTAN 1963
Gilgit Baltistan
Under Pakistani
Occupation
Aksai Chin
Under Chinese
Control
1962
(AJK)
Srinagar
Ladakh
Under Indian
Occupation
Jammu
STATE JAMMU KASHMIR
(Force Division)
Chinese
Occupied
11,039 sqm
13%
AJK
4,144
sqm
5
%
Pakistani Occupied
27,046 sqm
33%
Indian Occupied
41,342 sqm
49%

باب اوّل

جموں کشمیر

جغرافیائی مطالعہ

سرزمین کشمیر کا ظہور
کشمیر کی وجہ تسمیہ
جموں، وجہ تسمیہ
ریاست جموں کشمیر کا محل وقوع
ریاست جموں کشمیر کا رقبہ
ریاست جموں کشمیر کی آبادی
ریاست کی انتظامی تقسیم ، صوبے ، اضلاع ، تحصیلیں
ریاست کی عظیم سڑکیں
ریاست کے پہاڑی سلسلے
کشمیر کے درے
کشمیر کی بلند چوٹیاں
کشمیر کے تاریخی باغات
گھریلو صنعتیں
زبانیں، ہوائی اڈے، پل، فصلیں، مرغزار، مزارات، خانقاہیں،
کشمیر کے موسم

سرزمین جموں کشمیر کا ظہور

ریاست جموں کشمیر ہمالیہ اور قراقرم کی آغوش میں آباد ہے۔ شاہراہ کشمیر پر رام پور کے قریب چونے کے پتھروں کی اونچی بالکل سیدھی کھڑی چٹانیں ہمیں بتاتی ہیں کہ ان چٹانوں کا وجود نازک سمندری مچھلیوں کے خولوں کے جمے ہوئے مواد کی یادگار ہے۔ ان چٹانوں کے مشاہدے سے پتہ چلتا ہے کہ آج کی یہ بالکل کھڑی چٹانیں کسی زمانے میں نیچے سمندر کی سطح پر بچھی ہوئی تھیں۔ ہمالیہ قراقرم اور پیر پنجال کے مختلف علاقوں میں موجود چٹانوں میں محفوظ کستورا مچھلی کے فاسلز بھی گواہی دیتے ہیں کہ یہ چٹانیں بھی کبھی سمندر کے نیچے بچھی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ سری نگر کے مشرق میں چند میل کے فاصلے پر ''زی ون'' کے علاقے میں چٹانوں کی تہوں کے نیچے دفن فاسلز کے اندر محفوظ سمندری، حیوانی اور نباتاتی فاسلز سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کسی زمانے میں سرزمین جموں کشمیر سمندر کے اندر دھنس گئی ہوگی اور بعدازاں اوپر دھکیلی گئی ہوگی۔ سری نگر کے قریب تخت سلیمان پر خالصتاً خشک لاوے کی چٹانیں واضح طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ یہ آتش فشانی عمل سے وجود میں آئی ہیں اور یہ عمل شائد سمندر کے نیچے رونما ہوا ہوگا۔ نانگا پربت کے پہلو میں Granite کی چٹانیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جیسے یہ سمندر کے نیچے زمین کی تہہ سے ابل کر باہر آگئی ہوں گی۔ کے۔ٹو اور نانگا پربت کے بارے بھی ایسے بہت سارے شواہد ملے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سربفلک پہاڑ بھی کبھی سمندر کے پانیوں میں غوطے کھا رہے تھے۔ یہ فلک بوس پہاڑ، مٹی، ریت، پودوں یا سمندری جانوروں کے خولوں وغیرہ کے تہہ در تہہ کروڑوں سال بچھے رہنے کے عمل سے وجود میں آئے ہیں اور پھر کسی زمانے میں یہ تہہ دار چٹانیں پانی کی سطح سے اوپر اٹھ گئیں۔ اس طرح سطح زمین پر ہر طرف سے زبردست دباؤ پڑتا رہا جس کے نتیجے میں توڑ پھوڑ واقع ہوئی، زمین اوپر ابھرتی رہی اور پھر ڈوبتی رہی۔ جس کی وجہ سے اس میں ارتعاش اور دھڑکن جاری رہی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی دوران ایک ایسا دور آیا جب امریکہ اور یورپ کے ساتھ اس کا بری رابطہ استوار ہوا اور مدغاسکر اور مغربی افریقہ کا بھی کشمیر سے رابطہ ہوا۔

بالآخر سطح سمندر میں بننے والی یہ چٹانیں اندرونِ زمین ہونے والی حرکات کے سبب اوپر ہزاروں فٹ بلند ہوگئیں۔ یہ عمل تھوڑے دنوں یا چند سالوں میں ممکن نہ ہوسکا بلکہ اس میں لاکھوں یا کروڑوں سال صرف ہوئے۔

ان حقائق سے وہی واقف ہوسکتا ہے جس نے کشمیر کے یہ بلند وبالا سلسلہ در سلسلہ پہاڑ اور ان کے پیچھے آسمان سے محو سخن چوٹیاں دیکھی ہوں جو اپنی سرکشی کی زیب داستاں خود بیان کررہی ہیں۔ آج ان کا وجود جس عظمت اور وجاہت سے ہمارے سامنے خاموشی سے چپ سادھے ایستادہ ہے وہ اس بے حساب وقت کے عمل کی خود ہی دلیل ہے اور کسی دیدہ ور کو متاثر کرنے کے لیے کافی ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ وقت دس کروڑ سال پہلے کا ہے۔ لیکن اس وقت اس تیتھ نامی سمندر کی حدود کیا تھیں جس کے پانیوں میں کشمیر غوطے کھا رہا تھا؟ صحیح طور پر بتانا مشکل ہے۔ لیکن جزیرہ نما ہند اور افریقہ سے یہ بری و بحری طور پر مربوط ضرور تھا۔ اندازاً سمندر مغرب میں یورپ اور مشرق میں چین تک پھیلا ہوا تھا، دریا وغیرہ اس میں بارشوں سے لایا ہوا خشکی کا ملبہ لاکر بچھاتے تھے۔ جو لاکھوں اور کروڑوں سال تک رفتہ رفتہ سیکڑوں اور ہزاروں فٹ کی تہوں میں جمع ہوا اور ڈھیر ے ڈھیرے اوپر اٹھتا گیا اور ٹھوس ہوتا گیا۔ بالآخر کشمیر کے موجودہ پہاڑوں کی صورت میں سامنے آیا۔

مصدقہ تفصیلات کے مطابق سب سے بڑی حرکت جونسر پیریڈ 40 کروڑ سال سے پہلے ہوئی۔ زمین کا سینہ بڑی بے قراری سے ابھرا اور جو کچھ سمندر کی گہرائیوں میں تہہ در تہہ جمع ہوگیا تھا سطح آب سے اوپر اٹھ کر نمودار ہوا۔ زمین کے قلب سے آتش فشانی ہونے لگی جس کی گرمائش نے ان تہہ دار چٹانوں کو پکا کر ٹھوس چٹانی صورت بخشی اور باہر آکر انہیں لاوے اور آتشیں راکھ کی چادروں سے ڈھانپ دیا جو آج خطہ کشمیر کے پہاڑوں پر نظر آتی ہیں ان میں سرینگر کے اندر تختِ سلیمان بھی شامل ہے یہ کشمیر کی ابتدائی رونمائی تھی جو موجودہ جنگلوں اور برفانی چوٹیوں سے سجی سجائی خوبصورت وادیوں کی صورت میں نہیں بلکہ ویران آتشیں مجمع الجزائر کی صورت میں تھی۔ لیکن یہ ان کی مستقل جلوہ افروزی نہیں تھی بلکہ کچھ عرصہ بعد یہ سمندر میں پھر غوطہ زن ہوئے۔ ڈیونیپریڈ (35 سے 40 کروڑ سال) میں یہ سمندر غوطہ زن ہی تھے لیکن اس کے بعد کاربونی فیرس (Carboniferous) پیریڈ (25 سے 35 کروڑ سال) میں زبردست آتش فشانی عمل سے کشمیر کا آتشی جزیرہ مجمع الجزائر کی صورت میں ابھرا۔ رفتہ رفتہ سارا کشمیر ابھرا اور برعظیم کے ساتھ نظر آنے لگا۔ جو اس دور میں افریقہ کے ساتھ بری راستے سے مربوط تھا اس طرح ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ظاہراً موجودہ ساکت خطۂ زمین کس قدر زبردست ترین حرکات سے دوچار رہی ہے۔

لیکن یہ بھی کشمیر کی جلوہ افروزی کا مختصر دور تھا کیونکہ وسط کاربونی فیرس میں یہ دوبارہ سمندر میں غوطہ زن ہوا اور کئی لاکھ سال یونہی ڈوبا رہا ابتداء ٹرشری (40 لاکھ سال قبل) میں یہ دوبارہ ابھرا اور سمندر کو رفتہ رفتہ تبت اور ہمالیہ سے پرے دھکیلتا رہا۔ ایوسین دور (Eocene age) 20 سے 25 لاکھ سال کے اختتام پر تبت اور ہمالیہ خشک زمین کی صورت میں ابھرے۔ کشمیر اب برعظم کا ایک حصہ تھا۔ زمین دوز قوتیں اس دور

میں زور شور سے عمل پذیر تھیں۔ ایک اور آتشیں پھنکار نے سطح زمین پر ہل چل مچادی اور شائد اسی ہل چل کے ساتھ ہمالیہ کا ظہور منسوب ہے۔ تہہ دار چٹانوں سے پگلا ہوا گرے نائٹ کا مادہ زمین کی نچلی سطح سے باہر آنا شروع ہوا۔ یہ زمین کے اندرونی دھکتے ہوئے حصے سے اُبل رہا تھا اور بہت اوپر دھکیلا جا رہا تھا اس نے برفانی سطح کو پار کیا اور بالآخر بے نظیر چوٹیوں کی صورت میں جم گیا۔ آج خطہ کشمیر میں یہ بلند و بالا، قطار اندر قطار، سر بز چوٹیاں اسی ارتقائی عمل کا نتیجہ ہیں۔ ارتقاء کا یہ عمل محسوس یا غیر محسوس طریقے سے مسلسل جاری ہے۔ پروفیسر ایم این پتھاولہ اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"It is to be noted that work of upheaval in the Himalayas has not yet been completed . They are still in the act of rising, So very unstable the are and the process is going on, Even the heights of the mountain peaks must be increasing".[1]

کشمیر، وجہ تسمیہ

ریاست جموں کشمیر کو عرف عام میں ''کشمیر'' کہا جاتا ہے۔ لفظ کشمیر ان تمام علاقوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو 1947 میں تقسیم ہند کے وقت 84,471 مربع میل پر مشتمل متحدہ ریاست جموں کشمیر میں شامل تھے۔ بطور خاص لفظ ''کشمیر'' اس وادی کشمیر کے لیے بھی مستعمل ہے جو پیر پنجال کے شمال میں ہمالیہ کے دامن میں 80 میل لمبی اور تقریباً 34 میل چوڑی ہے۔

مؤرخین و محققین کے ہاں لفظ کشمیر ہمیشہ موضوع بحث رہا ہے۔ کشمیر کو ''کشمیر'' کیوں کہا جاتا ہے؟ یہ سوال گزشتہ کئی صدیوں سے زیر بحث چلا آ رہا ہے۔ محققین نے اس سوال پر بحث کرتے ہوئے بہت سی توجیہات و تشریحات پیش کی ہیں۔ ان تشریحات کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ اس خطہ، جنت نظیر کی ہزار ہا سال پر پھیلی ہوئی تاریخ، تہذیب و تمدن اور ثقافت کی کوکھ سے جنم لینے والا یہ لفظ ''کشمیر'' اپنے اندر معنی و مطالب کا ایک جہان سمیٹے ہوئے ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ لفظ کشمیر ہزاروں سال سے استعمال ہو رہا ہے۔ بنظر عمیق دیکھا جائے تو خطہ کشمیر کی ہزاروں سالہ تاریخ و تہذیب کا سفر لفظ ''کشمیر'' اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ کشمیر کی وجہ تسمیہ کو سمجھنے کے لیے ذیل میں چند روایات پیش کی جا رہی ہیں۔

1۔ کشپ میر: مورخ کشمیر پنڈت کلہن نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''راج ترنگی'' میں لکھا ہے کہ زمانہ قدیم میں یہ خطہ زمین جو کہ ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے، یہ سارا پانی میں ڈوبا رہتا تھا اور یہاں ایک گہری جھیل

[1] An Introduction to Kashmir P.9

واقع تھی جسے ستی سر جھیل کہا جاتا تھا۔ اس جھیل میں ایک دیو چھپا رہتا تھا جس کا نام ''جلودبھو'' تھا۔ وہ جھیل سے نکل کر اس کے کناروں پر رہنے والے انسانوں کو نہ صرف تنگ کرتا تھا بلکہ انہیں کھا جاتا تھا۔ اس دیو نے انسانوں کی زندگی اجیرن بنا رکھی تھی۔ جب لوگ اس آدم خور دیو سے حد درجہ تنگ آ گئے تو منوویوسوت کے عہد میں ایک روحانی قوت کی حامل شخصیت ''کشپ رشی'' اس خطے میں تشریف لائے تو لوگوں نے ان کے حضور پیش ہو کر ظالم دیو کے ظلم کی شکایت کی اور اس کے مظالم سے نجات دلانے کی فریاد کی۔ چنانچہ کشپ رشی نے برہما وشنو اور شیو کی مدد سے روحانی عمل کے ذریعے جھیل کا پانی خارج کر دیا۔ جلودبھو جب باہر آیا تو اسے پہاڑ کے نیچے دبا کر ہلاک کر دیا گیا۔ جھیل کی تہہ سے ایک ہموار وادی سامنے آئی جو ''کشپ میر'' کہلائی یعنی کشپ بزرگ کی خالی کردہ جگہ۔ اس روایت کے مطابق کشمیر کا قدیم نام کشپ میر تھا جو مستعمل ہوتے ہوتے کشمیر کہلانے لگا۔

2۔تت سروبھومیاؤ: ایک روایت کے مطابق کشمیر کا نام ''تت سروبھومیاؤ'' یعنی تیرتھوں کی سرزمین ہے۔ کشمیر کا اول اور متبرک تیرتھ ''نیل ناگ چشمہ'' ہے۔ قدیم روایات کے مطابق یہ تیرتھ اس ملک کے تیرتھوں کا سردار مانا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نیل کشپ رشی کا بیٹا تھا۔ اس کی جائے پیدائش ویری ناگ قصبے کا یہی چشمہ ہے۔ جو پرگنہ شاہ آباد میں درہ بانہال کے دامن میں واقع ہے۔ قدیم زمانے میں اہل کشمیر ان چشموں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ایسے تیرتھ (چشمے) جگہ جگہ تھے۔ لہٰذا ان تیرتھوں کی کثرت کے سبب اس خطے کو ''تت سروبھومیاؤ'' کہا جانے لگا۔

3۔ک اشیر، کشیر: ایک روایت یہ ہے کہ 558 قبل مسیح میں بنی اسرائیل کے وہ گروہ جو ملک شام سے ہجرت کر کے اس خطہ زمین پر وارد ہوئے انہوں نے جب اس دھرتی اور اس کی آب وہوا کو دیکھا تو وہ فوراً پکار اٹھے ''ک اشیر'' ''ک'' عبرانی زبان میں ''مانند، طرح یا جیسا'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں بھی آیا ہے اور ''اشیر'' ملک شام کو کہتے ہیں (انگریزی میں یہ لفظ Syria کہلاتا ہے) یعنی ملک شام جیسا ملک۔ یوں عبرانی زبان بولنے والے بنی اسرائیل نے اسے ''کاشیر'' کا نام دیا۔ جو مستعمل ہوتے ہوئے کشمیر بن گیا۔ کشمیری زبان بولنے والے کشمیر کو آج بھی ''**کشیر**'' ہی کہتے ہیں۔

4۔کاشر: ایک اور روایت یہ ہے کہ کشمیر میں داخل ہونے والے بنی اسرائیل نے جب یہ دیکھا کہ اس خطے کی مقامی آبادی کسی الہامی مذہب کی پیروکار نہیں۔ ان کے ہاں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں۔ اس لیے وہ حرام چیزیں کھاتے ہیں۔ جب مقامی لوگوں نے بنی اسرائیل کو بھی غیر ذبح شدہ گوشت کھانے کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ''اس چہ کاشر'' یعنی ہم حلال خور ہیں۔ ''کاشر'' عبرانی زبان میں حلال خور کو کہتے ہیں۔ کاشر مستعمل ہو کر کشمیر بن گیا۔ جس کے معنی ہوئے ''حلال خور'' بنی اسرائیل چونکہ الہامی مذہب کے پیروکار تھے۔ وہ ذبیحہ کا گوشت کھاتے تھے۔ کشمیر کے مقامی لوگوں کو ان کا یہ طریقہ پسند آیا اور انھوں نے اس طریقے کو اختیار کر

لیا۔ ا

5۔کاس+میرا: ایک روایت یہ ہے کہ کشمیر دراصل" کاس" اور"میرا" کامرکب ہے۔ وادی کشمیرایک جھیل تھی۔جھیل کے پانی کو" کاس" کہتے ہیں اور"میرا"ایسی جگہ کو کہا جاتا ہے۔ جہاں پانی نہ ہو۔" کاس میرا"یعنی پانی سے خالی کی ہوئی جھیل کا علاقہ۔کاس میرارفتہ رفتہ بدل کر کشمیر کہلانے لگا۔

6۔کس میر: ایک اور روایت یہ ہے کہ کشمیر"کس اور میر" کا مرکب ہے۔"کس" نالے کو کہا جاتا ہے اور"میر" کا مطلب ہے بلند جگہ۔یعنی نالوں اور پہاڑوں پر مشتمل ملک۔

7۔کھش مر: ایک اور روایت یہ ہے کہ عہدقدیم میں وادی کشمیراوراس کے گردونواح میں ایک قوم کھش" آبادتھی۔اس نسبت سے اس خطے کا نام "کھش مر" پڑگیا،یعنی کھش قوم کے رہنے کی جگہ۔"کھشمر" مستعمل ہوتے ہوتے"کشمیر" بن گیا۔

8۔کاش میر: ایک اور روایت کے مطابق لفظ کشمیر" کاش اور میر" کامرکب ہے۔کہا جاتا ہے کہ" کاش" حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہی دربار میں جنات کا سردار تھا۔جبکہ"میر" پریوں کی سردار تھی۔جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا شاہی بیڑا ہوا میں اڑتا ہوا خطہ کشمیر سے گزرا تو سلیمان علیہ السلام نے پانی کے ایک وسیع ذخیرے میں موجود پہاڑ کی خشک چوٹی کو دیکھتے ہوئے بیڑے کو اس پر اترنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ بیڑا اترا تو آپ نے دیکھا کہ آس پاس حدنظر تک پانی ٹھہرا ہوا ہے۔یہ خوبصورت منظر دیکھتے ہی وہ عش عش کراٹھے۔ انہوں نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا کہ اگر اس جھیل کے پانی کو خارج کر دیا جائے تو اس کی تہہ سے خوبصورت ،زرخیز وادی نمودار ہوگی جس میں انسانی آبادی ممکن ہوگی۔ چنانچہ سوال یہ پیدا ہوا کہ اس جھیل سے پانی کیسے خارج کیا جائے۔جنوں کا سردار "کاش" جو اس میٹنگ میں موجود تھا اس نے پیش کش کی کہ وہ یہ فریضہ سرانجام دے سکتا ہے۔لیکن اس نے یہ فرمائش کی کہ اگر وہ یہ خدمت سرانجام دے تو شاہی دربار میں موجود"میر" پری اس کے عقد میں دے دی جائے۔سلیمان علیہ السلام نے اس کی یہ فرمائش پوری کرنے کا وعدہ کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اس جھیل کو خالی کرے۔ چنانچہ اس جن نے اپنے طلسماتی عمل سے بارہ مولا کا پہاڑ کاٹ دیا جس سے جھیل کا پانی خارج ہو گیا۔سلیمان علیہ السلام نے اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے"میر" پری اس کے عقد میں دے دی۔یوں" کاش" اور"میر" کی نسبت سے اس خطے کا نام" کاشمیر" رکھا گیا۔جو صوتی تغیر سے کشمیر بن گیا۔سری نگر کے عقب میں کوہ ہرمکھ کی چوٹی پر تخت سلیمان اس واقعہ سے منسوب ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں جب سید علی ہمدانی کشمیر تشریف لائے تو انہوں نے شاید اسی تناظر میں کشمیر کو

ا ماہنامہ" آج کل" دہلی کشمیر نمبر اگست 1955ء

"**باغ سلیمان**" کا نام دیا۔ درجہ بالا تشریحات اور روایات سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خطہ کشمیر تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے کتنی عظمت اور وسعت اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

جموں، وجہ تسمیہ

روایت ہے کہ آج سے تقریباً تین ہزار برس قبل دریائے توی کے کنارے جہاں جموں شہر آباد ہے یہاں ایک گھنا جنگل تھا۔ ایک دفعہ باہور ریاست کا بادشاہ "جامبولوچن" اس جنگل میں شکار کھیلنے کے لیے آیا تو اس نے دیکھا کہ یہاں ایک تالاب کے کنارے شیر اور بکری ایک ساتھ پانی پی رہے ہیں۔ وہ اس خطے کے ان جنگلی جانوروں کی محبت اور دوستی کا یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے ان امن پسند اور صلح جو جانوروں کا شکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے سوچا جس خطے کے جانوروں میں آپس میں اتنا پیار اور صلح مندی ہے یقیناً اس خطے میں آباد ہونے والے انسانوں میں بھی یہ خصائل پائے جائیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا اور یہاں ایک شہر آباد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس شہر کا نام بادشاہ کے نام پر "جامبو" رکھا گیا جو رفتہ رفتہ جموں کہلانے لگا۔

ریاست جموں کشمیر کا محل وقوع

ریاست جموں وکشمیر 32,37 سے 36,58 عرض بلد اور 73,26 سے 80,30 طول بلد کے درمیان واقع ہے۔ یہ براعظم ایشیاء کے وسطی حصے میں واقع ہے۔ اس کے عین جنوب میں برعظیم ہند واقع ہے۔ تاریخی، جغرافیائی، تہذیبی اور ثقافتی رشتوں کے اعتبار سے کشمیر سنٹرل ایشیا کا حصہ ہے۔ اسی لیے اسے "ایشیاء کی انگوٹھی کا نگینہ" کہا جاتا ہے۔ برعظیم ہند کے طالع آزما حکمران ہر عہد میں ایشیاء کی انگوٹھی کے اس نگینے کو چرانے یا ہتھیانے کے منصوبے بناتے رہے ہیں۔ ریاست کے مشرق میں چین کا علاقہ تبت واقع ہے۔ مغرب میں پاکستان کا سرحدی صوبہ اور اس سے آگے افغانستان واقع ہے۔ شمال میں چین اور تاجکستان واقع ہیں جبکہ جنوب میں بھارت اور پاکستان واقع ہیں۔ گویا ریاست کی سرحدیں چار پڑوسی ممالک سے براہ راست منسلک ہیں۔ چین، پاکستان، بھارت اور افغانستان۔ ان ممالک کی کشمیر سے منسلک سرحدوں کی لمبائی حسب ذیل ہے۔

چین کے ساتھ	950 میل
پاکستان کے ساتھ	700 میل
بھارت کے ساتھ	300 میل
افغانستان کے ساتھ	50 میل

ریاست جموں کشمیر کے شمال مغرب میں افغانستان کی 50 میل لمبی اور تقریباً 10 میل چوڑی واخان کی پٹی واقع ہے جسے 1890ء میں برطانوی حکومت نے ایک جبری معاہدے کے تحت افغانستان میں شامل کر دیا تھا تا کہ روس اور کشمیر کے درمیان زمینی رابطہ منقطع کیا جا سکے۔ ایسا اس لیے کیا گیا تھا کہ زار روس کے ہندوستان کی طرف بڑھتے ہوئے اثرات کو روکا جا سکے۔ نیز حکومت کشمیر کو روس سے سفارتی و تجارتی تعلقات قائم کرنے میں سدِ راہ قائم کی جائے۔ واخان کی یہی تنگ پٹی تاجکستان سے کشمیر کو جدا کئے ہوئے ہے۔

ریاست جموں کشمیر کا رقبہ

ریاست جموں کشمیر کا کل رقبہ **84,471** مربع میل (218779 مربع کلومیٹر) ہے۔ بلحاظ رقبہ ریاست جموں کشمیر دنیا کے 111 آزاد خود مختار ممالک سے بڑی ہے۔ تقسیم کشمیر سے پہلے ریاست کا صوبائی رقبہ حسب ذیل تھا۔

صوبہ جموں	صوبہ کشمیر	صوبہ لداخ وگلگت
12,378 مربع میل	8,539 مربع میل	63,554 مربع میل

1947ء کے بعد ریاست جموں کشمیر پر پاکستان، ہندوستان اور چین کے قبضے کے سبب ریاست کے مقبوضہ علاقوں کا رقبہ حسب ذیل ہے۔

ا۔ بھارت کے زیر قبضہ

صوبہ لداخ	صوبہ کشمیر	صوبہ جموں
24,569 مربع میل	6,839 مربع میل	9,880 مربع میل

☆ کل بھارتی مقبوضہ علاقہ **41,342** مربع میل ہے (1,07,075 مربع کلومیٹر)۔

۲۔ پاکستان کے زیر قبضہ

گلگت بلتستان	آزاد کشمیر
27946 مربع میل (72,379.8 مربع کلومیٹر)	4,144 مربع میل (10,732.9 مربع کلومیٹر)

☆ کل پاکستانی مقبوضہ علاقہ **32,090** مربع میل (83,112.7 مربع کلومیٹر) ہے۔

۳۔ چین کے زیر قبضہ

1962ء کی بھارت چین جنگ کے نتیجے میں چین نے بھارت کے زیر قبضہ صوبہ لداخ کا 9,171 مربع میل (23752.7 مربع کلومیٹر) علاقہ اپنے قبضے میں لے لیا جسے اقصائی چن کہا جاتا ہے۔ پاکستان کے صدر ایوب خان نے گلگت بلتستان کی شمال سرحد پر 1,868 مربع میل (4,838 مربع کلومیٹر) کا علاقہ پاک چین سرحدی معاہدہ کرتے وقت (1963ء) چین کو تحفتاً دے دیا۔ یہ دونوں خطے ملا

کر چین کے زیر قبضہ ریاست جموں کشمیر کا کل 11039 مربع میل (28,590.8 مربع کلومیٹر) علاقہ ہے۔

کشمیر کی آبادی

ریاست جموں کشمیر میں پہلی مردم شماری 1911ء میں ہوئی بعد از اں 1941ء تک ہر 10 سال بعد مردم شماری ہوتی رہی جس کے مطابق آبادی کا تناسب حسب ذیل رہا۔

سال	آبادی
1911ء	31,61334
1921ء	33,80,419
1931ء	36,35,625
1941ء	40,21,616

1947ء میں ریاست جموں کشمیر کی جبری تقسیم کے سبب مجموعی طور پر مردم شماری ممکن نہ رہی آزاد کشمیر، بھارتی مقبوضہ کشمیر، مہاجرین جموں کشمیر اور باشندگان گلگت بلتستان کی آبادی بڑھتی رہی اور شرح آبادی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا لیکن اس کے صحیح اعداد و شمار جمع نہ ہو سکے۔ ایک محتاط تخمینے کے مطابق اس وقت ریاست جموں کشمیر کی کل آبادی دو کروڑ 16 لاکھ ہے جس کی تفصیل ذیل ہے۔

۱۔ ہندوستانی مقبوضہ کشمیر	1 کروڑ 15 لاکھ
۲۔ آزاد کشمیر	45 لاکھ
۳۔ گلگت بلتستان	18 لاکھ
۴۔ مہاجرین مقیم پاکستان	20 لاکھ
۵۔ بیرون ملک آباد کشمیری	18 لاکھ

....

کل آبادی 2,16,00000 (دو کروڑ سولہ لاکھ)

☆ بلحاظ آبادی ریاست جموں کشمیر دنیا کے 135 ممالک سے بڑی ہے۔

ریاست جموں کشمیر کی انتظامی تقسیم

ریاست جموں کشمیر انتظامی طور پر چار حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔

1. بھارتی مقبوضہ کشمیر 41,342 مربع میل

2. چینی مقبوضہ (اقصائی چن) 11039 مربع میل

3. پاکستانی مقبوضہ (گلگت بلتستان) 27,946 مربع میل

4. آزاد کشمیر 4144 مربع میل

ریاست جموں کشمیر میں کل 139 اضلاع اور 135 تحصیلیں ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

صوبہ جموں: بھارت کے زیر کنٹرول صوبہ جموں کی کل 37 تحصیلیں اور 10 اضلاع ہیں۔

ضلع جموں ۱۔جموں ۲۔ بشنا ۳۔رنبیر سنگھ پورہ ۴۔اکھنور

ضلع سانبہ ۱۔سانبہ

ضلع کٹھوعہ ۱۔کٹھوعہ ۲۔ہیرانگر ۳۔بسوہلی ۴۔بلاور ۵۔بنی

ضلع اودھم پور ۱۔اودھم پور ۲۔رام نگر ۳۔مجلتا ۴۔چنینی

ضلع رام بن ۱۔رام بن ۲۔بانہال

ضلع راجوری ۱۔راجوری ۲۔نوشہرہ ۳۔بدھل ۴۔تھنہ منڈی ۵ سندر بنی، ۶۔کالاکوٹ ۷۔درہال

ضلع پونچھ ۱۔حویلی ۲۔مینڈھر ۳۔سرن کوٹ ۴۔منڈی

ضلع ڈوڈہ ۱۔ڈوڈہ ۲۔تھاتھری ۳۔گونڈ ۴۔بھدرواہ

ضلع کشتواڑ ۱۔کشتواڑ ۲۔چھترو ۳۔مروا ۴۔اٹھولی (پاڈر)

ضلع ریاسی ۱۔ریاسی ۲۔گول گلاب گڑھ

صوبہ کشمیر: بھارت کے زیر قبضہ صوبہ کشمیر کے 10 اضلاع اور 39 تحصیلیں ہیں۔

ضلع سرینگر ۱۔سرینگر جنوبی ۲۔سرینگر شمالی

ضلع گاندربل ۱۔گاندربل ۲۔کنگن ۳۔لار

ضلع اننت ناگ ۱۔اننت ناگ ۲۔پہلگام ۳۔ڈورو ۴۔شنگس ۵۔بج بہاڑہ ۶۔کوکرناگ

ضلع کولگام ۱۔کولگام ۲۔دیوسر ۳۔ڈی۔ایچ۔پورہ

ضلع بڈگام ۱۔بڈگام ۲۔بیروہ ۳۔چاڈورا ۴۔چرار شریف ۵۔کھاگ ۶۔خان صاحب

ضلع پلوامہ ۱۔پلوامہ ۲۔اونتی پورہ ۳۔ترال ۴۔پامپور

ضلع شوپیاں ۱۔شوپیاں

ضلع بارہ مولا ۱۔بارہ مولا ۲۔سوپور ۳۔اوڑی ۴۔رفیع آباد ۵۔ٹنگ مرگ ۶۔بونیار ۷۔پٹن ۸۔کریری

ضلع بانڈی پورہ ۱۔گریز ۲۔بانڈی پورہ ۳۔سوناواری

ضلع کپواڑہ ۱۔کپواڑہ ۲۔ہندواڑہ ۳۔کرناہ

صوبہ لداخ: بھارت کے زیر کنٹرول لداخ کے 2 اضلاع اور 6 تحصیلیں ہیں۔

ضلع لداخ ۱۔لیہ ۲۔نوبرا ۳۔خالسی ضلع کرگل ۱۔کرگل ۲۔سنکو ۳۔زنسکار

بھارت کے زیر قبضہ جموں کشمیر کے کل 22 اضلاع اور 82 تحصیلیں ہیں۔

آزاد کشمیر: آزاد کشمیر کے 10 اضلاع اور 32 تحصیلیں ہیں۔

ضلع میرپور ۱۔میرپور ۲۔ڈڈیال

ضلع کوٹلی ۱۔کوٹلی ۲۔سہنسہ ۳۔نکیال ۴۔کھوئی رٹہ ۵۔چڑھوئی ۶۔دولیاہ جٹاں

ضلع پونچھ ۱۔راولاکوٹ ۲۔ہجیرہ ۳۔عباسپور ۴۔تھوراڑ

ضلع باغ ۱۔باغ ۲۔دھیرکوٹ ۳۔ہاڑی گہل

ضلع حویلی ۱۔فارورڈ کہوٹہ ۲۔خورشید آباد ۳۔ممتاز آباد (پلنگی)

ضلع مظفرآباد ۱۔مظفرآباد ۲۔پٹہکہ

ضلع نیلم ۱۔اٹھمقام ۲۔شاردا

ضلع سدھنوتی ۱۔پلندری ۲۔تراڑکھل ۳۔منگ ۴۔بلوچ

ضلع بھمبر ۱۔بھمبر ۲۔سماہنی ۳۔برنالہ

ضلع ہٹیاں ۱۔ہٹیاں ۲۔چکار ۳۔لیپا

صوبہ گلگت بلتستان: ریاست جموں کشمیر کے شمالی علاقہ جات 7 اضلاع اور 21 تحصیلوں پر مشتمل ہیں۔

ضلع گلگت ۱۔گلگت ۲۔جگلوٹ ۳۔دینور

ضلع ہنزہ نگر ۱۔نگرون ۲۔نگرٹو ۳۔علی آباد ۴۔گوجال

ضلع دیامر ۱۔چلاس ۲۔داریل تانگیر

ضلع استور ۱۔استور ۲۔شونٹھر

ضلع غذر ۱۔پونیال ۲۔اشکومن ۳۔گوپس ۴۔یاسین

ضلع اسکردو ۱۔اسکردو ۲۔روندو ۳۔شگر

ضلع گھانچے ۱۔خپلو ۲۔سیاچن ۳۔کھرمنگ

جموں کشمیر کی عظیم سڑکیں

۱۔ **بانہال کارٹ روڈ:-** سرینگر کو جموں سے ملاتی ہے (180 میل) جموں سے ایک طرف ہندوستان کے شہر پٹھانکوٹ (64 میل) کو چلی جاتی ہے اور دوسری طرف پاکستان کے شہر سیالکوٹ (28 میل) کو جاملتی ہے۔ اس شاہراہ پر واقع اہم مقامات حسب ذیل ہیں۔

جموں سے سری نگر کو چلیں تو راستے میں اودھم پور (40 میل) بنوٹ (35 میل (رام سو (32 میل) ویری ناگ (23 میل (اسلام آباد (17 میل) اور سرینگر (33 میل) واقع ہیں۔

۲۔ **پنجاب کشمیر مغل روڈ:-** یہ سڑک سرینگر کو براستہ راجوری، بھمبر پنجاب سے ملاتی ہے، مغل اسی راستے کشمیر آیا کرتے تھے۔ اس سڑک کا پرانا نام نمک روڈ ہے۔ مغلوں نے اسے از سرنو تعمیر کروایا۔ اسی لیے یہ مغل روڈ کہلائی۔ اس شاہراہ پر واقع اہم مقامات حسب ذیل ہیں۔ بھمبر سے سرینگر جائیں تو راستے میں سعد آباد (14 میل) نوشہرہ (12 میل) چنگس (14 میل) راجوری (14 میل) تھنہ منڈی (14 میل) بہرام گلہ (10 میل) پوشیانہ (10 میل) علی آباد (11 میل) ہیر پور (13 میل) شوپیاں (8 میل) اور سرینگر (30 میل) واقع ہیں۔

۳۔ **سہالہ پونچھ روڈ:-** یہ سڑک سرینگر کو براستہ پونچھ راولپنڈی سے ملاتی ہے۔ سہالہ سے پونچھ جائیں تو راستے میں کہوٹہ (13 میل) آزاد پتن (32 میل) پلندری (15 میل) ہجیرہ (27 میل) اور پونچھ (16 میل) واقع ہیں۔ پونچھ سے سرینگر 88 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

۴۔ **جہلم ویلی روڈ:-** یہ سڑک سرینگر کو براستہ مظفر آباد، مری پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد سے ملاتی ہے۔ اسلام آباد سے سرینگر 190 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ کوہالہ سے سرینگر تک یہ سڑک دریائے جہلم کے کنارے کنارے جاتی ہے اسی لیے اسے جہلم ویلی روڈ کہا جاتا ہے۔ اسلام آباد سے کشمیر جائیں تو راستے میں مری (30 میل) کوہالہ (30 میل) مظفر آباد (21 میل) گڑھی دوپٹہ (14 میل) چکوٹھی (22 میل) اوڑی (13 میل) رام پور (14 میل) بارہ مولا (14 میل) پٹن (17 میل) اور سرینگر (17 میل) واقع ہیں۔

۵۔ **کشمیر ہزارہ روڈ:-** یہ سڑک کشمیر کو پاکستان کے صوبہ سرحد سے ملاتی ہے۔ مظفر آباد سے ایبٹ آباد 45 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ایبٹ آباد سے مظفر آباد آئیں تو راستے میں مانسہرہ (15 میل) گڑھی حبیب اللہ (18 میل) اور مظفر آباد (12 میل) واقع ہیں۔

۶۔ **شاہراہ ریشم:-** یہ عظیم شاہراہ ریاست جموں کشمیر کے شمالی علاقہ جات کو ایک طرف پاکستان اور دوسری

طرف چین سے ملاتی ہے۔اسے شاہراہ قراقرم بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک قدیم تاریخی سڑک ہے۔ ماضی میں چینی اور روسی ترکستان کے شہروں، بخارا، تاشقند، کاشغر اور سمرقند وغیرہ سے تجارتی قافلے اسی راستے کشمیر آیا کرتے تھے۔ ماضی قریب میں پاکستان اور چین نے باہمی تعاون سے اس شاہراہ کو از سر نو تعمیر کیا ہے۔ یہ سڑک کشمیر، پاکستان اور چین کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کی تعمیر کا آغاز 7 جنوری 1959ء کو جنرل محمد ایوب خاں کے دور میں ہوا، اس کی تکمیل 20 برس کی جانفشانی سے ہوئی۔ 18 جنوری 1978ء کو جنرل ضیاء الحق نے اس کا افتتاح کیا۔ اس شاہراہ کے ذریعہ راولپنڈی سے چین جانا ہو تو راستے میں ایبٹ آباد، مانسہرہ، شنکیاری، بٹگرام، بشام، پٹن، داسو، سزین، چیلاس، بونجی، گلگت، کریم آباد، خیبر، خدا آباد، سوست اور خنجراب آتے ہیں۔ راولپنڈی سے گلگت 622 کلومیٹر (320 میل) ہے اور گلگت سے خنجراب 180 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

۷۔ **گلگت اسکردو روڈ**:۔ یہ سڑک گلگت کو اسکردو سے ملاتی ہے۔ دریائے سندھ کے کنارے یہ فاصلہ 241 کلومیٹر (150 میل) ہے۔

۸۔ **لداخ سرینگر روڈ**:۔ یہ سڑک لداخ اور سرینگر کو آپس میں ملاتی ہے۔ لداخ کے شہر لیہہ سے سرینگر 390 کلومیٹر (232 میل) کے فاصلے پر واقع ہے۔ لیہہ سے سرینگر آئیں تو راستے میں سپال، لامایارو، بوڈ خربو، کرگل، دراس، زوجیلا، سونامرگ، کنگن اور گاندربل آتے ہیں جہاں سے سرینگر 11 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ شاہراہ تبت اور لداخ کو بھی آپس میں ملاتی ہے۔

۹۔ **سرینگر اسکردو روڈ**:۔ یہ سڑک سرینگر کو اسکردو سے ملاتی ہے۔ راستے میں بانڈی پورہ، تراگ بل، گریز، قمری، منی مرگ، برزل اور دیوسائی سے گزرتے ہوئے اسکردو چلی جاتی ہے۔

۱۰۔ **نیلم روڈ**:۔ یہ سڑک دریائے نیلم کے کنارے آزاد کشمیر کے علاقہ کیل تک جاتی ہے۔ کیل سے آگے گریز تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ سڑک نہایت خستہ حال ہے جس کی تعمیر کا منصوبہ زیر غور ہے۔

کشمیر کے پہاڑی سلسلے

ریاست جموں کشمیر لامتناہی پہاڑی سلسلوں کی سرزمین ہے۔ سلسلہ در سلسلہ پھیلے ہوئے یہ عظیم کوہستان اس وطن کی عظمت و بلندی کا نشان ہیں۔ ریاست کے چند عظیم پہاڑی سلسلے حسب ذیل ہیں۔

سلسلہ قراقرم:۔ قراقرم کشمیر کا عظیم پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہ بلتستان کے شمال میں واقع ہے۔ یہ 300 میل لمبا اور 40 میل چوڑا ہے۔ یہ سلسلہ کشمیر کو چین اور ترکستان سے جدا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں عظیم ترین پہاڑی چوٹیاں ہیں۔ دنیا کی دوسری بڑی چوٹی کے ٹو اس سلسلے میں واقع ہے۔ سیاچن گلیشیر، ماشہ بروم اور

گلیشیر بروم جیسے بڑے بڑے گلیشیر اس سلسلے میں ایستادہ ہیں۔ اس سلسلے میں درہ قراقرم، درہ شمشال، درہ خنجراب اور درہ منتا کا مشہور درے ہیں۔

سلسلہ ہندوکش :- یہ سلسلہ گلگت کے شمال سے مغرب کی طرف پاکستان کے سرحدی صوبہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں واخان کی 32 میل چوڑی پٹی کشمیر کے صوبہ گلگت کو وسط ایشیاء سے ملاتی ہے۔ اس سلسلے میں کئی درے ہیں جو کشمیر کو وسط ایشیاء سے ملاتے ہیں۔ ماضی میں یہی درے مملکت کشمیر اور وسطی ایشیاء کے درمیان گزرگاہ رہے ہیں۔

سلسلہ نانگا پربت :- نانگا پربت کا پہاڑی سلسلہ شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ یہ استور اور چیلاس کو ملاتا ہے۔ اس کی لمبائی 120 میل اور چوڑائی 20 میل تک ہے۔ نانگا پربت اس سلسلے کی بلند ترین چوٹی ہے۔ جس کی لمبائی 26,660 فٹ ہے۔ اس سلسلے کا مشرقی سرا سلسلہ پیر پنجال سے مل جاتا ہے۔

سلسلہ دیوسائی -: وادی کشمیر کو گلگت بلتستان سے ملانے والے پہاڑی سلسلے کو سلسلہ دیوسائی کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں دیوسائی ایک میدان ہے جس کا رقبہ 580 میل ہے۔ درہ تراگ بل اور درہ برزل اسی سلسلے میں واقع ہیں جو وادی کشمیر کو شمالی علاقہ جات سے ملاتے ہیں۔ اس سلسلے میں غیر آباد سنگلاخ پہاڑ ہیں۔

سلسلہ زنسکار :- یہ سلسلہ وادی کشمیر اور جموں کو لداخ سے ملاتا ہے۔ یہ ہمالیائی سلسلے کا ایک حصہ ہے جس میں نن کن چوٹی (23400 فٹ) واقع ہے۔ دریائے شگو اور دریائے زنسکار اس سلسلے سے نکل کر دریائے سندھ میں شامل ہوتے ہیں۔ وادی سے لداخ جائیں تو راستے میں زوجیلا درہ آتا ہے جس کی بلندی 13 ہزار فٹ ہے۔

سلسلہ پیر پنجال :- یہ سلسلہ رام بن سے شروع ہوتا ہوا مظفر آباد تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ 288 کلومیٹر لمبا اور 50 کلومیٹر چوڑا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اونچا پہاڑ تتہ کوٹی (باغ) ہے جو 15,524 فٹ بلند ہے۔ اس سلسلے میں درہ پیر پنجال، درہ بانہال، درہ حاجی پیر اور درہ رتن پیر مشہور ہیں۔

سلسلہ شوالک :- یہ کشمیر کے کم بلندی والے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو جموں سے پونچھ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی 240 کلومیٹر ہے۔ یہ پہاڑ 2 ہزار سے 3 ہزار فٹ تک بلند ہیں۔

کشمیر کے درے

دو پہاڑوں کے درمیان تنگ راستے کو درہ کہتے ہیں۔ ریاست جموں کشمیر کے بلند و بالا پہاڑوں کے بیچ سیکڑوں درے ہیں۔ چند مشہور اور بلند درے حسب ذیل ہیں۔

درہ	بلندی	ملاپ
درہ بانہال	9200 فٹ	جموں سے وادی کشمیر

درہ پیر پنجال	11,400 فٹ	پونچھ سے وادی کشمیر
درہ بدھل	14,000 فٹ	بھمبر سے وادی کشمیر
درہ حاجی پیر	8,500 فٹ	پونچھ سے اوڑی
درہ ماربل	11,570 فٹ	کشتوار سے وادی کشمیر
درہ زوجیلا	13,000 فٹ	وادی کشمیر سے لداخ
درہ تراگ بل	13,800 فٹ	وادی کشمیر سے بلتستان
درہ بابوسر	13,690 فٹ	گلگت سے کاغان
درہ شونٹھر	14,704 فٹ	مظفرآباد سے استور
درہ خنجراب	15,420 فٹ	ہنزہ سے چین
درہ قراقرم	18,290 فٹ	لداخ سے چین
درہ کوٹ درکوٹ	14,000 فٹ	یاسن سے افغانستان

کشمیر کی بلند چوٹیاں

ریاست جموں کشمیر میں سیکڑوں بلند و بالا چوٹیاں ہیں۔ شمالی علاقہ جات اور لداخ میں ان چوٹیوں کی تعداد 300 کے لگ بھگ ہے۔ چند مشہور چوٹیاں حسب ذیل ہیں۔

نام چوٹی	بلندی	مقام
کے ٹو	28,251 فٹ	بلتستان
نانگا پربت	26,656 فٹ	دیامر
گیشر بروم	26,470 فٹ	بلتستان
فلیچن ری	26,400 فٹ	بلتستان
راکاپوشی	25,551 فٹ	گلگت
نون کن	23,403 فٹ	لداخ
سروالی	20,750 فٹ	نیلم ویلی
شونٹھر	20,000 فٹ	نیلم ویلی
گنگاچوٹی	10,000 فٹ	باغ

کشمیر کے تاریخی باغات

نسیم باغ:- یہ باغ سرینگر میں جھیل ڈل کے کنارے مغل شہنشاہ اکبر نے لگوایا۔

نشاط باغ:- یہ باغ جہانگیر نے چشمہ شاہی (سرینگر) کے قریب لگوایا۔

شالامار باغ:- اس باغ کی تعمیر جہانگیر نے شروع کروائی لیکن تکمیل شاہ جہان کے ہاتھوں ہوئی۔

حضوری باغ:- سرینگر کا یہ تاریخی باغ شاہجہان کے عہد میں تعمیر ہوا۔

باغ دارا شکوہ:- یہ باغ اورنگزیب کے بھائی دارا شکوہ نے دریائے جہلم کے کنارے بیج بہاڑہ کے مقام پر تعمیر کروایا۔

جلال آباد باغ:- مظفرآباد میں مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے ایک عظیم الشان باغ لگوایا جسے جلال آباد گارڈن کہا جاتا ہے۔

باغ پری محل:- مغلوں کا تعمیر کردہ یہ باغ چشمہ شاہی سے ڈیڑھ میل دور ہے۔

کشمیر کی گھریلو صنعتیں

کندہ کاری، ریشم سازی، شال بافی، نمدہ سازی، گبہ سازی، پیپر ماشی، قالین بافی، گلکاری، سوزن کاری۔

کشمیر کی عام زبانیں

اردو، کشمیری، پنجابی، ڈوگری، گوجری، پہاڑی، بلتی، شینا، لداخی۔

کشمیر کے ہوائی اڈے

سرینگر، جموں، پونچھ، مظفرآباد، کرگل، گلگت، اسکردو، نوشہرہ، راولاکوٹ۔

ریاست جموں کشمیر کو پاکستان سے ملانے والے پل

گڑھی حبیب اللہ پل: دریائے کاغان پر واقع یہ پل مظفرآباد کو ہزارہ ایبٹ آباد سے ملاتا ہے۔

کوہالہ پل: باغ اور مظفرآباد کو مری سے ملاتا ہے۔

ٹائیں ڈھل کوٹ پل: آزاد کشمیر کے اضلاع پونچھ اور باغ کو مری سے ملاتا ہے۔

آزاد پتن پل: ضلع سدھنوتی کو مری اور کہوٹہ سے ملاتا ہے۔

ہولاڑ پل: کوٹلی آزاد کشمیر کو راولپنڈی کہوٹہ سے ملاتا ہے۔

دھان گلی پل: ڈڈیال کو راولپنڈی کلر سیداں سے ملاتا ہے۔

منگلا پل: دینہ جہلم کو میر پور آزاد کشمیر سے ملاتا ہے۔

علی بیگ پل: جہلم سرائے عالمگیر کو میر پور اور بھمبر سے ملاتا ہے۔

ریاست جموں کشمیر کے مغربی حصے یعنی آزاد کشمیر کی پاکستان کے مابین حد فاصل دریائے جہلم ہے۔دریائے جہلم پر بنائے گئے پل ہی آزاد کشمیر اور پاکستان کو آپس میں ملاتے ہیں۔

ریاست کی مشہور فصلیں

ریاست جموں کشمیر کے صوبہ جموں اور صوبہ کشمیر کا بیشتر حصہ اعلیٰ پیداواری صلاحیت رکھنے والی زرخیز زمین پر مشتمل ہے۔البتہ صوبہ لداخ اور گلگت بلتستان میں زیادہ تر سنگلاخ پہاڑ ہیں لیکن کہیں کہیں ہموار زرعی خطے بھی موجود ہیں جہاں اناج اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ریاست جموں کشمیر کے مختلف حصوں میں پیدا ہونے والی فصلوں کو تین اقسام میں تقسیم کی جا سکتا ہے۔

غذائی فصلیں: چاول، گندم، مکئی، جو، باجرہ، دالیں، کنگنی اور سبزیاں وغیرہ

نقد آور فصلیں: چائے، زعفران، پھل، میوہ جات اور ادویاتی پوداجات وغیرہ

ریشہ دار فصلیں: کپاس، ریشم اور اون وغیرہ

مرغزار

پہاڑوں اور چوٹیوں کے درمیان واقع وہ چھوٹے چھوٹے میدان جو قدرتی پھولوں سے بھرے ہوئے ہوں انہیں مرغزار کہتے ہیں۔کشمیر میں ان گنت مرغزار ہیں جن میں سیکڑوں قسم کے پھول کھلتے ہیں چند بڑے بڑے مرغزار یہ ہیں۔سونا مرگ، زجہ مرگ، رینہ مرگ، سرونندن سرمرگ، چندن سرمرگ، مرگ ہائے کوہ مہادیو، مرگ ہائے امرناتھ، شہ مرگ، گل مرگ، شاجی مرگ، نندی مرگ، کوکل مرگ، توسہ مرگ، استان مرگ۔

مزارات/ خانقاہیں

وادی کشمیر کی مشہور خانقاہیں-: خانقاہ والا، خانقاہ معلی، خانقاہ کبرویہ، خانقاہ اعلا، خانقاہ فیض پناہ، خانقاہ سید محمد مدنی، خانقاہ شمسی، خانقاہ چشتی، خانقاہ شیخ العالم، خانقاہ شیخ نورالدین ولی، چرار شریف۔

صوبہ جموں کی درگاہیں/ خانقاہیں/ مزارات-: درگاہ پیر روشن ولی (جموں)، درگاہ پیر مٹھا (جموں)، درگاہ پنج پیر (جموں)، درگاہ پیر غریب شاہ، درگاہ حضرت پیر شاہ (بسوہلی)، تکیہ حضرت اورنگ علی شاہ

(اودھم پور)، درگاہ شاہدرہ شریف (راجوری)، درگاہ حضرت ستار شاہ (سرن کوٹ)، درگاہ حضرت شاہ فرید الدینؒ (کشتواڑ)، خانقاہ حضرت شاہ اسرار الدینؒ (کشتواڑ)، درگاہ حضرت سعید شاہؒ (بھدرواہ)۔

آزاد کشمیر کی مشہور خانقاہیں/مزارات:- بابا شادی شہید (بھمبر) بابا پیر شاہ غازی (کھڑی شریف) خانقاہ میاں محمد بخش (کھڑی شریف) خانقاہ گلہار شریف (کوٹلی) دربار مائی طوطی صاحبہ (کھوئی رٹہ) پنجنی شریف (چڑھوئی) خانقاہ نیریاں شریف (تراڑکھل) دربار سہیلی سرکار (مظفر آباد) زیارت شاہ عنایت (مظفر آباد) دربار نوار شریف (مظفر آباد) دربار عالیہ بی حافظ (مظفر آباد) پیر چناسی (مظفر آباد) تریڈا شریف (لیپہ)، میرا کلسی شریف (مظفر آباد) دھانگری شریف (میرپور)، بساہاں شریف (حاجی پیر)، بدھال شریف (کہوٹہ)۔

کشمیر کے موسم

ریاست جموں کشمیر مختلف انواع کے موسموں کی سرزمین ہے۔ اس خطے کے موسموں اور آب و ہوا کی شاعروں، ادیبوں اور سیاحوں نے بہت تعریف کی ہے۔ ایک ہی وقت میں جہاں جموں اور بھمبر کے میدانوں میں سخت گرمی ہوتی ہے۔ وہاں شمالی کشمیر کے بلند و بالا پہاڑوں پر جمی ہوئی برف سے لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔ جبکہ وسطی کشمیر میں ٹھنڈی اور فرحت بخش ہوائیں چل رہی ہوتی ہیں۔ موسمی اعتبار سے دنیا کا کوئی بھی ملک کشمیر جیسا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں چار کے بجائے چھ قسم کے موسم پائے جاتے ہیں تفصیل حسب ذیل ہے۔

اردو نام	کشمیری نام	عرصہ
بہار	سونتھ یا سونت کال	وسط مارچ سے وسط مئی تک
گرما	گریشم	وسط مئی سے وسط جولائی تک
برسات	وہرات	وسط جولائی سے وسط ستمبر تک
خزاں	ہرد	وسط ستمبر سے وسط نومبر تک
سرما	وندہ	وسط نومبر سے وسط جنوری تک
برف باری	ششر	وسط جنوری سے وسط مارچ تک

*

باب دوئم

ریاست جموں کشمیر

قدرتی وسائل

	ریاست جموں کشمیر مختصر تعارف
1	زمین
2	پانی
3	جنگلات
4	معدنیات
5	قیمتی پتھر
6	سیاحت
7	جڑی بوٹیاں

حقیقتیں آشکار کر دے، صداقتیں بے حجاب کر دے

ہر ایک ذرہ یہ کہہ رہا ہے کہ آ مجھے آفتاب کر دے

ریاست جموں کشمیر کے قدرتی وسائل

ریاست جموں کشمیر .... مختصر تعارف

برعظیم ہند اور سنٹرل ایشیاء کے سنگم پر واقع خطہ ء کشمیر صدیوں سے ایک مملکت کی حیثیت سے اپنا جداگانہ وجود اور شناخت رکھتا ہے۔ قبل از اسلام یہ مملکت جین مت، بدھ مت اور ہندومت کے پیروکاروں کا مسکن رہی لیکن چودھویں صدی عیسوی کے ابتدائی برسوں میں صوفیائے کرام اور مبلغین اسلام کی کاوشوں سے یہاں دین اسلام کا پیغام پھیلا اور رفتہ رفتہ مملکت کی اکثریتی آبادی حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ فروغ اسلام کے ابتدائی ایام میں ہی یہاں کا اقتدار اعلیٰ مسلمان حکمرانوں کے ہاتھ آ گیا اور پھر یکے بعد دیگرے شاہ میریوں، چکوں، مغلوں، افغانوں، سکھوں اور ڈوگروں نے یہاں حکومت کی۔ ڈوگرہ عہد کے بانی مہاراجہ گلاب سنگھ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اُس نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ایک معاہدہ کے تحت اس مملکت کا اقتدار اعلیٰ 16 مارچ 1846 میں حاصل کیا اور اس کا نام ''State Jammu Kashmir'' رکھا۔

84,471 مربع میل پر پھیلی ہوئی بلحاظ آبادی دنیا کے 135 ممالک اور بلحاظ رقبہ 111 ممالک سے بڑی ریاست جموں کشمیر 1947 تک ایک وحدت اور اکائی کی حیثیت سے قائم رہی لیکن 1947 میں برعظیم کی تقسیم کے نتیجے میں پہلے پاکستان اور پھر ہندوستان کی مسلح جارحیت کے سبب یہ ریاست بھی جبری تقسیم سے دوچار ہوئی۔ ساری ریاست جموں کشمیر براہ راست پاکستان اور بھارت کے قبضے میں چلی گئی۔ یوں ہزارہا سال سے قائم ریاست جموں کشمیر کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ نہایت تابناک اور پرشکوہ ماضی کی حامل یہ ریاست جموں کشمیر فی الوقت تین پڑوسی ممالک پاکستان، بھارت اور چین کے زیر تسلط ہے۔

بھارت اور پاکستان کے جارحانہ عزائم کے سبب یہ خطہ جنت نظیر گزشتہ 6 دھائیوں سے بدترین حالات سے دوچار ہے۔ نسل در نسل ظلم و جبر اور انسانیت سوز سلوک سے گزرنے کے باوجود ریاست جموں کشمیر کے غیور اور آزادی پسند عوام اپنی مادر وطن کو آزاد، متحد، خودمختار اور خوشحال بنانے کی عدیم المثال جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اس جدوجہد کی کامیابی کے نتیجے میں انشاء اللہ ریاست جموں کشمیر ایک بار پھر دنیا میں اپنے جداگانہ تشخص اور اہمیت وعظمت کا لوہا منوائے گی۔

ریاست جموں کشمیر اپنی منفرد ساخت، خط و خال اور بناوٹ کے اعتبار سے بے پناہ قدرتی وسائل کی حامل ہے۔ ریاست جموں کشمیر کے چیدہ چیدہ قدرتی وسائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) زمین (۲) پانی (۳) جنگلات (۴) جڑی بوٹیاں (۵) معدنیات (۶) قیمتی پتھر (۷) سیاحت

1- زمین

کسی بھی ریاست کے قدرتی وسائل میں خطہء زمین کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا میں ایسے کئی ممالک ہیں جو بے آب و گیاہ صحراؤں یا عمیق سمندروں کی لہروں پر آباد ہیں۔ چونکہ انہیں زرخیز خطہ زمین میسر نہیں ہے اس لیے وہ زمینی پیداوار مثلاً پھلوں، سبزیوں، اناج وغیرہ جیسی روزمرہ ضرورت کی اشیاء دوسرے ممالک سے درآمد کرنے پر مجبور ہیں۔ خطہ کشمیر کو قدرت نے زرخیز زمین جیسی اعلیٰ نعمت سے نوازا ہے۔ میدانی خطے ہوں یا پہاڑی خطے، جنگلات اور زرعی پیداوار کے لیے یہ دھرتی نہایت اعلیٰ درجے کی پیداواری صلاحیت رکھتی ہے۔ انسانوں، جانوروں اور جنگلی حیات کے لیے خطہ کشمیر واقعی جنت نشان ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قدرت کے اس عظیم عطیہ سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کے لیے زمین سے انسان کا تعلق مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جائے اور یہ خطہء جنت نشان اپنے حقیقی وارثوں کے اختیار میں لایا جائے۔

2- پانی

قدرت کی بے پناہ فیاضیوں سے مالا مال خطہء بے نظیر، جنت کشمیر کے قدرتی وسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے پانی کو سب سے زیادہ فوقیت حاصل ہے۔

پانی کی اہمیت و افادیت کو خداوند کریم نے قرآن حکیم میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"وجعلنا من الماء کل شیء حی۔"[1] (ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا)۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ.

(اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اُتارا، تو ہم نے اس سے ہر اُگنے والی چیز نکالی تو ہم نے اس

---

[1] القرآن سورۃ الأنبیاء، الآیۃ: 30

سے نکالی سبزی جس میں سے دانے نکالتے ہیں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے اور کھجور کے گابھے سے پاس پاس گچھے اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ، اس کا پھل دیکھو جب پکے اور اس کا پکنا بیشک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے)[1]

مذکورہ بالا آیات کریمہ سے اس امر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کائنات عالم کے چار سو پھیلے ہوئے رنگ و بو میں پانی کتنا بنیادی جزو ہے۔ گویا پانی کی غیر موجودگی میں یہ کائنات تخلیق نہیں کی جا سکتی تھی۔ تخلیق جن وانس، چرند پرند، اشجار وثمرات اور حشرات الارض سب کے لیے پانی ہی وجہ حیات ٹھہرا۔ بعد از کشمیر کے آبی وسائل کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ایم بی پتھاول لکھتے ہیں۔

"But water is the most precious mineral reserve in Kashmir as in ohter parts of Asia. Power can be produced from it in abundance"[2]

ریاست جموں کشمیر کو قدرت نے بے پناہ آبی وسائل سے نوازا ہے۔ ان آبی وسائل کی اقسام حسب ذیل ہیں۔

1۔ بارش

ریاست جموں کشمیر میں برسات کا موسم وسط جولائی سے وسط ستمبر تک جاری رہتا ہے۔ اس عرصے میں بحیرہ عرب اور خلیج فارس سے اٹھنے والی ہوائیں پیر پنجال، کوہ شوالک اور ہندوکش کے پہاڑی سلسلوں سے ٹکرا کر خوب بارش برساتی ہیں۔ ریاست کے بعض خطوں میں تو برسات کے موسم میں ریکارڈ بارشیں ہوتی ہیں۔ صرف لداخ کے خطے میں بارش کم ہوتی ہے۔ جہاں بارش کی سالانہ اوسط 20 سینٹی میٹر ہے۔ جموں ڈویژن کے زیریں علاقوں میں بارش کی سالانہ مقدار 96 سینٹی میٹر ہے۔

2۔ دریا

کشمیر سارا سال بہنے والے دریاؤں کی سرزمین ہے۔ اس خطہ فردوس میں 8 بڑے اور 36 چھوٹے دریا رواں دواں ہیں۔ ان دریاؤں میں بہتا ہوا بے بہا پانی اپنے اندر بے پناہ طاقت وقوت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیدہ وروں اور دانش مندوں نے کشمیر کے ان دریاؤں میں بہتے ہوئے پانی کو Floating Gold کا نام دیا ہے۔ کشمیر کے دریاؤں میں بہتا ہوا سونا اور چاندی اس وقت پڑوسی سامراج کے قبضے میں ہے۔ ان دریاؤں کی دولت کا کل فائدہ پاکستان اور بھارت اٹھا رہے ہیں۔ کاش کشمیر کے غافل اور بے ہوش وارث بیدار ہو جائیں اور وہ اپنی اس عظیم دولت کو اپنے تصرف میں لانے کے قابل ہو جائیں۔ پاکستان اپنے

---

[1] القرآن سورۃ الانعام آیت 99

[2] "An Introduction to Kashmir" P-21

استعمال کے لیے 80فیصد بجلی دریائے سندھ پر تربیلا ڈیم بنا کر اور دریائے جہلم پر منگلا ڈیم بنا کر حاصل کر رہا ہے۔ بھارت جموں کے علاقہ ریاسی میں دریائے چناب پر سلال ڈیم بنا کر پچھلی چار دھائیوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اور اب اس نے ادھم پور کے مقام پر بگلیہار ڈیم کا منصوبہ بھی مکمل کرلیا ہے۔ بجلی کی پیداوار اور آبپاشی کے لیے بھارت نے کئی دیگر منصوبوں پر بھی کام شروع کر رکھا ہے۔ پاکستان نے دریائے سندھ پر دیامر ڈیم کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ پاکستان بھی گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کے علاقوں میں دریاؤں پر اپنے فائدے کے لیے منصوبے بنا رہا ہے۔ کشمیر پر قابض پڑوسی ملک خطہ کشمیر کے ان دریاؤں سے آبپاشی، آب نوشی اور مچھلی کی پیداوار جیسے فائدے حاصل کر رہے ہیں۔

کشمیر کے دریا

بلاشبہ کشمیر کے دریاؤں میں سونا اور چاندی بہہ رہا ہے لیکن افسوس غلامی کے سبب کشمیریوں کو اس کا احساس نہیں۔ انشاء اللہ جب کشمیری بیدار ہو جائیں گے اور کشمیر آزاد ہوگا تو یہ دریا کشمیریوں کے اپنے تصرف میں ہوں گے پھر کشمیریوں کو ان دریاؤں کی اہمیت وافادیت کا احساس ہوگا۔ فی الحال غیر ملکی تسلط کے سبب ان دریاؤں کا استفادہ اہل کشمیر نہیں اٹھا رہے ہیں۔ پاکستان میں استعمال ہونے والی 80فیصد بجلی دریائے جہلم اور دریائے سندھ کی مرہون منت ہے۔

شیر سے محروم ہے مالک ہے جوئے شیر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا

☆ ریاست جموں کشمیر میں چھوٹے بڑے 44 دریا بہتے ہیں چند بڑے دریاؤں کا مختصر جائزہ پیش ہے۔

ا۔ **دریائے سندھ**:۔ دریائے سندھ کشمیر کا سب سے بڑا دریا ہے۔ لداخ کی وادی سندھ کی نسبت سے اسے ''دریائے سندھ'' کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسے انڈس (Indus) سنسکرت میں سندھو (Sindhu) یونانی میں سنتوس اور لاطینی میں سندحس کہتے ہیں جبکہ چینی اسے سنگے کھاب (شیر کا منہ) کہتے ہیں۔

دریائے سندھ کو اتنے نام اس لیے دیئے گئے ہیں کہ اس کا شمار دنیا کے چند عظیم دریاؤں میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں عظیم پہاڑی سلسلوں سے گزرنے اور بلند و بالا گلیشیرز کی آغوش میں بہنے کی نسبت سے یہ دنیا کا بے مثال دریا ہے۔

دریائے سندھ 17,000 فٹ کی بلندی پر واقع تبت کی جھیل مانسرور سے نکلتا ہے۔ یہ لداخ اور گلگت کے بلند و بالا پہاڑی سلسلوں کو چیرتا ہوا پاکستان کے صوبہ سرحد میں داخل ہو جاتا ہے۔ جہاں تربیلا کے مقام پر اس کے اوپر ایک عظیم بند تعمیر کیا گیا ہے۔ اٹک کے قریب دریائے کابل اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

گدو بیراج، سکھر بیراج اور غلام محمد بیراج اس دریا پر بنائے گئے ہیں۔ پنجند کے مقام پر پاکستان کے پ دریا بھی اس میں آن ملتے ہیں۔ اس دریا سے پاکستان میں ایک کروڑ 25 لاکھ ایکڑ رقبہ سیراب ہوتا ہے۔ یہ عظیم دریا کراچی کے مقام پر بحیرہ عرب میں جا گرتا ہے۔ اس کی لمبائی 2880 کلومیٹر (1800 میل) ہے۔ دریا سندھ کے معاون دریاؤں کا کیچ منٹ ایریا حسب ذیل ہے۔

1.	Kabul :	35.000 Square miles		
2.	Shyok :	13.000	"	"
3.	Gilgit :	10.000	"	"
4.	Zanskar :	10.000	"	"
5.	Dras :	5.000	"	"
6.	Shigar :	5.000	"	"

لداخ میں داخل ہونے سے لے کر سزین (دیامر) کے مقام پر ریاست کی حدود سے نکلنے تک اس دریا میں 25 چھوٹے دریا یا ندیاں شامل ہوتی ہیں جنہیں دریائے سندھ کی معاون ندیاں کہا جاتا ہے۔ ان میں حانلے ندی، کھرنا ندی، زنسکار ندی، سورو ندی، دراس ندی، سنگو ندی، سگر ندی، استور ندی اور تانگیر ندی مشہور ہیں۔

۲۔ **دریائے شیوک** :- دریائے شیوک لداخ کے شمال میں شیوک ڈیم سے نکلتا ہے۔ یہ شیوک اور خپلو کے مقامات سے گزرتا ہوا کیرس کے مقام پر دریائے سندھ میں شامل ہوجاتا ہے۔ دریائے شیوک کی معاون ندیوں میں چپ چاپ ندی، گلوان ندی، چنگ چنمو ندی، نوبرا ندی، سلتورو ندی اور پانگ کانگ ندی شامل ہیں۔

۳۔ **دریائے گلگت** :- دریائے گلگت ریاست جموں کشمیر کے شمالی علاقہ جات کا ایک اہم دریا ہے۔ یہ گلگت کے انتہائی شمال سے بہہ کر آرہا ہے۔ برف پوش چوٹیاں، گلیشیرز اور چھوٹے ندی نالے اس کے معاون ہیں۔ گلگت شہر سے تھوڑی دور یہ دریائے سندھ میں شامل ہوجاتا ہے۔ دریائے گلگت کی معاون ندیوں میں خنجراب ندی، گوجراب ندی، مسگر ندی، چپرسن ندی، شمشال ندی، ہنزہ ندی، اشکومن ندی، یاسین ندی اور غذر ندی شامل ہیں۔

۴۔ **دریائے نیلم** :- دریائے نیلم کا قدیم نام کشن گنگا ہے۔ 1947ء کے بعد حکومت آزاد کشمیر نے اس کا نام دریائے نیلم رکھا۔ یہ گریز سے 50 میل مشرق کی سمت دراس کی پہاڑیوں میں 17,000 فٹ کی بلندی پر واقع اشن سر جھیل سے نکل کر تاؤبٹ کے مقام پر آزاد کشمیر میں داخل ہوجاتا ہے۔ یہاں سے یہ

دریا جنوب کی طرف بہتا ہوا مظفرآباد کے قریب دو میل کے مقام پر دریائے جہلم میں شامل ہو جاتا ہے۔ دو میل سے اس کا منبع 180 میل ہے۔ یہ سارا سفر خوبصورت پہاڑی سلسلوں اور وادیوں پر مشتمل ہے۔ یہ دریا اپنے تیز بہاؤ، یخ بستگی اور صاف و شفاف پانی کی نسبت اپنی مثال آپ ہے۔ مظفرآباد شہر کو پینے کا پانی اسی دریا سے مہیا کیا جا رہا ہے۔ وادی نیلم میں اس دریا سے لکڑی کی سپلائی کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ دریائے نیلم کی معاون ندی نالوں میں رامن ندی، برزل ندی، مچھلی نالہ، کیلاب نالہ، سرگن نالہ، جاگراں نالہ اور قاضی ناگ نالہ شامل ہیں۔

۵۔ دریائے جہلم:۔ دریائے جہلم کا پرانا نام وتستا ہے۔ اسے یونانی میں ہیڈسپس (HIDASPES) کشمیری میں ویتھ (VETH) مصری میں بڈسپس (BIDASPES) اور مسلمانوں کے نزدیک اس کا نام بہت (BIHAT) ہے۔

دریائے جہلم صوبہ کشمیر اور صوبہ جموں کے درمیان واقع پہاڑی سلسلے بانہال کے چشمہ ویری ناگ سے نکلتا ہے۔ یہ چشمہ سطح سمندر سے 6000 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ دریا وادی کشمیر اور آزاد کشمیر کے جن شہروں اور قصبوں کو چھوتا ہوا گزرتا ہے ان میں شاہ آباد ڈورو، اننت ناگ، بیج بہاڑہ، اونتی پورہ، سرینگر، سوپور، بارہ مولا، اوڑی، مظفرآباد، کوہالہ اور میرپور شامل ہیں۔ جبکہ پاکستان میں جہلم، پنڈ دادن خان، بھیرہ اور خوشاب اس دریا کے کنارے آباد ہیں۔ یہ دریا 450 میل کا فاصلہ طے کر کے ہیڈ تریمو میں شامل ہو جاتا ہے۔

مورخین اور سیاحوں نے دریائے جہلم کی زبردست تعریف کی ہے۔ کشمیر کے اس عظیم دریا کی لہریں برقی توانائی پیدا کرنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ جہلم اپنے تیز بہاؤ کی نسبت طوفانی دریا کہلاتا ہے۔

وادی کشمیر میں مہورہ کے مقام پر دریائے جہلم پر ایک بجلی گھر بنایا گیا ہے۔ جس سے 15,000 کلوواٹ بجلی پیدا ہوتی ہے۔ میرپور میں منگلا کے مقام پر اس دریا پر جو بجلی گھر بنایا گیا ہے اس سے 1000 میگاواٹ بجلی پیدا ہوتی ہے جو پاکستان کی 35 فیصد ضرورت پورا کرتی ہے۔ منگلا میں اس دریا سے نہر اپر جہلم نکالی گئی ہے جو پنجاب کو سیراب کرتی ہیں۔ آب پاشی اور بجلی کے حوالے سے پاکستان دریائے جہلم کا مرہون منت ہے۔

پنجاب میں رسول کے مقام پر بھی ایک بجلی گھر دریائے جہلم پر بنایا گیا ہے جس سے 18,000 کلوواٹ بجلی پیدا ہوتی ہے۔ بھارت جھیل وولر کے کنارے دریائے جہلم کا پانی روک کر ''وولر بیراج'' تعمیر کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔

آزاد کشمیر کی حکومتیں اور عوام حکومت پاکستان سے ہمیشہ منگلا ڈیم کی رائلٹی کا مطالبہ کرتے رہے

ہیں لیکن پاکستان نے آج تک ایک پائی بھی ادا نہیں کی۔ حالانکہ اس کے ذمے 10 کھرب روپیہ واجب الادا ہے۔ کشمیریوں کی بدقسمتی ہے کہ حکومت پاکستان کی اجازت کے بغیر آزاد کشمیر حکومت دریائے جہلم کا پانی اپنے استعمال میں نہیں لا سکتی۔ غلامی اور مجبوری اسی کا نام ہے۔

دریۓ جہلم کے معاون دریاؤں اور ندیوں میں دریائے نیلم، دریائے پونچھ، دریائے کنہار، آرپتھ ندی، ساندرن ندی، برنگی ندی، لارندی، ویشوندی، دودھ گنگا ندی، سندھ ندی اور پوہرو ندی شامل ہیں۔

ایک گیت

(قیوم نظر)

جہلم کا بہتا پانی

یہ جہلم ، یہ میرا دریا مجھ کو ہنس ہنس کر تکتا ہے
اس کو مجھ سے ، مجھ کو اِس سے کون جدا کر سکتا ہے
کتنا خوش ہوتا ہے دکھا کر مجھ کو اپنی جوانی
جہلم کا بہتا پانی

اس کی وادی ، جھیلیں ، چشمے ، مجھ کو جاں سے پیارے ہیں
اس کے پھیلے کنارے اپنے ہاتھوں میں نے سنوارے ہیں
میری رگ رگ میں دوڑاتا ہے مستی اَن جانی
جہلم کا بہتا پانی

اس کی لگن میں میں نے پربت کے ہر بندھن کو توڑا ہے
میرے لیے اس نے میدانوں سے بھی ناتا جوڑا ہے
میری کہانی دنیا سے کہتا ہے اپنی زبانی
جہلم کا بہتا پانی

۲۔ دریائے پونچھ: ۔ دریائے پونچھ سلسلہ پیر پنجال کی نیل کنٹھ گلی اور جمیا گلی سے نکلتا ہے۔ پونچھ شہر، مترا، ستہ پانی اور کوٹلی شہر اس کے راستے میں آتے ہیں۔ ڈڈیال کے قریب چوکھ کے مقام پر یہ دریا منگلا ڈیم میں جا کر گرتا ہے۔ پونچھ سارا سال بہنے والا ایک چھوٹا دریا ہے لیکن اس میں طغیانی بارشوں کے موسم میں آتی ہے۔ دریائے پونچھ کے معاون نالوں میں بیتاڑ اور سواں نالہ قابل ذکر ہیں۔

۷۔ **دریائے چناب** :۔دریائے چناب بھارتی صوبہ ہماچل پردیش کے علاقہ لاہول کی چندرا ندی اور بھاگا ندی سے نکلتا ہے۔تندی کے مقام پر یہ ندیاں آپس میں مل کر دریا کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس علاقے کے لوگ اسے" دریائے چندر بھاگا" کہتے ہیں۔ یہ شمال مغرب کا رخ اختیار کر کے ریاست کی حدود میں ضلع ڈوڈہ میں ارتھل کے مقام سے داخل ہوتا ہے۔ یہاں سے اس کے راستے میں کشتواڑ، ڈوڈہ، رام بن، سلال، ریاسی اور اکھنور کے شہر آتے ہیں۔اکھنور سے یہ پاکستان کے صوبہ پنجاب میں داخل ہوجاتا ہے۔ پنجاب میں ہیڈ مرالہ کے مقام پر توی اور چناب آپس میں مل جاتے ہیں۔ یہ دریا اپنے منبع سے پنج ند تک 950 میل کا سفر طے کرتا ہے۔

بھارتی حکومت نے دریائے چناب پر ریاسی کے قریب سلال ڈیم جیسا عظیم بند بنایا ہوا ہے جس سے بجلی اور آبپاسی کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ کشمیر گورنمنٹ نے اکھنور کے قریب اس دریا سے رنبیر نہر اور پرتاب نہر نکالی ہیں جو صوبہ جموں کو سیراب کرتی ہیں۔ پاکستانی پنجاب میں مرالہ کے مقام پر اس سے نہر اپر چناب نکالی گئی ہے۔ دریائے چناب اور جہلم ہیڈ تریمو کے مقام پر آپس میں ملتے ہیں۔دریائے چناب سے ہندوستان اور پاکستان بھرپور فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ 1947ء سے قبل صوبہ جموں کے جنگلوں سے بھاری لکڑی وزیر آباد تک اسی دریا کے راستے لائی جاتی تھی۔دریائے چناب کے معاون دریاؤں میں دریائے وارڈن، جموں توی اور مناور توی شامل ہیں۔

۸۔ **دریائے راوی** :۔دریائے راوی کو سنسکرت میں ایراوتی (IRAVATI) اور یونانی میں ہیڈروٹس (HYDRIATES) کا نام دیا گیا ہے۔

یہ دریا بھارتی صوبہ ہماچل پردیش میں ضلع کانگڑہ کے علاقے کلو کی پہاڑیوں سے نکلتا ہے اور مغرب میں بہتا ہوا جموں میں داخل ہوجاتا ہے۔ انڈین بارڈر لائن کے ساتھ ساتھ یہ بوہلی، مادھوپور اور کٹھوعہ سے ہوتا ہوا پاکستانی پنجاب میں داخل ہوجاتا ہے۔ یہ اپنے منبع سے 450 میل کا سفر طے کر کے مغربی پنجاب میں احمد پور کے قریب دریائے چناب میں شامل ہوجاتا ہے۔

تقسیم ہند سے قبل اس دریا پر دو ہیڈ ورکس بنائے گئے تھے۔ایک مشرقی پنجاب میں مادھوپور کے مقام پر 1859ء میں بنایا گیا جو 11,77,000 ایکٹر زمین سیراب کرتا تھا اور دوسرا بلوکی کے مقام پر 1917ء کو بنایا گیا جو 3,45,000 ایکٹر رقبہ سیراب کرتا ہے۔ باس کنڈ جھیل سے نکلنے والی اوجھ ندی دریائے راوی کی معاون ندی ہے۔

کشمیر کی نہریں

رنبیر نہر: -اکھنور (جموں) میں دریائے چناب سے نکالی گئی ہے، بجلی پیدا کرنے اور آبپاشی کے کام آتی ہے۔

پرتاب نہر: -دیوی پور (جموں) میں دریائے چناب سے نکالی گئی ہے۔ آبپاشی اور آب نوشی کے کام آتی ہے۔

بسنت پور نہر: -مادھو پور میں دریائے راوی سے نکالی گئی ہے۔ آبپاشی اور آب نوشی کے کام آتی ہے۔

توی نہر: -اودھم پور میں دریائے توی سے نکالی گئی ہے۔ آبپاشی اور بجلی پیدا کرنے کے کام آتی ہے۔

راوی نہر: -دریائے راوی سے نکالی گئی ہے۔ آبپاشی کے کام آتی ہے۔

اپر جہلم نہر: -منگلا (میر پور) میں دریائے جہلم سے نکالی گئی ہے۔ پنجاب کو سیراب کرتی ہے۔

لدر نہر: -گنیش پور (پہل گام) میں دریائے لدر سے نکالی گئی ہے۔ آبپاشی کے کام آتی ہے۔

زینہ گیر نہر: -بانڈی پور کے نالہ مادھومتی سے نکالی گئی ہے۔ آبپاشی کے کام آتی ہے۔

نقدی نہر: -ویتو کے مقام پر نالہ وشنو سے نکالی گئی ہے۔ آبپاشی کے کام آتی ہے۔

چھچھوٹ نہر: -لداخ سٹاکوا کے مقام پر دریائے سندھ سے نکالی گئی ہے۔

ٹھکسے نہر: -لداخ میں رنبیر پورہ کے قریب دریائے سندھ سے نکالی گئی ہے۔

ڈیم

منگلا ڈیم: -منگلا ڈیم آزاد کشمیر کے ضلع میر پور میں منگلا کے مقام پر دریائے جہلم پر بند باندھ کر بنایا گیا ہے۔ اس ڈیم کی تعمیر کے سبب میر پور اور ڈڈیال کے قدیم شہر اور اُن سے ملحقہ 300 گاؤں زیر آب آگئے تھے۔ یہ ڈیم فوجی آمر جنرل ایوب خان کے دور میں 10 برس (1957-1967) کے عرصے میں تعمیر ہوا۔ اس کی بلندی 380 فٹ اور لمبائی 10,300 فٹ ہے۔ ڈیم میں 5.88 ملین ایکٹر فٹ پانی جمع رکھنے کی گنجائش موجود ہے۔ اس ڈیم سے ایک ہزار میگا واٹ بجلی پیدا ہوتی ہے جو پاکستان کی 35 فیصد ضرورت پوری کرتی ہے۔ اس بجلی سے پاکستان کو سالانہ 35 ارب روپیہ آمدن ہوتی ہے جو آزاد کشمیر کے کل بجٹ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ڈیم میں بجلی پیدا کرنے کے لیے جو سرنگیں بنائی گئی ہیں ان کی لمبائی 1650 فٹ ہے۔ یہ سرنگیں 1966ء میں مکمل ہوئیں۔ جھیل کا کل رقبہ ایک سو مربع میل ہے۔ منگلا ڈیم میں اعلیٰ اور لذیذ قسم کی مچھلی وافر مقدار میں پائی جاتی ہے۔ اس مچھلی سے ایک کروڑ روپیہ سالانہ آمدن ہوتی ہے۔ منگلا ڈیم سے بجلی، آبپاشی اور مچھلی کی جملہ پیداوار حکومت پاکستان کے محکمہ واپڈا کے کنٹرول اور اختیار میں ہے۔ حکومت آزاد کشمیر کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ حکومت پاکستان نے حال ہی میں منگلا ڈیم کو جبراً 30 فٹ

مزید اونچا کر دیا گیا ہے جس سے درجنوں دیہات اور لاکھوں لوگ متاثر ہوئے ہیں۔

سلال ڈیم:- بھارت کے زیر قبضہ جموں کشمیر کے صوبہ جموں میں ریاسی کے قریب سلال کے مقام پر ہندوستانی حکومت نے ایک بڑا رقبہ حاصل کر کے دریائے چناب پر ایک ڈیم تعمیر کر رکھا ہے جسے سلال ڈیم کہتے ہیں۔ اس ڈیم سے ساڑھے تین لاکھ کلوواٹ سالانہ بجلی پیدا ہوتی ہے۔ جس سے ہندوستان کی بڑی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ منگلا ڈیم کی طرح سلال ڈیم بھی ریاستی وسائل پر غیر ملکی تسلط کی نمایاں مثال ہے۔

بگلیہار ڈیم:- بگلیہار ڈیم بھارتی حکومت نے اپنے زیر قبضہ ریاست جموں کشمیر کے ضلع اودھم پور میں پن بجلی اور آبپاشی کے لیے دریائے چناب پر تعمیر کیا ہے۔ اس کی تعمیر کا باقاعدہ آغاز 1999 میں شروع کیا گیا۔ اس دوران پاکستان میں ایک منتخب حکومت کا تختہ الٹ کر فوج کے سربراہ آمر مطلق جنرل مشرف نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ بھارت کے لیے اس منصوبے پر عمل کرنا آسان ہو گیا تھا۔ اس نے 40ارب روپے مختص کر کے باقاعدہ تعمیراتی کام کا آغاز کر دیا۔ بھارت نے ایک طرف پاکستان کو اعتماد سازی اور دوطرفہ مذاکرات میں الجھائے رکھا اور دوسری طرف اس نے ڈیم کی تعمیر پر تیزی سے کام جاری رکھا۔ بالاخر چند برسوں کے اندر اندر 144 فٹ اونچے ڈیم کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ اس ڈیم پر چھ سپل وے بنائے گئے ہیں۔ پاکستان کی آمرانہ حکومت نے محض ڈیم کے ڈیزائن پر اعتراض کیا۔ اس پر دونوں ممالک کے درمیان مذاکرات کے کئی دور ہوئے۔ دونوں ملکوں نے عالمی بینک سے رجوع کیا تو عالمی بینک نے سوئٹزر لینڈ سے تعلق رکھنے والے ایک ماہر انجینئر ریمونڈ لیفٹی کو اس معاملے کا جائزہ لینے کے لیے ذمہ داری سونپی۔ پروفیسر موصوف نے پراجیکٹ کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد پاکستان کے اعتراضات مسترد کر دیئے اور سندھ طاس معاہدے کی رو سے بھارت کو ڈیم کی تعمیر جاری رکھنے پر اتفاق کیا۔ اس پر پنجاب واٹر کونسل نے واویلا مچایا لیکن بھارت نے سنی ان سنی کر دی اور مقررہ مدت کے اندر اندر ڈیم کی تعمیر مکمل کر لی۔ اس تعمیراتی منصوبے کا افتتاح بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ نے کیا۔

کشن گنگا ڈیم:- حال ہی میں بھارت نے اپنے زیر قبضہ وادی کشمیر کے شمال میں بنکوٹ کے مقام پر یہ ڈیم تعمیر کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ یہ ڈیم مظفر آباد سے شمال کی طرف 160 کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے نیلم کا رخ موڑ کر تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اس منصوبے کے تحت بھارت 16 سے 22 کلومیٹر لمبی سرنگ تعمیر کر کے دریائے کشن گنگا کا پانی اس سرنگ کے ذریعے بنکوٹ تک لائے گا اور وہاں ڈیم بنا کر بجلی پیدا کی جائے گی۔ ڈیم کا اضافی پانی جھیل وولر میں ڈال دیا جائے گا۔ اس ڈیم کی تعمیر سے بھارتی مقبوضہ کشمیر کے علاقے کو بجلی اور آبپاشی کی سہولت میسر آئے گی۔ اس ڈیم کی تعمیر سندھ طاس معاہدہ کے تحت عمل میں لائی جا رہی ہے کیونکہ اس دریا کا مذکورہ معاہدے میں کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔

دیامر بھاشا ڈیم:۔ دیامر بھاشا ڈیم ریاست جموں کشمیر کے شمالی علاقہ جات کے ضلع دیامر کے اس مقام پر تعمیر کیا جارہا ہے جو پاکستان کے صوبہ سرحد کے کوہستانی علاقہ بھاشا کے ساتھ ملتا ہے۔ یہ ڈیم دریائے سندھ پر تعمیر کیا جارہا ہے۔ حکومت پاکستان نے گلگت بلتستان کے عوام کو اس ڈیم کے مفادات سے دور رکھنے کے لیے پہلے اس کا نام بھاشا ڈیم رکھا تھا۔ لیکن مذکورہ علاقوں کے عوام کے شدید احتجاج کے نتیجے میں اس کا نام بدل کر دیامر بھاشا ڈیم رکھ دیا گیا ہے۔

گلیشیرز

بلند و بالا پہاڑوں پر سالہا سال سے جمے ہوئے برفانی تودوں کو گلیشیرز کہا جاتا ہے۔ یہ گلیشیرز پگھلتے نہیں ہیں کیونکہ یہاں ہمیشہ سخت سردی رہتی ہے۔ ریاست جموں کشمیر کے شمالی علاقہ جات گلگت بلتستان اور لداخ میں کم و بیش 100 گلیشیرز موجود ہیں۔ ان میں سے کئی گلیشیرز ایسے ہیں جن کا رقبہ سیکڑوں مربع میل ہے۔ کشمیر کا سب سے بڑا گلیشیر سیاچن گلیشیر ہے۔ یہ قطبین سے باہر دنیا کا سب سے بڑا گلیشیر بھی ہے۔ یہ قراقرم کے شرقی حصے میں بلتستان کے ضلع گانچے کے انتہائی شمال میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ساڑھے چار سو مربع میل ہے۔ سطح سمندر سے 20,230 فٹ اونچا ہے۔ ریاست جموں کشمیر کے چند بڑے گلیشیرز حسب ذیل ہیں۔

نام گلیشیر	پہاڑی سلسلہ	لمبائی	رقبہ
سیاچن گلیشیر	قراقرم	50 میل	450 مربع میل
بلتورہ گلیشیر	قراقرم	35 میل	290 مربع میل
ہسپر گلیشیر	قراقرم	35 میل	240 مربع میل
ریمو گلیشیر	قراقرم	30 میل	200 مربع میل
بیافو گلیشیر	قراقرم	37 میل	250 مربع میل
بتورا گلیشیر	قراقرم	36 میل	240 مربع میل

علاوہ ازیں گاڈون آسٹن، چھوغولنگما، بلافند، چھومیک، بتولا، طرم شیر، گاشہ بردمہ، ماشہ بردم، سریولا گو اور براڈ پیک گلیشیر بھی بڑے گلیشیرز ہیں۔ خطہ کشمیر کے یہ گلیشیرز یخ بستہ پانی کے وسیع ذخائر ہیں۔ بلتستان میں برف کو گڑھوں میں ڈال کر اوپر سے بند کر دیا جاتا ہے۔ یوں مصنوعی گلیشیرز بن جاتے ہیں جن سے بوقت ضرورت آبپاشی کے لیے پانی حاصل کیا جاتا ہے۔

پروفیسر ایم بی پتھاولہ کشمیر کے گلیشیرز پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب An Introduction to Kashmir میں لکھتے ہیں۔

"The glaciers in the Kashmir State are of two types, transversal and longitudinal; the former lying transversely to the strike of the mountains, and the latter parallel to the chains. They are numerous in the Zanskar Range but of a smaller size, while those flowing near Nanga Parbat are longer and descend to some 9,000 feet level. Even the Hunza valey glaciers are some of the largest in the world e.g. Biafo, Baltoro, Siachen, Remo and Braldu. The transversal glaciers have a steeper grade and descend to still lower levels, such as 7,000 and 8,000 feet. Actually reaching cultivated fields; but the longitudinal ones are certainly larger in size, are more stable and stop virtually at higher levels. Many of the Himalayan glaciers show secular variations, that is to say, they recede and advance now and then, receding more than advancing at times and leaving vast masses of terminal moraines behind.e.g. the Tapsa glacier. At the same time, some are found definitely advancing e.g. The Palma glacier, over their own moraine deposits. It is , therefore, difficult to decide the question about the greater development of these glaciers in the past; but the view is generally expressed that because there are, for instance, the Karewas formed of glacial boulders of granite and the old moraines in the Pir Panjal range, the Kashmir glaciers are, on the whole, receding, which means less and less discharges for our rivers. In fact, they indicate that the earth itself is getting warmer at present." ⊥

"An Introduction to Kashmir" Page 36 ⊥

برف

ریاست جموں کشمیر میں موسم سرما میں خوب برف باری ہوتی ہے۔صرف صوبہ جموں کے زیریں علاقوں کٹھوعہ، سانبہ، اکھنور، بھمبر، میرپور اور کوٹلی وغیرہ کے علاقوں میں برف نہیں پڑتی ۔علاوہ ازیں ساری ریاست جموں کشمیر میں برف باری ہوتی ہے ۔ پیرپنجال، ہمالیہ اور قراقرم کے پہاڑی سلسلے تو برف سے دب کر رہ جاتے ہیں۔درجہ حرارت بڑھنے سے جب یہ برف پگلتی ہے تو ندی، نالے اور دریا پانی سے بھر جاتے ہیں۔

ندی نالے

ریاست جموں کشمیر کو ان گنت ندی نالوں کی سرزمین (کس+میر) بھی کہا جاتا ہے۔
یہ ندی نالے، بارشوں، چشموں، برف اور گلیشئر ز سے پگلنے والا پانی جمع کر کے لاتے ہیں اور دریاؤں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ان ندی نالوں سے آب پاشی، آب نوشی، پن بجلی اور فش فارمنگ جیسے بہت سے منصوبوں کو استعمال میں لا کر ریاستی معیشت میں انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے لیکن ریاستی وسائل پر بیرونی تسلط کے سبب ان ندی نالوں سے خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں کیا جارہا۔ ہر سال ریاست کے مختلف خطوں میں مقامی سطح پر محدود پیمانے پر ان ندی نالوں کا پانی استعمال میں لایا جارہا ہے۔

جھیلیں

ریاست جموں کشمیر میں پانی کا ایک بڑا ذخیرہ اس خطے کی ان خوبصورت اور صاف و شفاف جھیلوں میں موجود ہے جو سارا سال پانی سے لبالب بھری رہتی ہیں۔ یہ جھیلیں آبی حیات کی پیداوار کے لیے قدرتی افزائش گاہوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ سیاحتی مقامات کے حوالے سے ان جھیلوں میں بے پناہ کشش اور حسن و خوبصورتی پائی جاتی ہے۔

وادی کشمیر کی دو بڑی جھیلیں۔جھیل وولر اور جھیل ڈل عالمی شہرت یافتہ سیرگاہیں ہیں۔ سیر و سیاحت کے علاوہ ان جھیلوں میں رکے ہوئے پانی سے بہت سے فائدے حاصل کئے جارہے ہیں۔ ریاست جموں کشمیر کی چند بڑی جھیلیں حسب ذیل ہیں۔

وادی کشمیر کی جھیلیں

ا۔جھیل وولر: جھیل وولر ایشیا، میں میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے۔کشمیر کی سب سے بڑی جھیل بھی یہی ہے۔سرینگر سے 27 کلومیٹر کے فاصلے پر بارہ مولا کے قریب سنگرام کے مقام پر واقع ہے۔اس کی

لمبائی 30 کلومیٹر اور چوڑائی 14 کلومیٹر ہے۔ گرمیوں میں جھیل کا رقبہ پھیل جاتا ہے جبکہ سردیوں میں سکڑ جاتا ہے۔ یہ جھیل شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی ہے۔ دریائے جہلم اس کے بیچ سے گزرتا ہے۔ اس جھیل میں سنگھاڑا اور مچھلی بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ کشمیر کی قدیم تاریخی کتب میں جھیل وولر کا نام "مہاپدم سر" ہے۔ تاریخ میں اس جھیل کے بارے میں سبق آموز روایت ملتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جہاں آج جھیل وولر پھیلی ہوئی ہے وہاں کسی زمانے میں ایک بڑا شہر "سندیمت نگر" آباد تھا۔ 2500 قبل مسیح میں یہاں راجہ سندرسین حکومت کرتا تھا۔ اس زمانے میں اس بدنصیب شہر میں ایک کمہار کے سوا سب لوگ نیکی کے راستے سے ہٹ گئے تھے۔ وہ جب بدی سے مانوس ہو گئے تو اس شہر کے نگران مہاپدم ناگ نے فیصلہ کیا کہ اس شہر کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا چنانچہ ایک رات مہاپدم نے خواب میں کمہار کو بتا دیا کہ میں اس شہر کو تباہ کرنے والا ہوں چنانچہ تم یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ کمہار اس شہر سے نکل گیا۔ جونہی وہ شہر سے نکلا شہر میں ہر طرف پانی ابل پڑا اور آناً فاناً شہر پانی میں ڈوب گیا۔ جھیل وولر میں ایک قدیم شہر کے کھنڈرات اب بھی تہہ آب موجود ہیں۔ جھیل وولر کی وسعت و گہرائی اور جلال و جمال کو شاعروں، ادیبوں اور سیاحوں نے موضوع سخن بنایا ہے۔ یہ جھیل ادب میں ایک استعارے کا درجہ رکھتی ہے۔ علامہ اقبال کا شعر ہے۔

چھپے رہیں گے زمانے کی آنکھ سے کب تک
گہر ہیں آب وولر کے تمام یک دانہ

کشمیر کی دیگر جھیلوں کی نسبت یہ جھیل کم گہری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جھیل دریائے جہلم کی گزرگاہ ہے۔ دریائے اپنے ساتھ لائی ہوئی ریت اور مٹی اس جھیل کی تہہ میں مسلسل بچھاتا رہتا ہے۔ اس سے جھیل کی گہرائی روز بروز کم ہو رہی ہے۔ فی الوقت یہ جھیل اوسطاً 12 فٹ گہری ہے۔ وٹلب کے مقام پر جھیل کی گہرائی ذرا زیادہ ہے۔ جھیل کے کنارے پر آباد بستیوں کے لوگوں کے روزگار کا زیادہ دارومدار اسی جھیل پر ہے۔ اس جھیل سے سنگھاڑا، ندرو، مچھلی اور مرغابی بڑی مقدار میں حاصل کیے جاتے ہیں۔ سلطان زین العابدین بڈشاہ نے اسی جھیل میں ایک مصنوعی جزیرہ "زینہ لنک" تعمیر کروایا تھا۔ اس جزیرے کی لمبائی شمالاً جنوباً 95 گز اور چوڑائی شرقاً غرباً 75 گز تھی۔

جھیل ڈل: جھیل ڈل تخت سلیمان کے دامن میں واقع ہے۔ کوہ ماراں سے سرینگر شہر تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی لمبائی شمالاً جنوباً 5 میل اور چوڑائی شرقاً غرباً 2 میل ہے۔ سری نگر شہر کے کنارے پر یہ دریائے جہلم سے ہم آغوش ہوتی ہے۔ جھیل ڈل کشمیر کی بہترین اور خوبصورت سیرگاہ ہے۔ وادی کشمیر کی یہ خوبصورت جھیل بھی شاعروں، ادیبوں، دانشوروں اور سیاحوں کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ سرینگر کے شہر کے پھیلنے کی وجہ سے یہ جھیل آلودہ ہو رہی ہے اور اس کا حسن گہنا رہا ہے۔ سردیوں میں جب درجہ حرارت نقطہ انجماد سے گر

جاتا ہے تو اس جھیل کی سطح آب جم جاتی ہے۔ یہاں لوگ کھیل کود سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

جھیل نگین: جھیل نگین ڈل جھیل سے ملحقہ ہے۔ سرینگر یہاں سے آٹھ کلومیٹر پر واقع ہے۔ یہ جھیل انگوٹھی میں نگینے کی مانند چمکتی ہے اسی لیے اسے نگین جھیل کہا جاتا ہے۔

جھیل مانس بل: جھیل مانس بل سرینگر سے 18 میل کے فاصلے پر صفاپورہ سے متصل واقع ہے۔ سیاحوں نے اسے دنیا کی سب سے پیاری جھیل کہا ہے۔ اس جھیل کے چاروں طرف خوبصورت پہاڑ ہیں۔ نیلے اور شفاف پانی میں کنول کے پھول لہلہاتے رہتے ہیں جھیل کی گہرائی 47 فٹ، لمبائی 3 میل اور چوڑائی ایک میل ہے۔ کوہ ہائینگ اس کے کنارے واقع ہے جس کی بلندی 6,290 فٹ ہے۔

جھیل آنچار: جھیل آنچار سرینگر سے 6 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ جھیل ایک نہر کے ذریعے جھیل ڈل سے ملی ہوئی ہے۔ ''مار'' نامی یہ نہر کشمیر کے مشہور بادشاہ بڈشاہ نے تعمیر کروائی تھی۔ جھیل ڈل سے کشتی کے ذریعے جھیل آنچار تک سفر کیا جا سکتا ہے۔ ندرو (ایک خاص قسم کی سبزی)، پژ (ایک کارآمد گھاس) اور مچھلی اس جھیل میں بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔

جھیل شیش ناگ: پہل گام سے امرناتھ کی طرف جائیں تو 11730 فٹ کی بلندی پر درہ لدرواؤجن کے مقام پر برفانی جھیل واقع ہے۔ اس جھیل کی تہہ میں سبز ریت پائی جاتی ہے۔ یہ پہل گام سے 18 میل دور ہے۔ اس کا پانی نہایت صاف وشفاف ہے۔

جھیل کونسر ناگ: یہ جھیل شوپیاں سے 25 کلومیٹر کے فاصلے پر سلسلہ پیر پنجال میں واقع ہے۔ یہ کشمیر کی بلند ترین اور گہری جھیل ہے۔ اس کی لمبائی دو میل اور چوڑائی ڈیڑھ میل ہے۔ گہرائی 200 فٹ ہے۔ سطح سمندر سے 15000 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ جھیل جون تک منجمد رہتی ہے۔ موسم گرما میں بھی برف کے ٹکڑے جھیل کی سطح پر تیرتے رہتے ہیں۔ اس جھیل سے 5 ندیاں پھوٹ کر نکلتی ہیں۔ روایت ہے کہ یہ جھیل وشنو دیوتا کے زمین پر پاؤں مارنے سے وجود میں آئی تھی۔

جھیل ہوکر سر: یہ جھیل سرینگر سے 11 کلومیٹر کے فاصلے پر بارہ مولا روڈ پر واقع ہے۔ اس کی لمبائی ساڑھے تین کلومیٹر اور چوڑائی ڈیڑھ کلومیٹر ہے۔ اس جھیل کے کنارے خربوزہ، تربوز اور کھیرے پیدا ہوتے ہیں۔ اس جھیل کے کنارے کافی گاؤں آباد ہیں۔ یہاں بید کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔

جھیل گنگا بل: یہ جھیل کوہ ہرکھ کی چوٹی پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے 11800 فٹ بلند ہے۔ ڈیڑھ میل لمبی اور 250 گز چوڑی ہے۔ ہندو اسے گنگا اور ہردوار سے بھی زیادہ مقدس خیال کرتے ہیں اور اپنے مردوں کی خاک اس میں ڈالتے ہیں۔ یہاں ہر سال اگست میں میلہ لگتا ہے جس میں ہندوؤں کی بڑی تعداد شریک ہوتی ہے۔

جھیل تار سر مار سر: تارسر اور مارسر دو جھیلیں ہیں جو امرناتھ غار کے قریب واقع ہیں۔ انہی جھیلوں کا پانی سرینگر شہر کو سپلائی کیا جاتا ہے۔

جھیل ال پتھر: یہ جھیل گل مرگ سے 13 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ جون تک اس کا پانی منجمد رہتا ہے۔

جھیل نیلہ ناگ: یہ جھیل ناگام چرار شریف سے 6 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے گرد گھنے جنگل ہیں۔ یہ ایک چھوٹی جھیل ہے مگر اس کے خاموش فضا اور پرکیف مناظر سیاحوں کا دامن دل کھینچ لیتے ہیں۔ یہاں ریسٹ ہاؤس بنائے گئے ہیں۔

جھیل چوہر ناگ: یہ بھی ایک خوبصورت پہاڑی جھیل ہے۔ جو آدھ میل لمبی اور چوتھائی میل چوڑی ہے۔ یہ کوہ مرگن پر 12500 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

صوبہ جموں کی جھیلیں

جھیل مانسر: مانسر جھیل صوبہ جموں میں سانبہ کے قریب واقع ہے۔ یہ جھیل 3 میل لمبی اور 2 میل چوڑی ہے۔ جھیل کے اردگرد آموں کے باغات ہیں۔ جموں یہاں سے 80 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

جھیل سنا سر: یہ جھیل ایک سیاحتی مقام بٹوت کی پہاڑی پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 6800 فٹ ہے۔ جموں سرینگر شاہراہ اس کے قریب سے گزرتی ہے۔ یہاں سے جموں 129 کلومیٹر ہے۔

جھیل سرن سر: یہ جھیل درہال وادی (راجوری) میں واقع ہے۔ اس جھیل سے متعلق بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔

جھیل چنن سر: یہ جھیل سلسلہ پیر پنجال میں واقع ہے۔ جھیل چاند کی طرح گول ہے اس لیے اس کو چنن سر کہا جاتا ہے۔

جھیل گال ڈچھنی: یہ جھیل سلسلہ پیر پنجال میں واقع ہے۔ اس جھیل کے بارے میں بہت سی دیومالائی کہانیاں مشہور ہیں۔ جھیل کا پانی سیاہ رنگ کا ہے۔

آزاد کشمیر کی جھیلیں

منگلا جھیل: منگلا جھیل میرپور آزاد کشمیر کے قریب دریائے جہلم پر بند باندھ کر بنائی گئی ہے۔ اس کا رقبہ 4000 مربع کلومیٹر ہے۔ اس جھیل میں 5.88 ملین ایکٹر فٹ پانی جمع رکھنے کی گنجائش موجود ہے۔ جھیل پر جو بجلی گھر قائم کیا گیا ہے اس سے 1000 میگاواٹ بجلی پیدا ہوتی ہے۔ جو پاکستان کی 35 فیصد ضرورت پورا کرتی ہے۔ منگلا جھیل میں مچھلی اور مرغابی بکثرت پائی جاتی ہے۔

رتی گلی جھیل: مظفر آباد سے 80 کلومیٹر کے فاصلے پر وادی نیلم میں دواریاں کے قریب رتی گلی جھیل واقع ہے۔ یہ ایک میل لمبی ہے اور سطح سمندر سے 15000 فٹ بلندی پر واقع ہے۔

بنجوسہ جھیل: بن جوسہ جھیل ضلع پونچھ آزاد کشمیر میں راولاکوٹ سے 20 کلومیٹر کے فاصلے پر اور تراڑکھل سے 11 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 1981 میٹر ہے۔ یہ پہاڑوں کے دامن میں واقع ایک قدرتی جھیل ہے۔ یہاں محکمہ سیاحت، پی ڈبلیو ڈی اور دیگر محکموں کے خوبصورت ریسٹ ہاؤس موجود ہیں۔ اس جھیل کو دیکھنے کے لیے سارا سال سیاح آتے رہتے ہیں خصوصاً گرمیوں میں یہاں بہت زیادہ رونق ہوتی ہے۔ بن جوسہ جھیل کے آس پاس قدرتی حسن سے لدے ہوئے مناظر ہیں۔ راولاکوٹ اور تراڑکھل دونوں اطراف سے اس جھیل تک پختہ سڑک جاتی ہے۔

زلزال جھیل: 8 اکتوبر 2005 کے قیامت خیز زلزلے کے نتیجے میں ضلع مظفر آباد کے علاقہ چکار میں ایک بہت بڑا پہاڑی تودہ سرکنے کے نتیجے میں یہ جھیل معرض وجود میں آئی۔ علاقے کے چار دیہات صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ تباہ شدہ دیہاتوں کے ملبے نے قدرتی بند کی شکل اختیار کر لی اور نالے کا پانی جھیل کی صورت جمع ہو گیا۔ یہ جھیل تقریباً 5 مربع میل پر مشتمل ہے۔ 800 انسانوں کی زندگیاں اس جھیل کے ملبے تلے دفن ہیں۔ یہ جھیل اب جہاں جائے عبرت ہے وہاں سیاحوں کی توجہ کا مرکز بھی ہے۔

شونٹھر جھیل: یہ جھیل وادی نیلم کے علاقہ کیل سے استور کو جاتے ہوئے راستے میں 17000 فٹ کی بلندی پر واقع ایک انتہائی خوبصورت جھیل ہے۔

نیل فری جھیل:

گلگت بلتستان کی جھیلیں

کتوال جھیل: یہ جھیل گلگت کے مشرق میں خراموش کی چوٹی کے دامن میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 24,298 فٹ ہے۔

بورے جھیل: ہنزہ اور خنجراب کے درمیان واقع ہے۔ سطح سمندر سے 16,000 فٹ بلند ہے۔

قورمبر جھیل: گلگت میں 12,000 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ ڈیڑھ میل لمبی اور نصف میل چوڑی ہے۔

شندھور جھیل: یہ جھیل گلگت اور چترال کی سرحد پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے 12,258 فٹ بلند ہے۔ 2 میل لمبی اور 500 فٹ چوڑی ہے۔ بین الاقوامی شہرت یافتہ پولو سٹیڈیم اسی جھیل کے کنارے واقع ہے۔

کچورا جھیل: بلتستان میں واقع ہے اسے شنگریلہ جھیل بھی کہتے ہیں۔ 1949ء میں بریگیڈیئر محمد اسلم نے اور ینٹ ایئر ویز کے ایک تباہ شدہ جہاز کا ڈھانچہ یہاں رکھوا کر ریسٹ ہاؤس بنالیا اور اس کا نام شنگریلہ رکھا۔

جھیل کی لمبائی 30 فرلانگ اور چوڑائی 400 گز ہے۔ اس جھیل کو ہنی مون لیک بھی کہا جاتا ہے۔

ست پارہ جھیل: اسکردو کے جنوب میں 5 میل کے فاصلے پر نہایت خوبصورت جھیل ہے۔ اس جھیل پر بند باندھ کر اسے ڈیم کی شکل دے دی گئی ہے اور یہاں سے پن بجلی پیدا کی جارہی ہے۔

علاوہ ازیں ریاست کے شمالی علاقہ جات میں جوتیال جھیل، پیلو گام جھیل، نتر جھیل، راما جھیل، پھنڈر جھیل اور شیوسر جھیل مشہور جھیلیں ہیں۔

لداخ کی جھیلیں

پنگ گانگ جھیل: یہ لداخ کی مشہور جھیل ہے۔ اس کو منوسنگم جھیل بھی کہتے ہیں۔ اس کا پانی نمکین ہے۔ مقامی لوگ اس سے نمک حاصل کرتے ہیں۔ سطح سمندر سے چار ہزار میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ جھیل 40 میل لمبی اور 4 میل چوڑی ہے۔ اس کا کچھ حصہ تبت میں اور کچھ حصہ لداخ میں واقع ہے۔ یہ لیہہ سے 120 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

سوموریری جھیل: یہ جھیل لداخ میں روپشو کے علاقے میں واقع ہے۔ اس کی لمبائی 25 کلومیٹر اور چوڑائی 5 کلومیٹر ہے۔ سطح سمندر سے 4000 میٹر بلند ہے۔

چشمے

ریاست جموں کشمیر میں میٹھے اور گرم پانی کے بے شمار قدرتی چشمے پائے جاتے ہیں۔ کچھ چشمے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں جیسے چشمہ ویری ناگ، چشمہ شاہی، چشمہ کھیر بھوانی اور چشمہ مارتنڈ۔ کشمیری زبان میں چشمے کو ''ناگ'' کہا جاتا ہے۔ یہ چشمے قدم قدم سے ابل رہے ہیں۔ اکثر چشموں کا پانی گرمیوں میں ٹھنڈا اور سردیوں میں گرم ہوتا ہے۔ کچھ چشمے ایسے بھی ہیں جن کا پانی سارا سال گرم رہتا ہے۔ گرم پانی کے ان چشموں میں نہانے سے ریح اور گنٹھیا کی بیماریاں دور ہوجاتی ہیں۔ ان گرم چشموں کا گندھک آمیز پانی جلدی امراض میں شفا بخش ہے۔ تتہ پانی (کوٹلی) اور رام بن سے لے کر وادی شگر (اسکردو) تک ایسے بہت سے چشمے ہیں۔ ماضی بعید میں کشمیر کے آبادکاران چشموں کی پوجا کرتے رہے ہیں۔

کشمیر کے مشہور چشمے

چشمہ ویری ناگ: یہ چشمہ سرینگر سے 48 میل دور بانہال کے پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ یہ دریائے جہلم کا منبع ہے۔ اس کی گہرائی 50 فٹ اور محیط 100 فٹ ہے۔ اس چشمے کے کنارے مغل سلاطین نے تاریخی عمارات تعمیر کروائی تھیں۔ مغل شہنشاہ جہانگیر نے اس چشمہ کے کنارے دفن ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تھا

۔یہ چشمہ ہشت پہل ہے۔

چشمہ اننت ناگ: یہ ضلع اننت ناگ سے نکلنے والا مشہور چشمہ ہے۔ اننت ناگ کا مطلب ہے" بے شمار چشمے" چونکہ اس ضلع میں کئی چشمے موجود ہیں اس لیے اسے اننت ناگ کہتے ہیں۔ اس شہر کا نیا نام اسلام آباد ہے۔ چشمہ اننت ناگ کو ہندو متبرک خیال کرتے ہیں۔ یہاں مندر اور دھرم سالہ تعمیر کیے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی شیر باغ بھی ہے۔

چشمہ مٹن:۔ یہ چشمہ مٹن کے مقام (ضلع اننت ناگ) سے نکلتا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ چشمہ نہایت متبرک ہے اور استھاپن ہے۔ یہاں سکھوں کا تاریخی گوردوارا بھی ہے جو بابا گورونانک نے تبت جاتے ہوئے تعمیر کروایا تھا۔ یہاں دور دراز سے ہندو مردوں کی شرادھ کرنے آتے ہیں۔

چشمہ ککڑ ناگ:۔ یہ چشمہ اننت ناگ سے 9 میل مشرقی سمت برہنگ میں واقع ہے۔ اس چشمہ کا پانی نہایت زود ہضم اور صاف ہے۔ یہ پہاڑ کے دامن میں پانچ جگہوں سے پھوٹ کر اکٹھا ہوتا ہے۔ گویا مرغ کے پنجے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

چشمہ کھیر بھوانی: یہ چشمہ بارہ مولا میں تولہ مولہ کے مقام پر واقع ہے۔ یہاں ہندوؤں کا میلہ لگتا ہے۔ اس چشمے کا پانی وقفے وقفے سے رنگ بدلتا رہتا ہے۔ اور ہر رنگ کی جداگانہ تاثیر بتائی جاتی ہے۔

چشمہ شاہی: یہ چشمہ سرینگر سے 9 کلومیٹر دور جھیل ڈل کے کنارے واقع ہے۔ یہ ایک تاریخی مقام ہے۔

چشمہ تتہ پانی: تتہ پانی قصبے میں ضلع پونچھ کی تحصیل ہجیرہ کی حدود میں دریائے پونچھ کے کنارے شفا بخش چشمہ ہے۔ جلدی امراض اور جوڑوں میں درد والے مریض اس چشمے کے پانی سے غسل کر کے صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ صاف شفاف اور آلودگی سے پاک میٹھے پانی کے چشموں کی یہ بہتات دنیا میں محدود ے چند ملکوں کو نصیب ہے۔

تالاب

ریاست جموں کشمیر میں جموں کے بارانی علاقوں سے لے کر گلگت بلتستان کے برف پوش پہاڑی سلسلوں تک بارش یا برف کے پانی کو ذخیرہ کرنے کے لیے چھوٹے بڑے تالاب جا بجا بنائے گئے ہیں۔ صوبہ جموں کے میدانی خطوں میں یہ تالاب بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ان تالابوں میں جمع شدہ پانی روز مرہ زندگی کی مختلف ضروریات کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ مثلاً نہانے دھونے، مویشیوں کو پانی پلانے یا آبپاشی وغیرہ کے لیے۔

3- جنگلات

کسی بھی ملک کے قدرتی وسائل میں جنگلات کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ جنگلات نہ صرف ملکی آب وہوا اور فضا کو اعتدال میں رکھتے ہیں بلکہ ان جنگلات سے حاصل ہونے والی آمدن ملکی معیشت میں بڑا سہارا بنتی ہے۔

An Introduction to Kashmir کے مصنف پروفیسر ایم بی پتھاولہ لکھتے ہیں۔

"That The forest wealth of Kashmir is very precious in view of the world shortage of timber and other forest products cannot be gain said. If properly developed, the entire yield of the state can be estimated to be nearly 200,00,000 c.ft. , which would mean a handsome revenue of not less than Rs. 60,000,000 " ؎

ریاست جموں کشمیر کا بیشتر حصہ پہاڑوں پر مشتمل ہے اوران پہاڑوں پر گھنے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ سمندر سے اٹھنے والے بخارات ہواؤں کے دوش پر سوار ہوکر ان پہاڑوں تک پہنچتے ہیں اور یہاں باران رحمت برستی ہے۔ یوں فطرت اپنے پیدا کردہ اشجار کی آبیاری خود کرتی ہے۔ بقول شاعر

ع فطرت خود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

متحدہ ریاست جموں کشمیر میں ڈوگرہ عہد حکومت میں جنگلات کی نشوونما اور حفاظت کے لیے مثالی انتظامات کیے گئے تھے۔ محکمہ فاریسٹ اسی دور میں قائم کیا گیا اور جنگلات کی اقسام، ان کی حفاظت اور نشوونما کے حوالے سے تاریخ ساز اقدامات عمل میں لائے گئے۔ جنگلات کے حوالے سے باقاعدہ قوانین بنائے گئے اوران قوانین پر عمل درآمد کے لیے نہایت ٹھوس بنیادیں فراہم کی گئیں۔

منقسم شدہ ریاست جموں کشمیر میں آج بھی فاریسٹ ڈیپارٹمنٹس قائم ہیں لیکن ان شعبوں کی کارکردگی انتہائی مایوس کن ہے۔

1871ء میں چارلس گرڈسٹون نے کشمیر کے جنگلات میں 77 اقسام کے درختوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ ان درختوں کی اقسام 100 سے زیادہ ہیں۔ اس نے کشمیر میں پائے جانے والے سیبوں کی 28 اقسام،

؎ "An Introduction to Kashmir"(P.44)

انگور کی 20 اقسام، آڑو کی 26 اقسام، بادام کی 23 اقسام اور 36 اقسام کے جنگلی پھلوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

بھارتی مقبوضہ کشمیر میں فاریسٹ ڈیپارٹمنٹ نے ڈوگرہ عہد حکومت کے زریں اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جنگلات کی حفاظت اور نشوونما کے لیے کافی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست کے اس حصے میں نئے جنگل اُگائے گئے ہیں اور پُرانے جنگلات سے نکالی گئی لکڑی کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ریاست جموں کشمیر کا یہ خطہ جسے ''آزاد کشمیر'' کہا جاتا ہے۔ 1947ء میں ریاست کی جبری تقسیم کے وقت اس حصے کا 40% رقبہ جنگلات نے گھیرا ہوا تھا۔ لیکن آج یہ رقبہ صرف 10% رہ گیا ہے۔ جنگلات جنگل مافیا کے رحم وکرم پر ہیں۔ محکمہ جنگلات بے بس، بے حس، مجبور اور بے دست و پا ہے۔ محکمہ جنگلات کی تمام کارگزاری جنگل مافیا کی بھینٹ چڑھی ہوئی ہے۔ یہاں کی نام نہاد کٹھ پتلی حکومت سرسبز و ہنرمند کشمیر کے جھوٹے راگ الاپ رہی ہے اور جنگل مافیا بے دریغ کٹائی کر رہا ہے۔ جنگلوں میں جان بوجھ کر سلگائی ہوئی آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ دھرتی ماں کا زیور نوچنے والے کس طرح پربت پربت چتائیں جلا رہے ہیں۔ عہد رفتہ کو ٹٹولیں تو پتہ چلتا ہے کہ ڈوگرہ عہد میں انہی جنگلات میں ماچس لے کر جانا یا سگریٹ سلگا کر ان سے گزرنا منع تھا اور اس قانون کا احترام نہ کرنے والے کو سزا دی جاتی تھی۔ آج آزاد کشمیر کے جنگلات لاوارث ہو گئے ہیں۔ ان کا پُرسانِ حال کوئی نہیں۔ آزاد کشمیر کے جنگلات کی تباہی میں پاکستانی فوج اور مقامی سول انتظامیہ برابر کی شریک ہے۔

ریاست جموں کشمیر کا انتہائی شمالی خطہ لداخ اور گلگت بلتستان ہے۔ لداخ کے پہاڑ سطح سمندر سے اتنے اونچے ہیں کہ وہاں جنگلات کا وجود ممکن نہیں۔ ان پہاڑوں پر بارش بھی کم ہوتی ہے۔ زیادہ تر پتھریلے پہاڑ ہیں۔ گلگت بلتستان کے بلند و بالا پہاڑوں پر بھی جنگلات کا کوئی وجود نہیں۔ یہ پہاڑ سارا سال برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ البتہ کم اونچائی والے پہاڑوں کے دامن میں، گھاٹیوں یا میدانی خطوں میں تھوڑے بہت جنگلات پائے جاتے ہیں۔ ریاست جموں کشمیر کا یہ خطہ چونکہ براہ راست پاکستانی قبضے میں ہے اس لیے یہاں جنگلات اگانے یا موجود جنگلات کے تحفظ کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔

جنگلات ریاست جموں کشمیر کی قومی معیشت کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ قدرت کے اس عطیے کو دیدہ وروں اور دانشمندوں نے ''سبز سونا'' قرار دیا ہے۔ 1947 سے قبل کشمیر کے جنگلات میں پائی جانی والی قیمتی لکڑی کی برآمد سے زر کثیر حاصل ہوتا تھا۔ 1947 میں جبری تقسیم اور پڑوسی ممالک کے تسلط میں چلے جانے کے سبب ریاست جموں کشمیر کی معیشت میں جنگلات سے کماحقہ فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا بلکہ اُلٹا اس ریاستی خزانے کو لوٹا جا رہا ہے۔ خاص طور پر آزاد کشمیر میں جنگلات خطرناک حد تک کاٹے جا چکے ہیں۔ جنگلات کی تباہی اور

بربادی کے سبب یہاں ''ٹمبر مافیا'' کی اصطلاح مقبول عام ہے۔

جنگلات کی اقسام:

ریاست جموں کشمیر میں مختلف النوع آب وہوا اور زمینی خط و خال کے سبب جنگلات کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ میدانی علاقوں کے جنگلات ۲۔ پہاڑی علاقوں کے جنگلات

میدانی علاقوں کے جنگلات

ریاست جموں کشمیر کے وہ میدانی علاقے جو کوہ شوالک کی ترائی میں کٹھوعہ، جموں، بھمبر اور میرپور کے علاقوں پر پھیلے ہوئے ہیں ان کی سطح سمندر سے بلندی 1500 فٹ تک ہے۔ ان علاقوں میں بارش بہت کم ہوتی ہے جس کی وجہ سے گھنی جھاڑیاں، کیکر، بیری، چھمبرا، پھلاہی، شیشم، برگد، پیپل اور آم کے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ ضلع بھمبر کے علاقہ دیوا وٹالہ میں آموں کے گھنے جنگلات ہیں۔ دیسی آموں کے یہ باغات ساری دنیا میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ لذت اور ذائقے میں یہ آم اپنی مثال آپ ہیں۔ میدانی علاقے کے جنگلات میں بیری کے جنگلات بھی بیروں کی بے پناہ پیداوار کے لیے بے مثال ہیں۔

وادیءِ کشمیر بھی ریاست جموں کشمیر کی ایک وسیع و عریض میدانی پٹی ہے یہاں پھلدار درختوں کی بہتات ہے۔ ان میں سیب، بادام، اخروٹ، آلو بخارا، انار، آلوچہ اور آڑو وغیرہ کی نہایت اعلیٰ اقسام پیدا ہوتی ہیں۔ وادیءِ کشمیر کا سیب تو دنیا بھر میں اپنی مثال آپ ہے۔ پھلوں کی پیدوار کے حوالے سے ضلع بارہ مولا کو ریاست بھر میں اولیت حاصل ہے۔

وادیءِ کشمیر میں بے پھل درختوں کے بھی گھنے جنگل پائے جاتے ہیں۔ ان میں چنار کو خاص مقام حاصل ہے۔ چنار کا پتا کشمیر کا قومی نشان ہے۔ اس لیے کشمیری لوگ اس درخت کو ذوق وشوق سے اگاتے ہیں۔ اس کی ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں کا کوئی نعم البدل نہیں۔ ادب میں چنار کو ذوق جذبے اور ہمت واستقامت کی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ وادیءِ کشمیر کے دیگر بے پھل درختوں میں سفیدہ، بید، بریج اور صندل عام ہیں۔

پہاڑی علاقوں کے جنگلات

ریاست جموں کشمیر کے پہاڑی جنگلات ہی درحقیقت قومی خزانہ ہیں۔ ان جنگلات سے اعلیٰ قسم کی تعمیراتی اور فرنیچر کی لکڑی حاصل ہوتی ہے۔ یہ جنگلات چیڑ اور صنوبر کے درختوں سے شروع ہوتے ہیں۔ جو سطح سمندر سے 3000 فٹ کی بلندی سے لے کر 7000 فٹ کی بلندی تک پائے جاتے ہیں۔ ان درختوں میں

چیل، صنوبر، پڑتل، بدلو، کائل اور شاہ بلوط کے درخت عام ہیں۔ سلسلہ پیر پنجال کے دامن میں آباد راجوری، پونچھ، بُدھل، گلاب گڑھ اور ریاسی وغیرہ کے علاقے اسی سطح میں آباد ہیں۔ ان علاقوں میں پائے جانے والے درختوں کی دیگر اقسام حسب ذیل ہیں۔ ریں، برائیں، بن کھوڑ، تر کنا، سم، برمی، برتھ، ہرا چھڑ، کھارسو، بیسا، بن دریک، سفیدہ، توت، بن توت، ہردل، املتاس اور کلیاڑی وغیرہ

پہاڑی علاقوں میں سطح سمندر سے 7000 فٹ کی بلندی سے اوپر جو درخت پائے جاتے ہیں ان میں دیودار، کائل اور بھوج پتر کے درخت عام ہیں۔

آزاد کشمیر میں پونچھ، باغ، مظفر آباد اور وادی نیلم کے جنگلات میں چیل اور پڑتل کے درخت پائے جاتے ہیں۔ وادی نیلم کے بالائی پہاڑوں پر کائل، بھوج پتر اور اعلیٰ قسم کا دیودار پیدا ہوتا ہے۔ اس وادی کا دیودار دنیا میں اعلیٰ قسم کا دیودار مانا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خوبانی، اخروٹ، آڑو، ناشپاتی، آلو بخارا، سیب، لوکاٹ، توت، املوک اور انار کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔

ریاست جموں کشمیر کے خطہ گلگت بلتستان میں جنگلات بہت کم پائے جاتے ہیں البتہ شاہ بلوط، چلغوزہ، کائل اور دیودار کم پیمانے پر ملتے ہیں۔ گلگت میں پھلدار درختوں کے باغات ہیں ان میں توت خوبانی اور چیری قابل ذکر ہیں۔ ان درختوں سے حاصل ہونے والا پھل خشک کر کے مقامی سطح پر بکثرت استعمال ہوتا ہے اور اس کی فروخت سے زر مبادلہ بھی کمایا جاتا ہے۔

ریاست جموں کے شمالی علاقہ جات میں پائے جانے والے جانوروں اور پرندوں کی 45 سے زائد اقسام کے ناپید ہونے کے خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔ شمالی علاقہ جات کے جنگلی حیات کے محکمہ کے ریسرچ آفیسر کی رپورٹ کے مطابق عالمی سطح پر محدوم ہونے والے جانوروں اور پرندوں کی 45 اقسام شمالی علاقہ جات میں پائی جاتی ہیں ان میں سے ممالیہ جانوروں کی 18، پرندوں کی 17، رینگنے والے جانوروں کی 9 اقسام اور 1 ٹراؤٹ مچھلی شامل ہے۔ [ل]

ضرورت اس امر کی ہے کہ ریاست جموں کشمیر کے شمالی علاقہ جات میں پائی جانے والی جنگلی حیات کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

جنگلات کے فوائد

جنگلات کے چیدہ چیدہ فوائد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جنگلات سے قیمتی لکڑی حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ جنگلات میں بیش قیمت جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔

ل روزنامہ اوصاف 24 جولائی 2009ء

۳۔ جنگلات جنگلی جانوروں اور پرندوں کے لیے پناہ گاہوں اور پرورش گاہوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔
۴۔ جنگلات بارش کا سبب بنتے ہیں۔
۵۔ جنگلات شکارگاہوں کا کام دیتے ہیں۔
۶۔ جنگلات زمین کے کٹاؤ کو روکتے ہیں۔
۷۔ جنگلات سیلابی یا برساتی پانی کی رفتار کم کر کے نقصانات سے بچاتے ہیں۔
۸۔ جنگلات درجہ حرارت کو اعتدال پر رکھتے ہیں۔
۹۔ جنگلات یخ بستہ برف کو پگھلنے کا موقع فراہم کرتے ہیں
۱۰۔ جنگلات آندھیوں اور طوفانوں کا راستہ روکتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور سارے درخت اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں (القرآن)

حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر قیامت اس حالت میں آئے کہ تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہو اور اگر ہو سکے تو اٹھنے سے پہلے اُسے لگا دے (حدیث)

4 - معدنیات

ریاست جموں کشمیر نہایت قیمتی معدنیات سے مالا مال ہے۔ اس دھرتی کے پہاڑوں، دریاؤں، وادیوں، میدانوں اور جنگلوں کی تہہ میں قدرت نے اپنے قیمتی خزانے چھپا کر رکھے ہوئے ہیں۔ قدرت کے یہ بیش قیمت خزانے اس دھرتی پر رہنے والے انسانوں کی امانت ہیں۔ لیکن محکوم، مظلوم اور مجبور قوم کی یہ امانت بیرونی غاصب قوتیں دن رات لوٹ رہی ہیں۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں اگرچہ معدنیات کی تلاش اور نکاسی کے لیے محکمے قائم ہیں، بھارتی مقبوضہ کشمیر میں ''جے کے منرلز ڈیپارٹمنٹ'' اور آزاد کشمیر میں AKMIDC کا محکمہ قائم ہے۔ لیکن عملاً ان دونوں خطوں کی کٹھ پتلی حکومتوں کی طرح یہ محکمے بھی کٹھ پتلیاں بنی ہوئی ہیں۔ پاکستانی حکومت اور بھارتی حکومت کے اپنے محکمے ان ریاستی معدنیات کی تلاش اور اخراج کا براہ راست بندوبست کرتے ہیں۔ ریاستی مشینری کو وہ اپنے ملازموں اور قلیوں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ گلگت بلتستان کا خطہ بیش قیمت پتھروں اور دھاتوں سے بھرا پڑا ہے۔ یہاں کی کوئی بھی مقامی انتظامیہ یا محکمہ ان معدنیات کو نہیں نکال رہا بلکہ براہ راست حکومت پاکستان یہاں کی معدنیات سے کھربوں ڈالرز زرمبادلہ کما رہی ہے۔ اسی لیے اس خطے میں کوئی بااختیار اور قانون ساز ادارہ قائم نہیں ہونے دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا بھر کے پہاڑوں

کے مقابلے میں سب سے زیادہ معدنیات گلگت بلتستان کے پہاڑوں سے نکالی جارہی ہیں۔ یہاں 50 مقامات سے سونا نکالا جارہا ہے۔ جس کی مالیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ دریائے سندھ کی ریت میں بھی سونے کے ذرات پائے جاتے ہیں۔ نہ جانے اس عظیم دریا کی گزرگاہ میں کتنی سونے کی کانیں ہوں گی جہاں سے یہ سونا ذرات کی صورت میں ٹوٹ کر ریت میں شامل ہورہا ہے۔ حکومت پاکستان غیرملکی کمپنیوں کی مدد سے یہاں وسیع پیمانے پر معدنیات کی تلاش اور نکاسی کا کام کررہی ہے۔ ان معدنیات سے حاصل ہونے والے اربوں ڈالر کا ایک فیصد بھی اس علاقے کی تعمیر وترقی پر خرچ نہیں کیا جارہا۔

ریاست جموں کشمیر کے قدرتی وسائل میں معدنیات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ آزاد اور متحدہ ریاست جموں کشمیر میں یہ معدنیات ہماری قومی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ اختیار کرسکتی ہیں۔

ریاست جموں کشمیر میں معدنیات کی تلاش کا باقاعدہ کام ڈوگرہ حکومت میں شروع کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں برٹش گورنمنٹ نے 1870ء اور 1910ء میں ماہرین ارضیات کی خصوصی ٹیمیں تشکیل دیں جنہوں نے ریاست کے مختلف خطوں میں جدید آلات کی مدد سے معدنی ذخائر کا کھوج لگایا اور برطانوی حکومت ہند کو مفصل رپورٹس پیش کیں۔ ان سروے رپورٹس کے منظرِ عام پر آنے کے بعد معدنیات کا کاروبار کرنے والے افراد اور ادارے کشمیر کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے لیکن مہاراجہ کشمیر کے سخت رویے اور بعدازاں معدنیات کے حوالے سے بنائے گئے سخت قوانین کی موجودگی میں وہ ایسا نہ کرسکے۔

جسٹس محمد یوسف صراف نے اپنی تصنیف ''کشمیریز فائٹ فار فریڈم'' میں پی این کے بامزئی کے حوالے سے لکھا ہے کہ 1908 میں ایک برطانوی شہری لارڈ ایرل اور اس کے دوستوں نے Kashmir Iron mines and power syndicate کے نام سے ایک کمپنی قائم کی۔ یہ کمپنی ضلع ریاسی اور اودھم پور کے کچھ مخصوص علاقے معدنیات کی نکاسی کے لیے 90 سال کے لیے پٹے پر حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن اس وقت تک ابھی اس سلسلے میں کوئی ریاستی قانون وضع نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن بعدازاں جب یہ قانون وضع ہوا تو اس میں ریاستی مفادات کو اس حد تک فوقیت دی گئی کہ برٹش کمپنی کو اپنا منصوبہ ترک کرنا پڑا۔[1]

ڈوگرہ حکومت کے زریں اصولوں اور سخت قوانین کے پیش نظر ریاست جموں کشمیر سے معدنیات کی نکاسی عمل میں لانا کسی بھی غیرملکی کمپنی کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ اس کی وجہ سے 1947 تک ریاستی حدود سے معدنیات نکالنے کا کام کوئی بھی غیرریاستی ادارہ نہیں کرسکا۔ 1947ء میں کشمیر پر غیرملکی قبضے کے سبب یہ قوانین دھرے کے دھرے رہ گئے اور ہندوستان اور پاکستان نے اس خطے کی معدنیات کو بے دردی

---

[1] کشمیریز فائٹ فار فریڈم (جلد اول) صفحہ 12

سے لوٹنا شروع کر دیا۔ ریاست کے مختلف حصوں سے اب تک جو معدنیات دریافت ہوئی ہیں یا نکالی جارہی ہیں اُن کی فہرست حسب ذیل ہے۔

۱۔ **سونا** (Gold)۔ گلگت، اسکردو، دراس، کرگل اور مظفرآباد کی اپر نیلم ویلی میں سونے کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ دریائے سندھ کی ریت میں بھی سونے کے ذرات شامل ہیں۔

۲۔ **یورینیم**: یورینیم ایٹمی توانائی حاصل کرنے کے لیے استعمال میں آتی ہیں۔ پاکستان نے کوٹلی، بھمبر اور مظفرآباد کے کچھ علاقوں سے یورینیم کی بھاری مقدار حاصل کی ہے۔ جو ایٹمی توانائی کے لیے استعمال کی جارہی ہے۔

۳۔ **سنگ مرمر**: (Marbel) گلگت اور اسکردو میں کئی مقامات پر سنگ مرمر کی کانیں موجود ہیں۔ باغ ،کوٹلی اور مظفرآباد میں تو اس قیمتی پتھر کے بے پناہ ذخائر دریافت ہوئے ہیں۔ رنگوں کے حسین امتزاج کا سنگ مرمر یہاں پایا جاتا ہے۔ کوالٹی میں یہ پتھر بہت عمدہ ہے۔

۴۔ **جپسم**: (Gypsum) جپسم مصنوعی کھاد، سیمنٹ اور پلاسٹر کی صنعت میں استعمال ہوتا ہے۔ اوڑی ،بنوٹ اور ڈوڈہ میں اس کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ آزاد کشمیر کے علاقہ مظفرآباد میں بھی اس کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔

۵۔ **گریفائٹ**:(Graphite) گریفائٹ پنسل بنانے، پینٹ بنانے اور ایٹمی ری ایکٹر میں ماڈریٹر کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ریشیاں، نیلم ویلی، نکیال وغیرہ میں اس کے ذخائر موجود ہیں۔ ان علاقوں سے حکومت پاکستان اپنی نگرانی میں گریفائٹ نکال رہی ہے۔

۶۔ **چونے کا پتھر**:(LimeStone) یہ پتھر لوہا پگلانے اور سیمنٹ تیار کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بانہال، کنگن، ویری ناگ، رام بن، ڈوڈہ، کشتواڑ، اچھ بل اور بانڈی پورہ وغیرہ میں اس کے وسیع ذخائر ہیں۔ مظفرآباد اور کوٹلی میں بھی یہ پتھر بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ ان مقامات پر سیمنٹ کے کارخانے لگائے جاسکتے ہیں۔

۷۔ **لوہا**: (Iron) لوہا سٹیل انڈسٹری میں استعمال ہوتا ہے۔ آزاد کشمیر اور بھارتی مقبوضہ کشمیر میں لوہے کے ذخائر موجود ہیں جہاں سے لوہا نکال کر بھارت اور پاکستان کے کارخانوں میں استعمال ہورہا ہے۔

۸۔ **کوئلہ**:(Coal) کوئلہ ایندھن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ زیادہ تر یہ اینٹیں پکانے کے کام آتا ہے۔ جموں، ریاسی، ہندواڑہ، بارہ مولا اور کوٹلی کے مقامات پر کوئلے کی کانیں پائی جاتی ہیں۔

۹۔ **تانبا**:(Copper) تانبا ظروف سازی اور اسلحہ سازی میں استعمال ہوتا ہے۔ ریاست میں اننت ناگ، کنگن، زنسکار، کرگل، ریاسی اور گلگت میں اس کے ذخائر موجود ہیں۔

۱۰۔ **پائیرائٹ**:(Pyrite) پائیرائٹ سے لوہا، گندھک اور نکل حاصل کیے جاتے ہیں۔ یہ بارود، رنگ، ربڑ

اور کھاد کے کارخانوں میں استعمال ہوتا ہے۔مظفر آباد ریشیاں میں پائیرائٹ کا وسیع ذخیرہ پایا جاتا ہے۔

۱۱۔**بکسائٹ**:(Bauxite) بکسائٹ ایلومنیم کی صنعت اور کیمیکلز کی تیاری میں استعمال ہوتا ہے۔صوبہ جموں کے علاقہ ریاسی کے مختلف مقامات پر بکسائٹ کے وسیع ذخائر پائے جاتے ہیں۔کوٹلی اور مظفر آباد میں اس کے ذخائر موجود ہیں۔

۱۲۔**فلر ارتھ**:(Fuller Earth) فلر ارتھ سبز اور سفید رنگ کی مٹی ہوتی ہے جو صابن کی صنعت میں استعمال ہوتی ہے۔

۱۳۔**چائنا مٹی**:(China Cly) یہ ہلکے گہرے رنگ کی مٹی ہوتی ہے۔بھمبر اور گلگت کے کچھ مقامات پر اس کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔

۱۴۔**فلسپار**:(Feldspar) فلسپار برتن سازی،شیشہ سازی اور دانت سازی کی صنعت میں استعمال ہوتی ہے۔اٹھمقام اور پاڈر کے مقامات پر اس کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔

۱۵۔**ابرق**:(Myca) ابرق کی دھات بجلی کی صنعت میں استعمال ہوتی ہے۔وادی نیلم،شگر اور بونجی وغیرہ میں اس کے ذخائر موجود ہیں۔

۱۶۔**کوارٹ زائیٹ**:(Quartzite) کوارٹ زائیٹ شیشہ سازی کی صنعت میں استعمال ہوتی ہے۔کوٹلی میں اس کے ذخائر موجود ہیں۔

۱۷۔**لیمو نائٹ**:(Lemonite) لیمو نائٹ کا استعمال لوہے،کھاد اور پینٹ کی صنعت میں ہوتا ہے۔مظفر آباد میں ریشیاں کے مقام پر اس کے وسیع ذخائر ہیں۔

۱۸۔**گندھک**:(Sulpher) گندھک بارود سازی میں استعمال ہوتی ہے۔آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں اس کے ذخائر موجود ہیں۔

۱۹۔**سرمہ**:(Galena) ریاست میں سرمہ راحت کوٹ،سنگر مرگ واقع ریاسی اور چھچھ نالہ واقع کشتواڑ میں پایا جاتا ہے۔

۲۰۔**پھٹکڑی**:(Alum) لداخ کی وادیء پگا میں پھٹکری کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔

۲۱۔**سلاجیت**: ریاست میں سلاجیت کی کانیں کشتواڑ،سکردو،گلگت اور چیلاس میں پائی جاتی ہیں۔

5 - قیمتی پتھر

معدنیات کی دنیا میں قیمتی پتھروں کو خصوصی اہمیت حاصل ہو چکی ہے۔ یوں تو انسانی تاریخ سے ہی قیمتی پتھروں کو اہمیت حاصل رہی ہے لیکن دورِ جدید میں قیمتی پتھروں نے باقاعدہ ایک صنعت کا درجہ اختیار کر لیا ہے۔ قیمتی پتھر نہ صرف انفرادی شان و شوکت کے لیے استعمال ہوتے ہیں بلکہ دنیا کے لاکھوں کروڑوں انسان ان پتھروں کی درآمدات و برآمدات سے وابستہ ہو کر روزگار حاصل کر رہے ہیں۔ قیمتی پتھروں کا کاروبار کرنے والے ممالک میں جرمنی، سنگاپور، ہانگ کانگ، فرانس، برطانیہ، امریکہ، افغانستان، جاپان، ملائشیا، انڈونیشیا، سویٹزرلینڈ، بلجیم، متحدہ عرب امارات، سری لنکا، نیپال، چین، بھارت اور پاکستان خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔

خطہء کشمیر کے پہاڑوں کو قدرت نے بے پناہ قیمتی پتھروں کے خزانے عطا کر رکھے ہیں۔ پاکستان قیمتی پتھروں کے نوے فیصد ذخائر ریاست جموں کشمیر کے خطہ گلگت بلتستان کے وسیع و عریض اور بلند و بالا پہاڑوں کے دامن سے حاصل کر رہا ہے۔ گویا پاکستان میں قیمتی پتھروں کی صنعت کا سارا دارومدار شمالی کشمیر میں پائے جانے والے پتھروں پر ہے۔ ان پتھروں کی برآمد سے پاکستان کروڑوں اربوں ڈالر سالانہ زرمبادلہ حاصل کر رہا ہے۔

1947ء میں جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو یہاں قیمتی پتھروں کی کوئی کان موجود نہیں تھی۔ بعد ازاں 1949ء میں گلگت بلتستان کے علاقے پر ایک جعلی اور فرضی معاہدہ کراچی کی آڑ میں پاکستان نے قبضہ کر لیا۔ یہاں کی مقامی فورسز کو بے اثر کر دیا گیا۔ یہاں سے حکومتِ آزاد کشمیر کا عمل دخل بھی ختم کر دیا گیا تو یہ علاقے مکمل طور پر پاکستان کے کنٹرول میں چلے گئے۔ چونکہ ماضی بعید سے ہی خطہء کشمیر اور گلگت بلتستان کے پہاڑ معدنی دولت کے اعتبار سے شہرت رکھتے تھے اس لیے پاکستان نے اس خطے پر تسلط قائم کر لیا اور پھر یہاں سے قیمتی معدنیات کی دریافت اور نکاسی کا ایک سامراجی نظام قائم کیا۔ گلگت بلتستان کی لوکل اتھارٹی یا حکومت کشمیر کو ان علاقوں سے معدنیات دریافت کرنے اور انہیں برآمد کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ یہ کام وہاں پاکستان کے مختلف محکمے سرانجام دے رہے ہیں۔ پاکستان کی سول اور ملٹری بیوروکریسی بھی وہاں بڑے پیمانے پر قیمتی پتھروں کی سمگلنگ میں ملوث ہے۔ اس سارے عمل کو سرکاری وغیر سرکاری کوششوں کا نام دیا گیا ہے۔ ریاست جموں کشمیر میں اور خصوصاً خطہء گلگت بلتستان میں قیمتی پتھروں کی کئی اقسام پائی جاتی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ یاقوت: (RUBY) یاقوت ایک نہایت قیمتی پتھر ہے۔ یہ گہرے سرخ، کاسنی اور سبز رنگوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کا استعمال زیادہ تر زیورات میں ہوتا ہے۔ گلگت کی وادی ہنزہ میں اس پتھر کے وسیع ذخائر ہیں۔ یہاں سرخ رنگ کا یاقوت پایا جاتا ہے۔ علی آباد، حسن آباد اور احمد آباد کے علاقوں سے یہ پتھر نکالا

جا رہا ہے۔ آزاد کشمیر کی وادی نیلم کے شمالی حصے شونٹھر میں بھی اس پتھر کے ذخائر دریافت ہوئے ہیں اور یہاں اس پتھر کی کانیں موجود ہیں۔

۲۔**بیروج**(Tourmaline) یہ پتھر گلگت میں دریافت ہوا ہے۔ یہ باریک پنسل کی طرح لمبی شکل میں ہوتا ہے۔ بالکل شفاف پتھر ہے۔ مختلف علاقوں سے یہ مختلف رنگوں کا حامل پایا گیا ہے۔ مثلاً سنہری، گلابی، سبز اور زرد وغیرہ۔

۳۔**جیڈ**: اس پتھر کے ذخائر گلگت بلتستان میں موجود ہیں ۔ یہ دراصل دو معدنیات کا مرکب ہے جنہیں ''جیڈ ائٹ'' اور ''نیفر ائٹ'' کہا جاتا ہے۔ یہ پتھر جواہرات کی صنعت میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا رنگ سفید ، سیاہ، سرخ اور نسواری ہوتا ہے۔

۴۔**زمرد** (Emerald) زمرد ایک بیش قیمت سبز رنگت والا پتھر ہے جو زیورات کی تیاری کے لیے انتہائی موزوں سمجھا جاتا ہے۔ یہ نہایت سخت قسم کی چٹانوں کی رگوں میں پایا جاتا ہے۔ اور پھر کئی اطراف سے اس کی کٹنگ کر کے اسے قابل استعمال بنالیا جاتا ہے۔ وادی نیلم اور وادی نگر میں اس کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔

۵۔**پکھراج**: پکھراج ایک زرد اور گلابی رنگ کا پتھر ہے جو زیورات میں استعمال ہوتا ہے۔ گلگت بلتستان کے چند مقامات پر اس پتھر کی کانیں موجود ہیں۔

۶۔**اکوامیرین** (Aqvamarine) ہلکے آسمانی اور ہلکے سبز رنگ کا یہ خوبصورت پتھر نہایت شفاف حالت میں پایا جاتا ہے۔ یہ پتھر شمالی کشمیر کے چند مقامات وادی شگر، خراموش اور دراس کے علاقوں میں پایا جاتا ہے ۔ جبکہ آزاد کشمیر کی وادی نیلم میں اس کے ذخائر موجود ہیں۔

۷۔**پیراڈاٹ**: (Peridot) یہ سبز رنگ کا خوبصورت پتھر ہے جو پکھراج سے کافی مشابہت رکھتا ہے ۔ وادی نیلم اور شمالی کشمیر میں اس کے ذخائر موجود ہیں۔

۸۔**کنزائٹ**: یہ پتھر شمالی کشمیر کے خطہ گلگت میں پایا جاتا ہے۔ یہ سرخ، گلابی، نیلے اور دوسرے کئی رنگوں میں پایا جاتا ہے۔

ریاست جموں کشمیر میں پائے جانے والے مذکورہ بالا قیمتی پتھروں کی بڑے پیمانے پر سمگلنگ ہورہی ہے۔ قیمتی معدنیات کے ان سمگلروں کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ آزاد کشمیر کی وادی نیلم اور گلگت بلتستان میں ان سمگلروں نے وسیع پیمانے پر نیٹ ورک قائم کر رکھا ہے۔ آزاد کشمیر کی وادی نیلم سے قیمتی پتھروں اور جڑی بوٹیوں کی سمگلنگ میں تو حکومتی اہلکار اور وی آئی پی شخصیات ملوث پائی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں روزنامہ ''اوصاف'' کی ایک رپورٹ ملاحظہ فرمائیں۔

''ضلع نیلم سے جڑی بوٹیوں اور قیمتی پتھروں کی بے تحاشہ سمگلنگ متعدد اہم شخصیات کے ملوث

ہونے کا انکشاف ،قومی خزانے کو کروڑوں کی ٹیکی ۔نیلم ویلی میں آنے والی سرکاری گاڑیوں کی چیکنگ کا مطالبہ۔ تفصیلات کے مطابق انتہائی معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ضلع نیلم سے قیمتی جڑی بوٹیوں اور نایاب پتھروں کی سمگلنگ کا کام ایک عرصے سے جاری ہے اور حکومتی سرپرستی میں ایک منظم گروہ طویل عرصے سے معدنیات اور قدرتی وسائل کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔ سرکاری جھنڈیوں والی گاڑیوں میں روبی ،نیلم ، یاقوت اور دوسرے قیمتی پتھروں کے علاوہ کٹھ اور گچھی سمیت متعدد قیمتی جڑی بوٹیوں کی سمگلنگ کا انکشاف ہوا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ضلع نیلم میں سیر سپاٹے اور سرکاری کاموں کی غرض سے آنے والی وی آئی پیز اور سیاحوں کا ایک گروہ طویل عرصے سے ان اشیاء کی سمگلنگ میں مصروف ہے اور مناسب چیکنگ نہ ہونے کی وجہ سے آج تک ان افراد کا سراغ نہیں لگایا جاسکا۔ سمگلر گروہ چند مقامی افراد کی مدد سے قیمتی پتھر اور جڑی بوٹیاں اکٹھی کر کے جھنڈی بردار گاڑیوں میں سمگل کر رہا ہے جس کی وجہ سے نیلم ویلی کے قومی وسائل کو اربوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ نیلم ویلی سے لکڑی ، جڑی بوٹیوں اور قیمتی پتھروں کی حکومتی سرپرستی میں سمگلنگ کے بارے میں عوامی حلقوں میں سخت بے چینی پائی جاتی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی ضلع نیلم کے سیکرٹری اطلاعات نذیر احمد دانش نے حکومت آزاد کشمیر اور حساس اداروں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ قدرتی وسائل کی سمگلنگ پر قابو پانے کے لیے اقدامات کریں اور نیلم ویلی میں آنے والے وی آئی پیز کی گاڑیوں کی چیکنگ شروع کی جائے تاکہ قومی خزانے کو نقصان سے بچایا جاسکے''۔[1]

6 - سیاحت

خطہ کشمیر کو قدرت نے بے پناہ حسن و کمالات سے نوازا ہے۔ بنظرِ غائر دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ دستِ قدرت اس دھرتی کے ایک ایک چپے کو بناتی اور سنوارتی چلی گئی ہے۔ یہاں ایک ہی وقت میں آب وہوا اور موسموں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ یہاں سرپٹ دوڑتی اور نغمے گاتی ندیوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ یہاں نیلگوں اور شفاف جھیلیں دامن پھیلائے بیٹھی ہیں۔ یہاں قدم قدم پر پھوٹنے والے چشمے آبِ حیات بانٹتے پھرتے ہیں۔ یہاں کے سبزہ زار و مرغزار قلب و نظر کو فرحت بخشتے ہیں۔ یہاں کے پھل اور میوے جنتی نعمتوں کا لطف دیتے ہیں۔ یہاں کی فلک بوس اور برف پوش چوٹیاں حسنِ فطرت کے متلاشیوں کے دامن دل کھینچ لیتی ہیں۔ یوں تو یہاں کا ہر موسم اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن موسم بہار کی رعنائیاں اور جلوہ سامانیاں روح میں یوں اتر

---

[1] روزنامہ اوصاف اسلام آباد 19 اکتوبر 2008

Scanned by CamScanner

آتی ہیں کہ دیدہ ور انسان بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔

گر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

(شہنشاہ جہانگیر)

شاعر مشرق اور فرزند کشمیر علامہ محمد اقبال نے اس کی عکاسی یوں فرمائی

من خدا را دیدم آں جا بے حجاب

(ترجمہ) میں نے خدا کو اس جگہ بے حجاب جلوہ فرما دیکھا۔

خالق کائنات کے اس ازلی شاہکار کو اسی لیے شاعروں، ادیبوں، دانشوروں، دیدہ وروں اور مظاہر فطرت کے متلاشیوں نے جنت ارضی، فردوسِ بریں، جنتِ بے نظیر اور ایشیا کی انگوٹھی کا نگینہ، جیسے ناموں سے پکارا ہے۔

یہ خالق کائنات کے دست کمال اور نظر کرم کا نتیجہ ہے کہ اس خطہ زمین کو یہ قدر و منزلت عطا فرمائی ہے۔ ورنہ وہ ان سرسبز و شاداب پہاڑوں کو چٹیل پہاڑ بنا سکتا تھا۔ وہ یہاں کے لہلہاتے کھیتوں کی جگہ ریت سے اٹے ہوئے ریگستان بنا سکتا تھا اور قدرتی حسن سے مالا مال جھیلوں، ندیوں، آبشاروں، مرغزاروں اور سبزہ زاروں کی جگہ لق و دق صحرا کو بچھا سکتا تھا۔ مادر وطن خطہ کشمیر کو ان نعمتوں سے مالا مال کرنے والے خالق ارض و سما کا جتنا بھی شکر یہ ادا کیا جائے کم ہے۔

قدرتی حسن و جمال کے علاوہ خطہ کشمیر ایک عظیم تاریخ، تہذیب اور ثقافت کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہاں ناگ مت، ہندو مت اور بدھ مت کے ہزار ہا سالہ پرانے آثار و شواہد پائے جاتے ہیں جنہیں دیکھنے کے لیے دنیا بھر سے لاکھوں سیاح یہاں آتے ہیں۔ جموں کے وشنو دیوی میلے اور امرناتھ یاترا کے لیے 50 لاکھ یاتری صرف ہندوستان سے آتے ہیں۔ عیسائیت اور یہودیت کے پیروکار بھی اس خطے کے ساتھ اپنا اپنا خصوصی روحانی تعلق جوڑتے ہیں اس لیے وہ بھی اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرنے آتے ہیں۔ لداخ بدھ تہذیب و ثقافت کا گہوارہ ہے۔ بدھ مت کی حقیقت و ہیت جاننے والے دنیا بھر سے یہاں آتے ہیں۔

دین اسلام کے پیروکاروں کے لیے یہ دھرتی صوفیوں اور ولیوں کا گھر سمجھی جاتی ہے۔ سرینگر کی حضرت بل مسجد میں نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک کی موجودگی اسے ''مدینۂ ثانی'' کا درجہ دیتی ہے۔ تزکیہ نفس، عبادت و ریاضت معرفت الٰہی اور شعائر اسلامی کی زیارت کرنے والوں کے لیے یہاں اور بھی سیکڑوں مراکز ہیں۔

خطہ کشمیر کے شمالی حصے گلگت بلتستان میں دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی کے ٹو واقع ہے اس کے

علاوہ یہاں سیکڑوں چوٹیاں ہیں جنہیں کوہ پیمائی کے شوقین سر کرنے کے لیے دنیا بھر سے بڑی تعداد میں یہاں آتے ہیں۔ گلگت بلتستان کو "سیاحوں کی جنت" کہا جاتا ہے۔

خطہ کشمیر کی یہ امتیازی خصوصیات اسے دنیا بھر میں منفرد مقام عطا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دھرتی کو دیکھنے اور اس کی سیر و سیاحت سے لطف اندوز ہونے کے لیے پوری دنیا سے لاکھوں انسان کشاں کشاں یہاں آتے ہیں۔

مشہور سیاحتی مقامات

ریاست جموں کشمیر میں موجود تاریخی و تفریحی مقامات کا احاطہ کریں تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ ذیل میں ان مقامات کی صرف مختصر سی فہرست پیش کی جا رہی ہے۔

بھمبر۔ افتخار آباد، دیوا و نالہ، چتی، بھمبر سٹی (اس شہر میں بہت سے تاریخی آثار ہیں) جنڈی چونترہ، دربار بابا شادی شہید، دربار پیر پہاڑ بادشاہ، وادی سماہنی، قلعہ باغ سر۔

میرپور۔ منگلا جھیل، منگلا قلعہ، میرپور سٹی، میرپور اولڈ سٹی (منگلا ڈیم کا پانی خشک ہونے پر پرانے میرپور کے سیکڑوں آثار دیکھے جا سکتے ہیں)۔ نہر اپر جہلم، منگلا پاور ہاؤس، کھڑی شریف، سموال شریف، دربار لال بادشاہ، دربار نیک عالم شاہ، بھٹو پارک، قلعہ بڑجن، قلعہ رام کوٹ، ڈڈیال، رٹہ، (یہاں تاریخی آثار ہیں)۔

کوٹلی۔ کوٹلی شہر، کھوئی رٹہ، نکیال، قلعہ تھروچی، قلعہ ڈھنگروٹ، دربار مائی طوطی، دربار گلہار شریف، سہنسہ

سدھنوتی۔ پلندری، نیریاں شریف، قلعہ بارل، تراڑکھل۔

راولاکوٹ۔ پرل ویلی، کوٹ متے خان، بن جونسہ جھیل، دیوی گلی، شہید گلی، مزار کیپٹن حسین خان شہید، تولی پیر ٹاپ، ہجیرہ، منڈھول، تیتری نوٹ، عباس پور، مدار پور۔

باغ۔ باغ سٹی، دھیر کوٹ، ناڑ کا پیر، سدھن گلی، گنگا چوٹی، پیر کنٹھی، لس ڈنہ، علیا آباد، خورشید آباد، خواجہ باندی۔

مظفر آباد۔ قلعہ پلیٹ، بلیک فورٹ، لوہار گلی، پیر چناسی، شہید گلی، پٹہکہ، جہلم ویلی، گڑھی دوپٹہ، چناری، چکوٹھی، چکار، زلزال جھیل، لون بگلہ، ڈنہ، لیپہ، ریشیاں، داؤکھن۔

نیلم ویلی۔ نیلم، اٹھمقام، کنڈل شاہی، دودنیال، جاگراں، سالخلہ، کیرن، دواریاں، لوات، شاردا، (یہاں بدھ دور کی ایک عظیم درسگاہ کے آثار موجود ہیں) کیل، رتی گلی جھیل، جانوئی، پھولوائی، شونٹھر ٹاپ۔

صوبہ جموں (بھارتی مقبوضہ کشمیر)

جموں سٹی (جموں شہر میں بہت سے قابل دید تاریخی مقامات ہیں)۔ قلعہ باہو، امر محل، بنوٹ، پتنی ٹاپ، کُد، سدھ مہادیو، گوری کنڈ، پر منڈل، شیو کھوڑی، اکھنور، بسوہلی (ایک تاریخی قصبہ ہے) اودھم پور، جھیل سرن سر، جھیل مانسر، رنگ محل، بھدرواہ، کشتواڑ، راجوری، پونچھ۔

صوبہ کشمیر

سرینگر شہر (باغوں، جھیلوں، تاریخی عمارتوں اور عجائبات کا شہر) جھیل ڈل، نگین جھیل، تخت سلیمان (شنکراچاریہ) چشمہ شاہی، نشاط باغ، شالیمار باغ، پری محل، حضرت بل، نسیم باغ، قلعہ ہری پربت، زیارت شیخ حمزہ مخدوم، ہارون، پاندرتھن، پانپور، ویری ناگ، اونتی پورہ، اننت ناگ، اچھ بل، کگرناگ، مارتنڈ، پہل گام، گلمرگ، زیارت شیخ نورالدین ولیؒ، یوس مرگ، وادی سندھ، داچھی گام، گاندربل، مانس بل جھیل، جھیل وولر، بانڈی پورہ، بارہ مولا، تریہگام، زیارت بابارشی، مہورہ، اوڑی، کھلن مرگ، وادی لولاب۔

لداخ

لیہہ شہر (شاہی محل، بدھ آثار، مہاتما بدھ کا مجسمہ، مسجد، میوزیم وغیرہ) نیشنل پارک، ہیکن ہائی وے (دنیا کی سے سب سے بلند شاہراہ) کرگل، ترکون، زوجیلا پاس، لامایارو، بل نیخ۔

گلگت بلتستان

گلگت: گلگت سٹی، کارگاہ، یادگار تاج مغل، وادی نلتر، ہنزہ، نگر، پونیال، گاہکوچ، وادی گوپس، پھنڈر جھیل، دریائے گلگت، راما جھیل، استور، بونجی، چلاس، نانگا پربت، جگلوٹ (یہاں دنیا کے تین عظیم پہاڑی سلسلے ملتے ہیں)۔

بلتستان: اسکردو، ست پارہ ڈیم، کے ٹو چوٹی، سیاچن گلیشیر، دریائے سندھ، وادی خپلو، وادی شگر، وادی روندو، وادی کھرمنگ، قلعہ کھرفوچو، چٹان گوتم بدھ، کچورا جھیل، شنگریلہ جھیل، دیوسائی میدان۔

بالا سطور میں منقسم شدہ ریاست جموں کشمیر کے مختلف خطوں کے تاریخی وسیاحتی مقامات کی ایک مختصر سی فہرست پیش کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جنت ارضی کا چپہ چپہ قلب ونظر کو راحت وسکون بخشتا ہے۔ تقسیم کشمیر سے پہلے دنیا بھر کے سیاح اس ''جنت الدنیا'' کو دیکھنے کے لیے بلا روک ٹوک آتے تھے۔ اگرچہ اس زمانے میں سہولتیں بہت کم تھیں لیکن سیاحوں کو آزادانہ گھومنے پھرنے اور بلا خوف وخطر ہر مقام تک جانے کی

آزادی تھی۔ 1947 کے بعد غیر ملکی فوجی تسلط کے سبب جگہ جگہ خوف و ہراس اور پابندیاں راستہ روکے کھڑی ہیں۔ عملاً تین چار انتظامی حصوں میں ریاست تقسیم ہونے کے سبب سیاحوں کو یہاں آنے میں بے شمار مشکلات اور قواعد وضوابط کی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور جان و مال کا خوف جیسے عفریت ان کا راستہ روکے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود فطرت کے یہ عشاق سر ہتھیلی پر رکھ کر گولیوں کی گھن گرج، کریک ڈاؤن، کرفیو اور خوف و دہشت کے ماحول میں بھی یہاں آتے رہتے ہیں۔ کشمیر میں غیر یقینی صورتِ حال اور غیر ملکی فوجوں کے تسلط کے سبب کشمیر کی یہ صنعت جو موجودہ دور میں خطہ کشمیر کو بے پناہ زرِ مبادلہ فراہم کر سکتی تھی اب سکڑ اور سمٹ کر رہ گئی ہے۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں تو حالیہ برسوں کے دوران بہت سے غیر ملکی سیاح اغواء ہوئے یا مارے گئے۔ آزاد کشمیر میں بھی سڑکوں کی ناگفتہ بہ حالت، محکمہ داخلہ حکومت پاکستان کی پابندیاں اور آزاد کشمیر کے تاریخی و سیاحتی مقامات میں مورچہ زن فوجیوں کی وجہ سے غیر ملکی سیاح ادھر کا رخ نہیں کرتے۔

پاکستان کے زیر قبضہ گلگت بلتستان میں بھی سیاحوں کو خوف و خطر کی فضا ملتی ہے۔ اول تو انہیں پاکستان میں آکر گلگت بلتستان جانے کے لیے اتنے پیچیدہ اور مشکل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے کہ وہ بددل ہو کر واپس چلے جاتے ہیں۔ پھر گلگت اسکردو کے لیے ناقص ہوائی سفر اور ناقص زمینی سفر کے سبب انہیں سخت کوفت اور تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ پاکستان کے اپنے اندرونی حالات بھی اب سیاحوں کے لیے موافق نہیں رہے۔ ماضی میں گلگت بلتستان میں کئی غیر ملکی سیاح قتل کر دیئے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ سیاح ایک ایسا پرندہ ہے جو شور و شر سے پاک پرسکون ٹہنی پر بیٹھنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے جہاں قدم قدم پر فوجیں پہرہ لگائے بیٹھی ہوں، خود کش بمبار سر بکف ہوں، بندوق بردار دندناتے پھر رہے ہوں۔ گولیوں کی گھن گرج ہو اور ''خبردار ممنوعہ ایریا'' کے بورڈ آویزاں ہوں، وہاں سیاحت کیسے ترقی کر پائے گی۔ یہاں خاک و خون سے گزر کر کوئی جنونی مہم جو تو آسکتا ہے پر سیاحت کا متمنی کیسے آئے گا؟۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس جنت ارضی سے اہل دنیا کو لطف اندوز ہونے کے لیے اس جبر و ظلم کے ماحول کو ختم کیا جائے۔ کشمیر سے غیر ملکی فوجیں نکل جائیں۔ کشمیر امن و امان اور سکون کا گہوارہ بن جائے۔ تب ہی کشمیر کی اس عظیم صنعت کو بام عروج تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ ورنہ یہ سامراجی اور استحصالی نظام بالآخر ہماری دھرتی ماں کشمیر کی کوکھ اجاڑ کر رکھ دے گا اور کوئی پرندہ اس اجڑے اور جلے کٹے گلشن میں چہچہانے نہیں آئے گا۔ اے خداوند کریم! میرے وطن کی نئی نسل کو عزم و ہمت، غیرت اور خودداری عطا فرما، تاکہ وہ اپنی جنت پر قابض غیر ملکی قوت کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکیں۔

ماضی بعید میں کشمیر کی سیر و سیاحت کے لیے بیرونی دنیا سے آنے والے جن حسن فطرت کے متلاشیوں، دیدہ وروں، دانشمندوں اور مہم جوؤں نے اس خطہ جنت نشان کی سیر کی اور اپنے اپنے دیس جا کر اس کے حسن و رعنائیوں کے قصے عام کیے، بلاشبہ کشمیر کو دنیا سے متعارف کروانے میں ان کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ ایسے ہی چیدہ چیدہ سیاحوں کی فہرست یہاں پیش کی جاتی ہے۔

نمبر شمار	نام سیاح	باشندہ	کشمیر میں آمد	سفرنامہ / کتاب
۱۔	ہیون تسانگ	چین	631ء	siyuki
۲۔	اوکانگ	چین	759ء	
۳۔	المسعودی	عراق	300ھ	مروج الذہب
۴۔	البیرونی	خوارزم	1021ء	کتاب الہند
۵۔	مارکوپولو	اٹلی	1277ء	
۶۔	ابوالفضل	ہندوستان	1586ء	آئین اکبری
۷۔	فرانسیس برنیئر	فرانس	1665	Travels in Mughal Empire
۸۔	ڈی سدری	پرتگال	1741	
۹۔	فرانسس ینگ ہسبنڈ	برطانیہ	1924	Kashmir
۱۰۔	جیکیو مونٹ وکٹر	برطانیہ		Letters From India
۱۱۔	جارج فاسٹر	انگلستان	1786	Journey
۱۲۔	ولیم مورکرافٹ	برطانیہ	1819	
۱۳۔	بیرن چارلس ہیوگل	آسٹریا۔ جرمن	1835	Travels in Kashmir and The Punjab
۱۴۔	پاربری	یورپ	1902	
۱۵۔	ڈاکٹر آرتھر نیو	یورپ	1882	Tourist guide to Kashmir
۱۶۔	مسز ہاروے	برطانیہ	1850	
۱۷۔	مسٹر پیٹر وکینو	برطانیہ	1920	Three weeks in a house Boat
۱۸۔	مسز بروز	برطانیہ	1894	Kashmir in Fammile
۱۹۔	مس فلورنس پاربری	برطانیہ	1902	Emerald set with pearls.
۲۰۔	مس ماریون ڈوہنی	برطانیہ	1902	A road to the Kashmir valley
۲۱۔	مس مارگریٹ کاٹرمورسین	برطانیہ	1904	A lovely summer in Kashmir
۲۲۔	ای ایف ناٹ	برطانیہ	1891	Where three empires meet
۲۳۔	Kemin Brigid	برطانیہ		Travels Through Kashmir
۲۴۔	G.T Wigne	برطانیہ	1835	Travels in Kashmir Laddakh and Iskardo
۲۵۔	Col.Torrens	برطانیہ		Travels in Laddakh Tertary and Kashmir
۲۶۔	G.A Forester	برطانیہ	1807	Journey from bengal to England
۲۷۔	James Donie	کیمبرج	1916	The Punjab.NWFP.Kashmir

7 - جڑی بوٹیاں

روئے زمین پر اُگنے والی خودرو جڑی بوٹیاں قدرت کا وہ انمول تحفہ ہیں جو اولادِ آدم کے لیے بیش قیمت خزانوں سے کم نہیں۔ اس عطائے قدرت پر انسان جتنا بھی شکر بجالائے کم ہے۔ خطہء کشمیر کے جنگلات اور سرسبز و شاداب پہاڑ ان قدرتی جڑی بوٹیوں کی پیداوار کے لیے نہایت موزوں اور موافق ہیں۔ کشمیر میں جڑی بوٹیوں کی ہزاروں اقسام دریافت ہو چکی ہیں۔ ماہرین نباتات کی تحقیق و تلاش کے نتیجے بھی نت نئی اقسام ابھی دریافت کے مراحل طے کر رہی ہیں۔ ارضِ مشرق میں طب و حکمت کے میدان میں استعمال ہونے والی دیسی ادویات و مرکبات کا 80% انحصار خطہ کشمیر میں پیدا ہونے والی جڑی بوٹیوں پر ہے۔ جدید سائنسی دور میں بھی ان جڑی بوٹیوں کی اہمیت میں کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ ہومیوپیتھک اور ایلوپیتھک طریقہ علاج نے ان کی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔

جی ایم میر اپنی تصنیف ''جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں'' میں رقمطراز ہیں۔ ''خطہء جموں کشمیر جڑی بوٹیوں کی پیداوار کے سلسلہ میں بہت خوش قسمت ہے۔ یہاں ہمالیہ اور دیگر کوہستانی سلسلوں، جنگلوں اور میدانوں میں قدم قدم پر بیش قیمت جڑی بوٹیوں کے خزانے بکھرے پڑے ہیں جو صدیوں سے دیسی طریقہ علاج میں کامیابی سے زیرِ استعمال رہے ہیں''۔ [1]

ادویات، مرکبات، مشروبات اور عرقیات کی تیاری میں ان جڑی بوٹیوں کا استعمال سند اور اعتبار کا درجہ رکھتا ہے۔ کشمیر میں علمِ حکمت اور فنِ طب کے ماہرین یہاں پیدا ہونے والی جڑی بوٹیوں کا گہرا مشاہدہ اور وسیع علم رکھتے تھے۔ اس علم کی ابتداء قدیم ہندوانہ عہد اور پھر بدھ عہد سے ملتی ہے۔ ان ادوار کے دو نامور ماہرین طب چرک (Charak) اور نرہری (Narhari) کا تاریخ کشمیر میں بطورِ خاص ذکر ملتا ہے۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز اپنی تصنیف ''ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم ان کشمیر'' میں لکھتے ہیں۔ ''چرک پہلی صدی عیسوی میں کنشک کے دورِ حکومت میں موجود تھا۔ اس کی جنم بھومی وادی کشمیر ہے۔ اس کی تصنیف ''چرک سہنتا'' کے آٹھ ابواب ہیں۔ اور ان میں نہ صرف تشخیص، پیش گوئی، علاج اور تشریح الاعضاء پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے بلکہ ادویات اور خوراک پر بھی بحث کی گئی ہے۔ [2]

کشمیر میں مہایان بدھ فرقے کا بانی ناگ ارجن ایک شہرت یافتہ کیمیا گر تھا۔ وہ علم طب اور علم دواسازی پر گہری دسترس رکھتا تھا۔ اُسے جڑی بوٹیوں کے استعمال کا وسیع علم تھا۔ وہ مرکبات تیار کرنے کا اتنا ماہر

---

[1] ''جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں'' صفحہ 215

[2] ''ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم ان کشمیر'' صفحہ 11

تھا کہ اس نے ایک ایسا مرکب تیار کیا جس کے استعمال سے انسان عرصہ دراز تک زندہ رہ سکتا تھا اور اس پر بڑھاپے اور ضعف کے آثار نہیں دکھائی دیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پُراسرار اکسیر اس نے خود اور ایک راجہ ستواہ راج نے استعمال کی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیائے مشرق میں عمل تقطیر، فنِ کشید جوہر، کشتہ سازی، فلزات کی آمیزیش، تبدیلی رنگ، خام زنگ سے تانبے کا حصول اور ادویات میں دھاتوں کے کشتہ جات کے استعمال کا سہرا ناگ ارجن کے سر ہے۔ اس کی مشہور تصنیف ''رس رتنا کر'' ہے جو مکالمانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ اسے کیمیائی فن کی تاثیر میں پختہ یقین تھا۔ اس کا مقولہ ہے'' جب تک کیمیا گری کا فن موجود ہے۔ کوئی دکھ اور بیماری انسان کو پریشان نہیں کر سکتی'' [1]

کشمیر میں عہد اسلامی اور دیگر ادوار میں کئی نامور ماہرین طب، حکماء اور محققین کا ذکر ملتا ہے۔ جنہوں نے جڑی بوٹیوں کے استعمال اور اثرات کے حوالے سے گراں قدر اثاثہ چھوڑا۔

عبدالرحیم افغانی کشمیر کی قیمتی جڑی بوٹیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''جموں کے میدانوں، چناب، راوی، جہلم اور نیلم (کشن گنگا) کے کناروں، شمالی سلسلہ ہائے کوہ کی ترائیوں اور گھاٹیوں سے لے کر بلند و بالا برف پوش چوٹیوں کے دامن تک مختلف اقسام کی جڑی بوٹیاں اگتی ہیں جو دواسازی کے لیے ملک سے باہر تک برآمد کی جاتی ہیں۔ اساڑھ کے نصف تک پہاڑوں سے برف پگھل جاتی ہے اور ساتھ ہی بوٹیاں اُگنی شروع ہو جاتی ہیں جو ساون کے آخر تک تیار ہو جاتی ہیں۔ انہی دنوں میں محکمہ جنگلات کے پیداوار خفیفہ کا عملہ سرگرم ہو جاتا ہے۔ کہیں ٹھیکہ پر نکاسی کی جاتی ہے اور کہیں محکموں کا اپنا کام جاری رہتا ہے۔ آریوویدک اور طب یونانی میں جڑی بوٹیوں کی جڑیں، پھول، پتے اور پھل مستعمل ہوتے ہیں۔ بنفشہ کے پھول مارچ اور اپریل میں چنے جاتے ہیں جنہیں بیوپاری خشک کر کے فروخت کرتے ہیں۔ بنفشہ کا خمیرہ اور شربت بھی تیار کیا جاتا ہے جو امراضِ سینہ اور مجاری بول کے لیے مفید دوا ہے۔ موہری (بیش) کے پھول کا مربہ بھی تیار کیا جاتا ہے۔ عرق النساء اور وجع المفاصل دور کرنے کے لیے کھایا جاتا ہے۔ زہریلا ہونے کی وجہ سے خوراک کی مقدار ماش بھر مقرر ہے۔ نیلوفر کا پھول بھی جھیلوں میں اگتا ہے جو عرق، شربت اور جوشاندہ کی شکل میں دیگر مفردات کے ساتھ کئی امراض کے دفعیہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ پانپور کے زعفران کی دنیا کے ہر حصے میں مانگ ہے۔ خاص کر برما اور چین میں جہاں امیر لوگ اور معزز بدھ راہب اس سے کپڑے رنگتے ہیں۔ بالی اور انڈونیشیا کے مندروں میں زعفران سے مورتیاں بھی رنگی جاتی ہیں اور تلک کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ طبی طور پر یہ مقوی باہ اور مقوی قلب مانا گیا ہے۔ اکثر معجونوں اور جوارشوں میں شامل کیا جاتا ہے۔

---

[1] تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر صفحہ 56

عرقیات اور مشروبات میں بھی ملایا جاتا ہے۔ کھانوں کو لذیذ اور رنگین بنانے کے لیے بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ یہ نہایت قیمتی جنس ہے"۔ [1]

ماہرین نباتات نے کشمیر کے جنگلات اور پہاڑوں پر پائے جانے والے ادویاتی پودا جات کی ہزاروں اقسام کا ذکر کیا ہے۔ رنجیت سنگھ کے درباری طبیب ڈاکٹر Honig Berger نے اپنی تصنیف "Thirty five years in the East" میں ایسے پوداجات کی لمبی فہرست پیش کی ہے۔

کشمیر کے نامور محقق جی ایم میر نے اپنی تصنیف ''جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں'' میں 122 جڑی بوٹیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے اثرات وفوائد بھی بیان کیے ہیں۔ چند مشہور ومعروف جڑی بوٹیوں کی فہرست پیش ہے۔

ابہل، اجمود، اجوائن، آک، اڑوسہ، افستین، املتاس، اندر جو، ایرسہ، بھگواڑ، السی ارنڈ، اسطوخودس، انگجر ی، بالچھڑ، بابڑنگ، بھنگ، بہیدانہ، بانچی، بیروزہ، بچھناک، داریکند، برگ تبت، برنجاسف، برو، بنفشہ، بادیان، بھوج پتر، جھیزو، برہمی بوٹی، بید مشک، بیر بادرنجبویہ، پاڈھل، پاپڑھ، پتھر چٹ، پپیتا، پرسیاؤشان، پودینہ، پھکرمول، تالیس پتر، تارپین، تیتی بوٹی، تلسی، تگر، جمال گوٹہ، جدوار، جدوار، جاؤتری، جھاؤ، چرچٹہ، چلغوزہ، چمپا، چوہا کسی، چھڑیلہ، چندن، چوب چینی، حسن یوسف، خطمی، جنازی، خشخاش، دار بلد، دھتورہ، دھنیا، ڈھاک، ریٹھا، ریاس، رتن جوت، ریوند خطائی، زخم حیات، زیرہ سیاہ، زرشک، زعفران، سنگھاڑا، پستان، سوہانجنا، سومالتا، سنکھاہولی، سرخس، سرس، سروالی، سن، مامیخ، سورج مکھی، فالسہ، فندق، کاسنی، کاہو، کبابہ خندان، کنائی خورد، کچور، کاکڑہ سینگی، کسوندی، کول، کٹھ، گاؤزبان، کھمبی، لٹو کری، املوک، بن تل، بن داکھ، بن کھوڑ، بھکانہ، پھلواڑی، بھرتھ، بسنت پھول، پیازی، تھوہر، تمر، جامن، چورا، رتی بوٹی، سونچل، ریں، سملو، کاگ پائی، کٹوری شاخ، کوار غندل، کنجی، کاچ ماچ، گنار، گچھ، گنڈور، گرنڈا، متھرونیلودھاری، حاڑی، بلاڈونا، مشک بالا، پوشکر، ریوند، منھاتیلہ، بچھوبوٹی، جووار، سورنجاں شیریں، سورنجاں تلخ، موہری، کاکڑاسینگی وغیرہ

ریاست جموں کشمیر میں پائی جانے والی بکثرت جڑی بوٹیاں اس خطے کو قدرت کی طرف سے عطا کردہ خزانوں میں سے ایک عظیم خزانہ ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں کی حفاظت، پیداوار، نکاسی، اور برآمد محکمہ جنگلات کے فرائض میں شامل ہے۔ اس ضمن میں محکمہ جنگلات کا کردار بھارتی مقبوضہ کشمیر اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں انتہائی مایوس کن ہے۔ پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں تو محکمہ جنگلات کے افسران بالا اور اہل کاران ان جڑی بوٹیوں کی چوری اور سمگلنگ میں خود ملوث ہیں۔ کٹھ جو یہاں کے جنگلات میں پائی جانے والی ایک بیش قیمت جڑی بوٹی ہے اس کی سمگلنگ کے واقعات آئے روز اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں ''کٹھ سکنڈلز'' سے محکمہ جنگلات

[1] ادبی دنیا کشمیر نمبر صفحہ 68,67

کی قاشیں بھری ہوئی ہیں۔ یاد رہے کہ کٹھ (cortus root) ایک ایسی جڑی بوٹی ہے جس کی موٹی موٹی جڑیں ہوتی ہیں۔ یہ جڑیں احتیاط سے زمین سے نکالی جاتی ہیں۔ یہ جسمانی کمزوری دور کرنے میں تیر بہدف ہے۔ طب یونانی میں یہ کئی ادویات میں مستعمل ہے۔ یہ فالج، لقوہ، ریشہ اور جوڑوں کے درد جیسی بیماریوں کے لیے استعمال میں لائی جاتی ہے۔ یہ صنعتی مقاصد کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔ خام ربڑ کی بدبو ختم کرنے کے لیے کارخانوں میں اس کا سفوف استعمال کیا جاتا ہے۔ ربڑ کی مصنوعات تیار کرنے والے ممالک میں اس کی بہت مانگ ہے۔

ڈوگرہ عہد حکومت میں جب محکمہ جنگلات کا قیام عمل میں آیا تو کٹھ کے لیے ایک ذیلی شعبہ الگ سے قائم کیا گیا تھا۔ کٹھ کی حفاظت کے لیے ''کٹھ گارڈ'' بھرتی کیے جاتے تھے۔ سمگلنگ اور چوری کے سبب کٹھ کی پیداوار اب بہت کم ہو گئی ہے۔

ریاست جموں کشمیر میں پائے جانے والے درج بالا ادویاتی پوداجات کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ جنگلات کا وجود اور ان پوداجات کا وجود لازم وملزوم ہے۔ جس برق رفتاری کے ساتھ جنگلات ختم کیے جا رہے ہیں اسی تناسب سے یہ قیمتی پودے بھی ختم ہو رہے ہیں۔ حالانکہ یہاں دواسازی کی صنعتیں لگا کر اربوں ڈالرز زر مبادلہ کمایا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوناک حقیقت یہ ہے کہ پوری ریاست جموں کشمیر میں اس نوعیت کا کوئی کارخانہ نہیں لگایا گیا۔ حال ہی میں محکمہ جنگلات آزاد کشمیر کے شعبہ پی آر پی کے ایک آفیسر راجہ خضر حیات صاحب نے اخبارات کو جاری کیے گئے ایک بیان میں حکومت آزاد کشمیر کی توجہ اس طرف مبذول کروائی ہے۔

''آزاد کشمیر کی قیمتی و نایاب جڑی بوٹیوں سے سالانہ اربوں کی آمدن متوقع، حکومت آزاد کشمیر ملٹی نیشنل کمپنیوں سے معاہدہ کے لیے جلد ابتدائی بات چیت شروع کرے گی۔ محکمہ جنگلات کے شعبہ پی آر پی کے پراجیکٹ ڈائریکٹر راجہ خضر حیات نے بھارت میں 20 روزہ تربیتی ورکشاپ کے بعد مظفر آباد پہنچ کر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ بھارت کے علاقہ ڈیرہ دون کے فارسٹری ریسرچ تعلیمی ادارہ میں اس ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ بھارت جڑی بوٹیوں سے سالانہ 7 ارب سے زائد آمدن حاصل کرتا ہے۔ آزاد کشمیر میں میرپور، نیلم، جہلم میں ایسی نایاب جڑی بوٹیاں موجود ہیں جن کے لیے حتمی منصوبہ حکومت کو بھیجا جا رہا ہے اور حکومت ملٹی نیشنل کمپنیوں سے معاہدہ کرے گی۔ ان جڑی بوٹیوں سے ہونے والی سالانہ آمدن جنگلات کی آمدن سے زیادہ ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ یہ جڑی بوٹیاں ضائع ہو رہی ہیں یا سمگل کی جا رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کے لیے قانون سازی کی بھی ضرورت ہے کہ ان جڑی بوٹیوں کی نکاسی صرف محکمانہ طور پر ہی ہو، اس سے نہ صرف آمدن میں اضافہ بلکہ لوگوں کو روزگار بھی ملے گا''۔[1]

*

[1] روزنامہ جنگ راولپنڈی 6 اگست 2008

باب سوئم

جموں کشمیر

تاریخی مطالعہ

''کشمیری قوم کی تاریخ عظیم انسانوں کے تذکروں سے بھری پڑی ہے۔
کشمیر کی نئی نسل کو چاہیے کہ اپنی قومی تاریخ کا مطالعہ کرے''

مصنف

کشمیر۔۔ مختصر تاریخی جائزہ

قدیم ہندوانہ دور:۔ کشمیر کی مستند تاریخ راج ترنگنی 6 ہزار سال قبل کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیر میں ہندوؤں نے چار ہزار سال تک حکومت کی۔ 21 غیر مسلم خاندان یہاں برسر اقتدار رہے۔ راج ترنگنی کے مطابق گونند اول (3121 ق م) پہلا حکمران تھا جس نے کشمیر میں حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس سے پہلے کے 52 حکمرانوں کے حالات تاریخ میں نہیں ملتے۔

کشمیر میں بدھ حکمران اشوک کا دور حکومت 272 تا 231 ق م ہے۔ اس بدھ حکمران کے دور میں کشمیر کی سلطنت کا ڈنکا ہندوستان، برما، کابل، قندھار، ترکستان اور چین تک بجنے لگا۔ اشوک کے جانشینوں میں زندر اور کنشک مشہور بادشاہ گزرے ہیں۔ ان کے دور حکومت میں کشمیر علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کے میدان میں نمایاں ہوا۔ بدھ غیر ملکی حکمران تھے اس لیے یہاں کے برہمن لوگ مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ بدھ کشمیر میں نو سال تک حکومت کرتے رہے۔

بدھ مت کے ان نامور حکمرانوں کے بعد ہن قوم کا ایک ظالم و جابر حکمران سردار مہر گل کشمیر کے تخت پر بیٹھا (528ء) اور نہایت جرات سے حکومت کی۔ اس سردار کے عہد میں منگول کشمیر پر حملہ آور ہوئے جنہیں منہ کی کھانا پڑی۔ اس درندہ صفت حکمران کے بعد 580ء میں راجہ پرورسین تخت کشمیر پر براجمان ہوا اس راجہ نے سری نگر کو پرور پور کے نام سے آباد کیا۔ اس کے بعد بدستور ہندو حکمران حکومت کرتے رہے جن میں راجہ للتا دتیہ مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ وہ 695ء سے 732ء تک برسر اقتدار رہا۔ یہ ایک عظیم فاتح تھا جس نے پنجاب، کابل، قندھار تبت اور ترکستان کو فتح کر کے ملکی حدود کو وسعت دی اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ للتا دتیہ کے بعد اونتی ورمن قابل ذکر حکمران گزرا ہے جس کا دور فلاح و بہبود اور انصاف پسندی کے لیے مشہور ہے۔ اس کے بعد کشمیر میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور ساڑھے چار سو سال تک کوئی حکمران ملک میں امن قائم نہ کر سکا۔ آخر کار یہ دور راجہ سہدیو (1300ء تا 1319ء) پر ختم ہوا جب ایک تاتاری حکمران زوالچو نے کشمیر پر حملہ کیا۔ راجہ اس حملے کی تاب نہ لا سکا اور فرار ہو گیا۔ زوالچو تباہی مچا کر واپس گیا و سہدیو کے ایک وزیر شہزادہ رنچن نے حکومت سنبھال لی۔ رنچن ایک مسلمان صوفی بزرگ شرف الدین بلبل شاہؒ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوا اور سلطان صدر الدین کے نام سے حکومت کرنے لگا (1320ء تا 1323ء)۔ یہ کشمیر میں پہلا مسلمان بادشاہ تھا۔

مسلم سلاطین کا دورِ حکومت (1338 تا 1586ء)

شاہ میری خاندان: 1323ء میں صدر الدین کی وفات کے بعد راجہ سہدیو کا بھائی اودیان دیو حکومت پر قابض ہوگیا۔ وہ 15 برس (1323ء تا 1338ء) حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا تو اس کے ایک مسلمان وزیر شاہ میر نے جو ہزارہ سوات کا رہنے والا تھا حکومت پر قبضہ کر لیا۔ شاہ میر نے سلطان شمس الدین کا لقب اختیار کیا۔ وہ کشمیر کا پہلا باقاعدہ مسلمان حکمران تھا جس نے کشمیر میں شاہ میری خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ شمس الدین نے کشمیری کیلنڈر رائج کیا جو رنچن کے قبول اسلام 1320ء سے شروع ہوتا تھا۔ تین سال حکومت کرنے کے بعد وہ اندرکوٹ میں وفات پا گیا۔

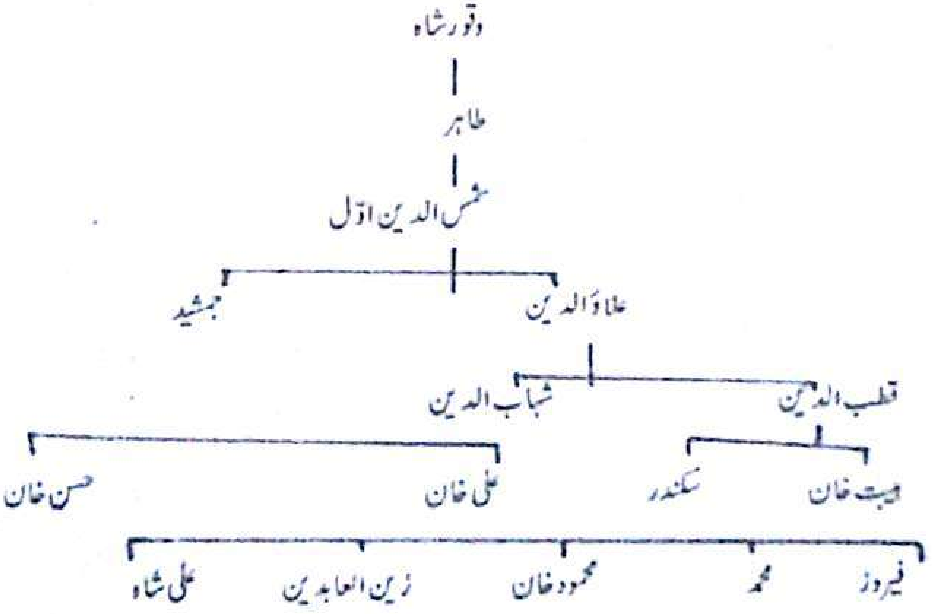
شاہ میری خاندان کے حسب ذیل حکمرانوں نے 216 برس تک کشمیر میں حکومت کی۔

۱۔	سلطان شمس الدین	1338ء	تا	1342ء
۲۔	سلطان جمشید	1342ء	تا	1343ء
۳۔	سلطان علاؤ الدین	1343ء	تا	1354ء
۴۔	سلطان شہاب الدین	1354ء	تا	1373ء
۵۔	سلطان قطب الدین	1373ء	تا	1389ء
۶۔	سلطان سکندر بت شکن	1389ء	تا	1413ء
۷۔	سلطان علی شاہ	1413ء	تا	1420ء
۸۔	سلطان زین العابدین بڈشاہ	1420ء	تا	1470ء
۹۔	سلطان حیدر شاہ	1470ء	تا	1472ء
۱۰۔	سلطان حسن شاہ	1472ء	تا	1484ء
۱۱۔	سلطان محمد شاہ (بار اول)	1484ء	تا	1486ء
۱۲۔	سلطان فتح شاہ (بار اول)	1486ء	تا	1493ء
۱۳۔	سلطان محمد شاہ (بار دوئم)	1493ء	تا	1505ء
۱۴۔	سلطان فتح شاہ (بار دوئم)	1505ء	تا	1514ء
۱۵۔	سلطان محمد شاہ (بار سوئم)	1514ء	تا	1515ء، 5ماہ
۱۶۔	سلطان فتح شاہ (بار سوئم	1515ء	تا	1517ء

۱۷۔	سلطان محمد شاہ (بار چہارم)	1517ء	تا	1528ء
۱۸۔	سلطان ابراہیم شاہ	1528ء	تا	1529ء
۱۹۔	سلطان محمد شاہ (بار پنجم)	1530ء	تا	1537ء
۲۰۔	سلطان شمس الدین	1537ء	تا	1540ء
۲۱۔	سلطان اسماعیل شاہ	1540ء	تا	1540ء
۲۲۔	سلطان ابراہیم شاہ ثانی	1540ء	تا	4 ماہ
۲۳۔	سلطان نازک شاہ	1540ء	تا	1551ء
۲۴۔	سلطان اسماعیل شاہ ثانی	1551ء	تا	1553ء
۲۵۔	سلطان حبیب شاہ	1553ء	تا	1555ء

یہ سلاطین آزاد اور خود مختار سلاطین تھے۔ اس عہد میں کشمیر علم و ادب، تہذیب و ثقافت کے میدان میں بام عروج کو پہنچ گیا۔ کشمیر کی سرحدیں دور دور تک پھیل گئیں۔ اس خاندان کے ایک سپوت شہاب الدین نے تبت، کاشغر، ترکستان، سمرقند، بخارا، قندھار، کابل، پنجاب، سندھ، بلوچستان اور راجپوتانے تک ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی جس سے کشمیر دنیا کی عظیم مملکتوں میں شمار ہونے لگا۔ اس خاندان کے ایک اور بادشاہ بڈشاہ نے اپنے 50 سالہ عہد میں کشمیر کو تعمیر و ترقی اور علم و ادب کا گہوارہ بنا دیا۔ کشمیر دنیا کی عظیم درسگاہ سمجھا جاتا تھا۔ شاہ میری عہد میں سید علی ہمدانیؒ ان کے رفقاء اور دیگر بزرگان دین کی کاوشوں سے اسلام کی روشنی کشمیر کے کونے کونے تک پھیل گئی۔ سلطان حبیب شاہ، شاہ میریوں کا آخری حکمران تھا۔

شجرہ نسب شاہ میری خاندان



چک خاندان:۔ کشمیر میں چک خاندان کا مورث اعلیٰ لنگر چک تھا جو دردستان سے آکر راجہ سہدیو کے دربار میں ملازم ہو گیا تھا۔ اس کی اولاد شاہ میریوں کے دربار میں اہم عہدوں پر فائز رہی لیکن جب شاہ میری زوال کا شکار ہوئے تو اس خاندان کے ایک چالاک وزیر غازی چک نے بھرے دربار میں شاہ میری سلطان حبیب شاہ کے سر سے شاہی تاج اتار کر اپنے سر پر پہن لیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ یہ 1555ء کا واقعہ ہے۔

چک خاندان کے حسب ذیل سات حکمران 31 برس (1555ء تا 1586ء) تک برسر اقتدار رہے۔

۱۔	سلطان غازی خان چک	1555ء	تا	1563ء
۲۔	سلطان حسین خان چک	1563ء	تا	1570ء
۳۔	سلطان علی شاہ چک	1570ء	تا	1579ء
۴۔	سلطان یوسف شاہ چک	1579ء	تا	1580ء
۵۔	سلطان سید مبارک بیہقی	1580ء	تا	6ماہ
۶۔	سلطان لوہر شاہ چک	1580ء	تا	1581ء
۷۔	سلطان یوسف شاہ چک (بار دوئم)	1581ء	تا	1585ء
۸۔	سلطان یعقوب شاہ چک	1585ء	تا	1586ء

چک شیعہ مذہب کے پیروکار تھے۔ ان کی شیعہ نوازی کے سبب کشمیر کے صحیح العقیدہ سنی علماء کو سخت تشویش ہوئی چنانچہ کشمیری علماء کا ایک وفد (جس میں شیخ حمزہ مخدوم" اور شیخ یعقوب صرفی" جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل تھیں) مغل شہنشاہ اکبر اعظم کے پاس پہنچا اور کشمیر کو مغل سلطنت میں شامل کرنے کی درخواست کی۔ ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت طے پایا کہ

۱۔ حکمران عوام کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔

۲۔ کشمیریوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا نہ ہی ان سے بیگار لی جائے گی۔

۳۔ کشمیریوں کو داخلی خودمختاری حاصل رہے گی۔

1586ء میں راجہ بھگوان داس کی سربراہی میں مغل فوج کشمیر میں داخل ہوئی۔ اس وقت یعقوب شاہ چک برسر اقتدار تھا جسے شکست اٹھانا پڑی۔ کشمیر کی خودمختاری کا یہ آخری عہد تھا۔

مغلیہ دور حکومت (1586تا 1752ء)

اکبر کی حملہ آور افواج پہلے دو حملوں میں ناکام ہو کر واپس لوٹ گئیں بالآخر اکبر نے ہندوستان کے شخصی راجاؤں سے فوجی امداد طلب کی اور ایک لشکر جرار 28 جون 1586ء کو لاہور سے براستہ بھمبر مرزا

قاسم بیگ کی سربراہی میں کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ کشمیری افواج نہایت بہادری اور بے جگری سے لڑیں لیکن وہ زیادہ دیر تک اتنی بڑی فوج کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ یعقوب شاہ چک فرار ہو گیا۔ مرزا قاسم بیگ فاتحانہ انداز سے سرینگر میں داخل ہوا۔ کشمیر کی آزاد حیثیت ختم کر دی گئی اور اسے مغل سلطنت میں صوبے کی بجائے سرکار کا درجہ دیا گیا۔ کشمیر سرکار صوبہ کابل میں شامل کر دی گئی۔

مغل کشمیر کے قدرتی حسن اور خوبصورتی کے دلدادہ تھے۔ انہوں نے کشمیر میں کئی خوبصورت عمارتیں اور باغات لگوائے۔ قلعہ ہری پربت، نسیم باغ، شالامار باغ، نشاط باغ، چشمہ شاہی، چشمہ ویری ناگ، پتھر مسجد، پری محل اور بھمبر کی تاریخی عمارتیں مغلیہ حسن ذوق کی آئینہ دار ہیں۔ مغلوں نے کشمیر میں علم و ادب اور فنون لطیفہ کو فروغ دیا، سیاحوں، عالموں، تاجروں اور شعراء کی آمد و رفت کی وجہ سے کشمیر علم و ادب کا گہوارہ بن گیا۔ مغلیہ عہد میں فارسی ادب کو فروغ ملا شعر و ادب میں نامور ہستیاں سامنے آئیں۔ اورنگزیب کی وفات کے بعد مغل سلطنت کے انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میر مقیم نامی ایک سردار نے کابل پہنچ کر احمد شاہ ابدالی کو کشمیر پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی چنانچہ احمد شاہ ابدالی کے سپہ سالار عبداللہ ایشک اقاصی نے 1752ء میں کشمیر فتح کر کے اسے کابل کی سلطنت میں شامل کر لیا۔ یوں 166 برس (1586ء تا 1752ء) بعد کشمیر سے مغلوں کا قبضہ ختم ہو گیا اور یہ افغانوں کے زیر تسلط چلا گیا۔

افغان دورِ حکومت (1752ء تا 1819ء)

1752ء میں افغان سپہ سالار عبداللہ ایشک اقاصی نے کشمیر فتح کیا۔ افغان 66 سال تک یہاں مسلط رہے۔ اس عرصے میں 28 گورنر برسر اقتدار رہے جو نہایت سنگدل اور بدمزاج تھے۔ وہ ظالم اور حریص بھی تھے۔ انہوں نے بلا تفریق مذہب و ملت کشمیریوں کو بڑی بے دردی سے لوٹا۔ طرح طرح کے ناجائز ٹیکس لگا کر قحط اور معاشی بدحالی پھیلا دی جس کے نتیجے میں لاکھوں لوگ وطن چھوڑ کر پنجاب کی طرف ہجرت کر گئے۔ افغانوں کے نزدیک پھول توڑنا یا انسان کا سر قلم کرنا برابر تھا۔ افغانوں نے کشمیر میں لوٹ مار کے سوا کوئی کام نہ کیا۔ چراغ بیگ نامی ایک افغان گورنر کی سفا کی ضرب المثل بن گئی ہے۔ کشمیر کے لوک ادب میں افغانوں کی بربریت کی کئی کہانیاں مشہور ہیں۔ افغان آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے جس سے ان کی کشمیر پر گرفت کمزور ہو گئی۔ چنانچہ ایک کشمیری پنڈت بیربل کی تحریک پر مہاراجہ رنجیت سنگھ والئی لاہور نے سپہ سالار دیوان چند کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا جس نے افغان گورنر جبار خاں کو شکست دے کر 1819ء میں کشمیر کو سکھ سلطنت کا حصہ بنا لیا۔ یوں افغانوں کے تسلط کے بعد کشمیر سکھوں کی غلامی میں چلا گیا۔

پرسیدم از خرابی گلشن ز باغباں
فغاں کشید و گفت کہ افغاں خراب کرد

افغانوں کے عہد میں صرف راجہ سکھ جیون مل کا 8 سالہ عہد حکومت (1754 تا 1762) ہی مثالی عہد تھا۔ سکھ جیون مل علم دوست اور رعایا پرور حکمران تھا۔ اس نے کابل کی مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کر کے کشمیر کی خودمختاری کا اعلان کر دیا لیکن احمد شاہ ابدالی نے یہ بغاوت کامیاب نہ ہونے دی اور سکھ جیون مل کو گرفتار کر کے اس کی آنکھیں نکلوا دیں۔

سکھ دورِ حکومت (1819 تا 1846ء)

افغانوں کے ظلم وستم سے ستائے ہوئے اہل کشمیر نے پنڈت بیربل کو کسی نجات دہندہ کی تلاش میں والی پنجاب رنجیت سنگھ کے پاس بھیجا ۔ بیربل کی تحریک پر رنجیت سنگھ کشمیر پر حملہ آور ہونے پر آمادہ ہوگیا۔ رنجیت سنگھ پہلے دو حملوں میں کشمیر پر قبضہ نہ کر سکا۔ 1819ء میں اسے تیسرے حملے میں کامیابی ہوئی۔ سکھ 27 برس (1819ء۔1846ء) تک کشمیر پر قابض رہے اس عرصے میں 10 صوبیدار یہاں تعینات رہے جن میں سے آخری دو شیخ غلام محی الدین اور شیخ امام دین مسلمان تھے تفصیل بذیل ہے۔

۱۔	دیوان مصر چند	30 جون 1819ء	تا	اکتوبر 1819ء
۲۔	دیوان موتی رام	1819ء	تا	1820ء
۳۔	ہری سنگھ نلوہ	1820ء	تا	1821ء
۴۔	دیوان موتی رام (باردوئم)	1821ء	تا	1825ء
۵۔	دیوان چونی لال	1825ء	تا	1827ء
۶۔	دیوان کرپارام	1827ء	تا	1831ء
۷۔	بہمان سنگھ اردلی	1831ء	تا	1832ء
۸۔	راجہ شیر سنگھ	1832ء	تا	1834ء
۹۔	کرنل مہمان سنگھ کمیدان	1834ء	تا	1841ء
۱۰۔	شیخ غلام محی الدین	1841ء	تا	1846ء
۱۱۔	شیخ امام الدین	1846ء	تا	9 نومبر 1846ء

سکھوں کے عہد میں کشمیریوں کی زندگی عذاب بن گئی، ان کی مذہبی آزادی سلب کی گئی۔

تعلیم وتربیت نام کی کوئی سہولت موجود نہ تھی، طرح طرح کے ناجائز ٹیکس عائد کیے گئے، تعلیم وتربیت اور علم وادب کے مراکز پہلے ہی اجڑ چکے تھے۔ رنجیت سنگھ نے 300 جاگیرداروں میں سارے کشمیر کو بانٹ دیا۔ جاگیرداروں نے وہ لوٹ مار مچائی کہ لاکھوں لوگ مادروطن کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب چلے گئے۔ 1846ء میں جب انگریزوں نے سکھ سلطنت کا خاتمہ کیا تو کشمیر انگریزوں کی عمل داری میں چلا گیا۔ انگریزوں نے 16 مارچ 1846ء کو معاہدہ امرتسر کے تحت خطہ جموں کشمیر کا اقتدار اعلیٰ مہاراجہ گلاب سنگھ کے حوالے کر دیا۔

ڈوگرہ دورِ حکومت (1846 تا 1947)

1846ء میں سکھ سلطنت کے زوال کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے تمام سکھ سلطنت پر تسلط جمالیا۔ کشمیر کا بدنصیب خطہ بھی سکھ سلطنت میں شامل تھا۔ 16 مارچ 1846ء کو معاہدہ امرتسر کی رو سے جب گلاب سنگھ نے کشمیر کا اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے کی کوشش کی تو گورنر کشمیر شیخ امام دین نے زبردست مزاحمت کی۔ اسے مذکورہ معاہدے سے بے خبر رکھا گیا تھا چنانچہ اس نے کشمیر اور اس سے ملحقہ پہاڑی راجواڑوں کے حکمرانوں کو ساتھ ملا لیا اور مقابلے پر اتر آیا۔ ڈوگرہ افواج کا کمانڈر جنرل لکھپت مارا گیا اور ڈوگرہ فوجیں پسپا ہو کر واپس آ گئیں۔ چنانچہ گلاب سنگھ نے انگریزوں سے مدد طلب کی۔ ہنری لارنس کی قیادت میں انگریز اور ڈوگرہ فوج نے مل کر کشمیر پر حملہ کیا چنانچہ 9 نومبر 1846ء کو صبح 8 بجے ڈوگرہ فوج نے سرینگر میں داخل ہو کر کشمیر کو اپنے کنٹرول میں لے لیا۔

ڈوگرے 1846ء سے 1947ء تک کشمیر میں برسراقتدار رہے۔ اس عرصے میں یکے بعد دیگرے گلاب سنگھ، رنبیر سنگھ، پرتاب سنگھ اور ہری سنگھ تخت نشین رہے، انتظامی اعتبار سے 101 سالہ ڈوگرہ عہد مضبوط، منظم اور منصفانہ عہد حکومت تھا۔ اس عہد میں شمال کی سمت کشمیر کی سرحدیں روس اور چین تک پھیل گئیں۔ گلاب سنگھ ایک سخت گیر حاکم تھا اس کے عہد میں لداخ اور گلگت بلتستان کے علاقے ڈوگرہ عملداری میں لائے گئے۔ مسلمانوں کو حکومتی انتظام وانصرام سے دور رکھا گیا ڈوگرہ عہد میں 28 وزراء اعظم گزرے جن میں سے ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔ ریاست کی 85 فیصد آبادی مسلمان تھی لیکن ریاستی فوج کی 13 بٹالینوں میں صرف ڈیڑھ بٹالین مسلمانوں کی تھی۔ ریاست کے تمام چھوٹے بڑے عہدوں پر ڈوگرہ راجپوت اور کشمیری پنڈت قابض تھے۔ مسلمانوں سے قلیوں اور مزدوروں کا کام لیا جاتا۔ مسلمان کاشت کار ہندو جاگیرداروں کے لیے دن رات محنت کرتے، کھیتوں میں فصل اگاتے جب یہ فصل تیار ہو جاتی تو اس کا بیشتر حصہ جاگیردار اور مالیہ دار لے جاتے۔ کسان کے لیے مٹھی بھر اناج چھوڑ جاتے۔ مسلمانوں کو ہر چیز

پر ٹیکس دینا پڑتا۔ مسلمان اگر مکان میں کھڑکی لگاتا تو اسے کھڑکی ٹیکس دینا پڑتا۔ ایک سے زائد چولہا بناتا تو چولہا ٹیکس دینا پڑتا۔ مال مویشی پر، بیوی پر، دستکاروں اور ہنرمندوں پر ٹیکس عائد تھے جس سے ان کی معاشی حالت ناگفتہ بہہ تھی۔

ڈوگرہ عہد میں تعلیم اور صحت کی سہولتوں پر توجہ دی گئی اور ریاست میں سکول اور کالج کھولے گئے۔ بے گار یا جبری مشقت کا کالا قانون نافذ تھا، سرکاری اہل کار کسی بھی شخص کو پکڑ کر اس کی پیٹھ پر بوجھ لادتے اور جہاں چاہتے لے جاتے۔ روزگار کی سہولتیں مفقود تھیں۔ ملازمتوں میں مسلمانوں سے امتیازی سلوک برتا جاتا۔ گائے ذبح کرنے پر مسلمانوں کو عمر قید کی سزا دی جاتی۔ ساہوکارہ نظام نے مسلمانوں کی زندگی موت سے مشابہ بنادی تھی۔ شہری آزادیوں اور مذہبی حقوق کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

گلاب سنگھ:۔ کشمیر میں ڈوگرہ سلطنت کا بانی سردار گلاب سنگھ تھا۔ وہ جموں کے قریب ایک گاؤں سمیل پور میں 1788 کو پیدا ہوا۔ اس کا باپ کشور سنگھ فوج میں معمولی سپاہی تھا۔ گلاب سنگھ نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کی، وہ کھیل کود، سیر و شکار اور گھوڑ سواری کا شوقین تھا۔ اس نے ملازمت کا آغاز منگلا کے قلعہ دار کے پاس تین روپے ماہوار سے کیا۔ بعد میں وہ بھمبر کے والی راجہ سلطان خان کے پاس بطور داروغہ اصطبل بھرتی ہوا۔ اسے یہ نوکری پسند نہ آئی۔ بعد میں اس نے والی کابل شاہ شجاع کی فوج میں بھرتی ہونے کی کوشش کی لیکن اٹک دریا میں طغیانی کے سبب واپس آ گیا۔ بالآخر وہ 1811 میں والی پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں جا پہنچا اور ساٹھ روپے ماہوار پر بطور ''حاضر باش'' ملازمت اختیار کر لی۔ وہ رنجیت سنگھ کے خیمے کے باہر پہرہ دیتا اور سفر کے دوران مہاراجہ کے آگے آگے گھوڑا دوڑاتا۔ اس نے اپنے دونوں بھائیوں دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کو بھی شاہی دربار سے منسلک کروالیا۔ رنجیت سنگھ گلاب سنگھ کے ان دونوں بھائیوں کی خوبصورتی سے بہت متاثر تھا۔ قلیل مدت میں تینوں بھائیوں نے لاہور دربار میں قدم جما لیے۔ رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کی سربراہی میں کئی مہمیں روانہ کیں جن میں گلاب سنگھ نے بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے اور کامیابیاں حاصل کیں۔ اسی بنا پر گلاب سنگھ کو جموں کا علاقہ بطور جاگیر 1822ء میں عطا کیا گیا۔ اس کے چھوٹے بھائی سوچیت سنگھ کو رام نگر اور سانبہ کی جاگیر عطا کی گئی اور دھیان سنگھ کو پونچھ اور چھال کی جاگیر ملی۔ گلاب سنگھ کے کمانڈر عساکر زورآور سنگھ نے لداخ اور بلتستان پر قبضہ کر کے سلطنت کو وسعت دی۔ خود گلاب سنگھ نے راجوری، کشتواڑ اور ریاسی پر قبضہ کرلیا۔ پونچھ کے سدھن قبیلے نے 1832 میں سکھوں کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی تو رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کو یہ بغاوت کچلنے کے لیے روانہ کیا۔ اس نے باغی سدھن سرداروں ملی خان اور سبز علی خان کو درختوں کے ساتھ لٹکا کر پھانسی دی۔ وہ اس بغاوت کو کچلنے میں کامیاب ہو گیا۔

جون 1839ء میں رنجیت سنگھ کو موت نے آلیا۔ گلاب سنگھ جموں میں جم کر حکومت کرنے لگا۔ وہ سکھ سلطنت سے وابستہ رہ کر الگ سلطنت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ 1846ء میں سکھ سلطنت کا چراغ گل ہو گیا۔ سکھوں اور انگریزوں کی لڑائیوں میں گلاب سنگھ در پردہ انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔ انگریزوں نے اس کی خدمات کے عوض ریاست جموں کشمیر کا علاقہ 16 مارچ 1846ء کو ایک حقیر رقم کے عوض دے دیا۔ گلاب سنگھ کے پاس اتنی رقم نہ تھی اس نے سیالکوٹ کے دو مسلمان تاجروں سے کچھ رقم ادھار لی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو بقیہ رقم 4 برسوں میں قسط وار ادا کی گئی۔

گلاب سنگھ بڑا دور اندیش، چالاک، زیرک اور بہادر شخص تھا۔ وہ ایک معمولی آدمی تھا لیکن حصول اقتدار کی خاطر وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سرگرداں رہا۔ اس نے کشمیر پر بڑی کامیابی سے حکومت کی۔ بالآخر 4 اگست 1857 کو 65 برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس کی پانچ رانیاں تھیں جو خاوند کے ساتھ ستی ہونا چاہتی تھیں لیکن ایک انگریز کرنل نے انہیں موت کے منہ سے بچا لیا۔

گلاب سنگھ کا وصیت نامہ:۔ مہاراجہ گلاب سنگھ زندگی کے آخری ایام میں ایک مہلک مرض تپ محرقہ میں مبتلا ہو گیا۔ جب اسے زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو اس نے اپنے بیٹے رنبیر سنگھ 4 اگست 1857ء کو گدی پر بٹھایا اور اس کے لیے ایک وصیت نامہ لکھا۔

''میں وصیت کرتا ہوں کہ جو کوئی بھی میری نسل سے مذکورہ علاقے کا حکمران ہو۔ اگر وہ اپنا مذہب ترک کر دے یا خاندانی رسم و رواج توڑ کر مستورات کو بے پردہ کرے اور رعایا پر ظلم و تعدی اور بے انصافی کرے تو وہ حکمرانی کا مستحق نہ رہے گا۔ اس کے حکمرانی اور وراثت کے تمام حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ اس وقت پنجاب کے ملک کی حکومت جس کے ہاتھ میں بھی ہو اس بات کا مجاز ہوگا کہ خود دست اندازی کر کے مناسب انتظام کرے''۔

رنبیر سنگھ:۔ گلاب سنگھ کے تین بیٹے تھے۔ اودھم سنگھ، رندھیر سنگھ اور رنبیر سنگھ۔ اودھم سنگھ لاہور میں ایک دیوار کے نیچے دب کر مر گیا، رندھیر سنگھ کو لاہور میں قتل کر دیا گیا۔ یوں رنبیر سنگھ تنہا اپنے باپ کی گدی پر بیٹھا۔ اسے مہاراجہ نے اپنی زندگی میں ہی راج تلک دے کر ولی عہد مقرر کر لیا تھا وہ باضابطہ تعلیم حاصل نہ کر سکا البتہ باپ کی صحبت میں رہ کر فوجی و انتظامی مہارت حاصل کر لی۔ اس نے فوج، پولیس اور محکمہ مال کی تنظیم نو کی، ہندوستان کی طرز پر عدالتی نظام رائج کیا۔ اس نے ڈاک، تار، مواصلات اور تعمیرات عامہ کے محکمہ جات کو منظم کیا۔ صنعت و تجارت کو ترقی دی خصوصاً ریشم سازی کی صنعت کو پروان چڑھایا۔ وہ ادب اور ہنر کا قدردان تھا اس نے پنجاب یونیورسٹی کے قیام کے موقع پر ایک لاکھ روپے بطور عطیہ دیا۔ اس نے سکول، مکتب، پاٹ

شالا میں اور مندر تعمیر کروائے۔ اس نے سنسکرت کے فروغ پر بہت زور دیا۔ سیاحت کے لیے ریسٹ ہاؤس اور ڈاک بنگلے بنوائے۔

رنبیر سنگھ نے گلگت میں برپا ہونے والی بغاوتوں کو کچل دیا اور گلگت کو اپنے زیرنگیں کرلیا۔ مہاراجہ نے حکومت برطانیہ کے ساتھ جنوبی ترکستان کی طرف سے تجارت کرنے کا ایک معاہدہ بھی کیا جس کے تحت انگریزوں نے ہندوستان اور ترکستان کے مابین اس علاقے کو ایک تجارتی شاہراہ کے طور پر استعمال کیا۔ رنبیر سنگھ کے عہد میں انگریزوں نے ریاستی معاملات میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرلیا۔ البتہ اس نے کشمیر میں انگریز ریزیڈینٹ تعینات کیے جانے کی منظوری نہ دی۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ افیون کا عادی تھا۔ وہ رات کو دیر تک دربار لگائے رکھتا۔ مغل شہنشاہ اکبر کی طرح اسے رتن جمع کرنے کا شوق تھا۔ وہ 12 ستمبر 1885ء کو فوت ہوا۔

پرتاپ سنگھ:۔ پرتاپ سنگھ مہاراجہ رنبیر سنگھ کا بیٹا تھا۔ یہ 12 ستمبر 1885ء میں باپ کی وفات کے بعد راج گدی پر بیٹھا۔ پرتاپ سنگھ، ڈوگری سنسکرت اور انگریزی زبان جانتا تھا۔ پرتاپ سنگھ کو گدی پر بیٹھے ابھی چار برس ہوئے تھے کہ کشمیر کے انگریز ریذیڈنٹ کرنل بسنٹ نے مہاراجہ کے خلاف ایسی سازش کی کہ وہ گدی چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔ انگریزوں نے مہاراجہ کے خلاف نااہلی، بددیانتی اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ کے سنگین الزامات لگائے۔ انگریزوں نے ریاست جموں کشمیر کو ہندوستان میں مدغم کرنے کی دھمکی بھی دی۔ چنانچہ مہاراجہ گھبرا گیا۔ انگریزوں نے اس سے 18 اپریل 1889ء کو ایک معاہدہ پر دستخط کروالیے جس کی رو سے وہ اقتدار اعلیٰ سے محروم ہوگیا اور اس کی جگہ ایک ریجنسی کونسل قائم کردی گئی۔ مہاراجہ کے چھوٹے بھائی امر سنگھ کو کونسل کا صدر بنا دیا گیا۔ کونسل کے پانچ ممبر تھے۔ امر سنگھ، رام سنگھ (دونوں بھائی) رائے بہادر پنڈت باغ، رائے پنڈت سوراج کول اور ایک انگریز۔ پرتاپ سنگھ کو باپ دادا کی گدی چھن جانے کا سخت دکھ ہوا چنانچہ اس نے وائسرائے ہند کی منت سماجت کی چنانچہ 1891ء میں پرتاپ سنگھ کو ریجنسی کونسل کا صدر اور امر سنگھ کو نائب صدر مقرر کردیا گیا۔ 1893ء میں ملکہ برطانیہ نے مہاراجہ کو گرینڈ کمانڈر آف دی سٹار آف انڈیا کا خطاب دیا۔ 1905ء میں انگریزوں نے ریجنسی کونسل ختم کردی اور مہاراجہ کے اختیارات اسے واپس دے دیئے۔ چنانچہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ سرکار کو ایک کروڑ بارہ لاکھ روپیہ بطور نذرانہ دیا۔ ملکہ وکٹوریہ کی یادگار کے لیے 15 لاکھ روپے دیے اسی طرح مہاراجہ نے ساڑھے تین لاکھ روپے بنارس یونیورسٹی کے لیے بطور عطیہ دیا۔ 1905 میں سرینگر میں مہاراجہ کے نام پر ایس پی کالج قائم کیا گیا۔ جلد ہی اس کالج کا شمار برعظیم کے چوٹی کے کالجز میں ہونے لگا۔ 1921ء میں مہاراجہ نے تحریری طور پر انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے لکھ کر دیا کہ وہ سرحدی اور انتظامی معاملات میں انگریز ریذیڈنٹ سے مشورہ کرتا رہے گا۔

پرتاپ سنگھ کے عہد میں انگریز پوری طرح ریاستی معاملات میں ملوث ہو گئے انہوں نے مہاراجہ سے بہت سے ترقیاتی کام کروائے۔ مثلاً بندوبست اراضی، مال گزاری، ٹیلیفون، ڈاک تار، اور کارخانے وغیرہ لگوائے گئے۔ جہلم، ویلی روڈ اور جموں بانہال روڈ اسی دور کی یادگاریں ہیں۔ پرتاپ سنگھ نے وفات سے پہلے ہی اپنے بھائی امر سنگھ کے بیٹے ہری سنگھ کو اپنا وارث اور جانشین مقرر کرلیا تھا چنانچہ اس کی وفات کے بعد ہری سنگھ تخت نشین ہوا۔ اقتدار کی اس منتقلی کے موقع پر پرتاپ سنگھ کا ایک وارث بھی اٹھ کھڑا ہوا یہ پونچھ کے راجہ بلدیو سنگھ کا بیٹا جگت دیو سنگھ تھا جسے پرتاپ سنگھ نے گود لے کر پرورش کی تھی۔ جگت دیو سنگھ نے ریاست کی تخت نشینی کا وارث ہونے کے لیے مقدمہ لڑا لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ انہی دنوں جگت دیو سنگھ کا بھائی سکھ دیو سنگھ والئی پونچھ مر گیا تو جگت دیو سنگھ اس جنگ سے ہاتھ کھینچ کر پونچھ کی گدی پر جا بیٹھا۔ پونچھ اور جموں کے ڈوگرے ایک ہی نسل سے تھے لیکن ان میں چپقلش جاری رہی۔ پرتاپ سنگھ 23 دسمبر 1925ء کو فوت ہو گیا۔

ہری سنگھ:۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ اولاد جیسی عظیم نعمت سے محروم رہا۔ اس کی زندگی میں ہی اس کا بھتیجا ہری سنگھ ولی عہد نامزد ہو کر گدی نشین ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی رسم تاجپوشی مارچ 1926ء کو جموں میں ادا کی گئی۔

ہری سنگھ پرتاپ سنگھ کے بھائی امر سنگھ کے ہاں 9 اسوج 1952 بکرمی بمطابق 30 ستمبر 1895 میں پیدا ہوا۔ اس نے انگریز اساتذہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ 1908ء میں میو کالج اجمیر میں داخلہ لیا۔ کالج سے فارغ ہو کر ڈیرہ دون کے امپیریل کیڈٹ کالج میں فوجی تربیت حاصل کی۔ 1915ء میں پرتاپ سنگھ نے اسے ریاست کی فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا۔ 1922ء میں اسے ریاستی کونسل کا رکن نامزد کیا گیا۔

ہری سنگھ نے عنان حکومت سنبھالتے ہوئے اپنی تقریر کا پہلا فقرہ یہ کہا تھا۔

''میں ڈوگرہ ہندو ہوں لیکن بحیثیت حکمران میرا مذہب انصاف ہے''۔

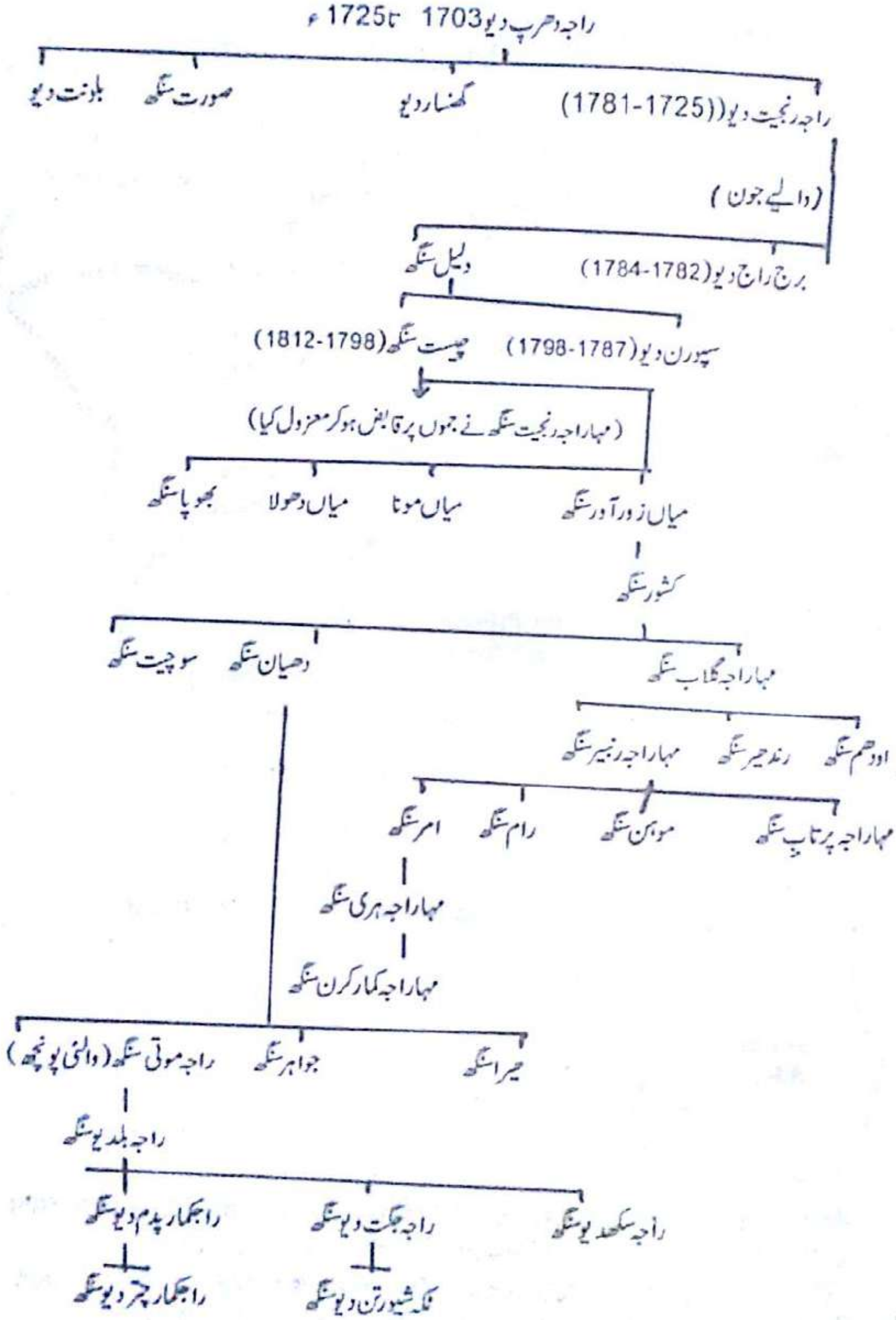
مہاراجہ نے حسب ذیل اصلاحات نافذ کیں۔ قانون تحفظ زمیندارہ نافذ کیا گیا جس سے ساہوکاروں اور مہاجنوں کو زد پہنچی۔ قانون انتقال اراضی نافذ کیا، انجمن امداد باہمی کو وسعت دی، عدالت العالیہ قائم کی اور تمام عدالتی اختیارات اس کے سپرد کر دیئے۔ بے گار کی منسوخی کا اعلان کیا۔ چند بڑے شہروں میں میونسپل کمیٹیاں قائم کیں۔ سماجی برائیوں مثلاً رشوت ستانی، عورتوں کے اغوا، زناکاری، بردہ فروشی، نابالغوں کی شادی اور تمباکو نوشی کے خلاف انسدادی قوانین نافذ کیے۔ ہری سنگھ نے 1927 کو باشندہ ریاست کا قانون نافذ کیا جس کی رو سے کوئی غیر ریاستی باشندہ جائیداد یا جاگیر نہیں خرید سکتا تھا۔

ہری سنگھ کے دور اقتدار میں انگریز ریاستی معاملات میں پوری طرح ملوث ہو چکے تھے انہوں نے مہاراجہ کو نیچا دکھانے کے لیے بغاوتیں کروائیں، تحریکیں منظم کیں اور مسلم رعایا کو اشتعال دیا۔ 13 جولائی 1931ء کا سانحہ، توہین قرآن کے واقعات، احراریوں کی یورش، سیاسی جماعتوں کا قیام، ان سب کے پیچھے انگریزوں کا ہاتھ تھا۔

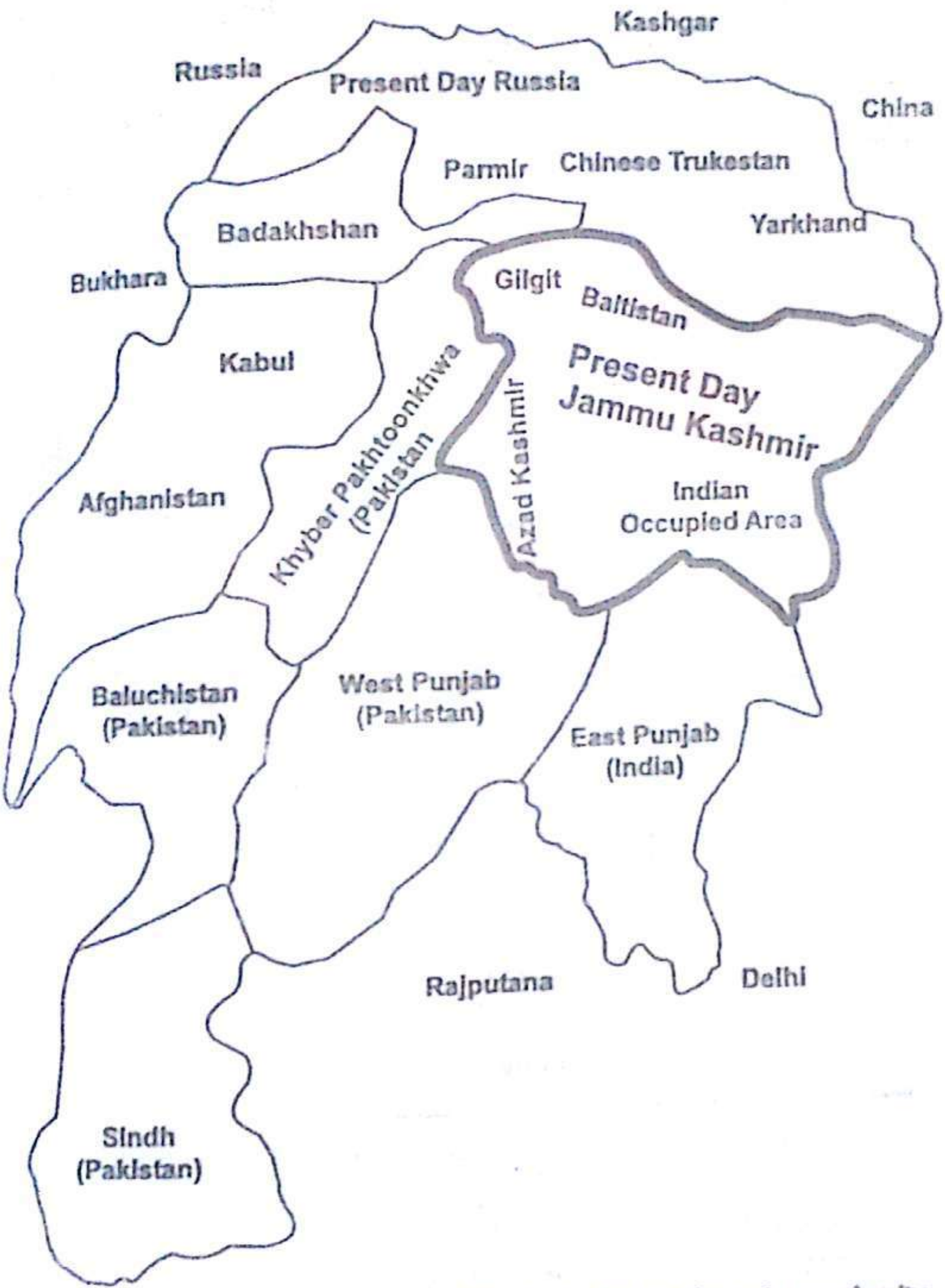
ہری سنگھ 26 اپریل 1961 بروز بدھ بمبئی میں فوت ہوا۔ مرتے وقت اس نے وصیت کی تھی کہ اس کی چتا کو جلا کر اس کی راکھ ریاست جموں کشمیر کے پہاڑوں اور وادیوں میں بکھیر دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

شجرہ نسب ڈوگرہ خاندان

ریاست جموں و کشمیر کے حکمران ڈوگرہ خاندان کا شجرہ نسب



KASHMIR KINGDOM UNDER THE RULE OF SULTAN SHAHAAB -U- DEEN ,1354-73



Note: The stated boundaries of Kashmir during the esteemed ruler Sultan Shahaab-Udeen's era of governance, ,1354-73 This graph was printed by Punjab University Lahore and has been illustrated in Kashmir's famous historian G. M. D. Sufi's historic book 'Kasheer', from where it has been taken.

باب چہارم

جموں کشمیر

فلاحی تنظیمیں، سیاسی جماعتیں (قبل 1947ء)

1	انجمن اسلامیہ ،موال
2	انجمن کشمیری مسلمانان لاہور
3	انجمن نصرت الاسلام
4	آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس
5	ینگ منز مسلم ایسوسی ایشن
6	انجمن اسلامیہ پونچھ
7	ریڈنگ روم پارٹی
8	آل انڈیا کشمیر کمیٹی
9	آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس
10	آزاد پارٹی مسلم کانفرنس
11	نیشنل کانفرنس
12	انجمن آزادی پونچھ
13	جموں کشمیر مسلم لیگ
14	مسلم سٹوڈنٹس یونین
15	کسان مزدور کانفرنس
16	آل جموں کشمیر گوجر جاٹ کانفرنس

فلاحی تنظیمیں، سیاسی جماعتیں

1۔ **انجمن اسلامیہ جموں (1892ء)**:۔ ریاست جموں کشمیر کے مسلمانوں کی سیاسی، معاشی، تعلیمی اور معاشرتی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے جموں کے مسلمانوں نے 1892ء کو ''انجمن اسلامیہ جموں'' کی داغ بیل ڈالی۔ انجمن نے مسلمانوں کے تعلیمی، معاشرتی اور مذہبی مسائل کو حکومت تک پہنچانے اور انہیں حل کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ انجمن نے مکتب اور یتیم خانے قائم کیے۔ انجمن رفائی کاموں میں بھی معمولی مدد کرتی۔ انجمن کے بانیوں میں صاحبزادہ حضرت شاہ وکیل، شیخ عبدالعزیز، سید اسداللہ شاہ وکیل، منشی محمد یعقوب، منشی غلام نبی اور کیپٹن نصیرالدین شامل تھے۔

2۔ **انجمن کشمیری مسلمانان لاہور (1896ء)**:۔ لاہور میں آباد کشمیری النسل مسلمانوں نے پنجاب بھر میں آباد کشمیریوں میں یک جہتی پیدا کرنے اور ان کی اصلاح احوال کے لیے فروری 1896ء کو ''انجمن کشمیری مسلمانان لاہور'' کی بنیاد رکھی۔ اس تنظیم کے پہلے صدر میاں کریم بخش رئیس اعظم لاہور اور سیکرٹری جنرل علامہ اقبال تھے۔ اس انجمن کے قیام پر علامہ اقبال نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا۔

ہزار شکر کہ اک انجمن ہوئی قائم
یقین ہے راہ پہ آئے گا طالع واژوں

3۔ **انجمن نصرت الاسلام (1897ء)**:۔ وادی کشمیر کی ممتاز مذہبی شخصیت میر واعظ رسول شاہ نے 1897ء کو ایک تنظیم ''انجمن نصرت الاسلام'' کی بنیاد رکھی۔ انجمن کے قیام کا واحد مقصد وادی کے مسلمانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا تھا۔ اس انجمن نے وادی میں علم کی روشنی پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ کئی سکول اور مکتب کھولے۔ ڈوگرہ حکومت اس انجمن کو ماہوار امداد مہیا کرتی تھی۔

4۔ **آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس (1908ء)**:۔ آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس 1908ء میں لاہور میں کشمیری النسل مسلمانوں نے قائم کی۔ اس کی تشکیل میں علامہ اقبال، منشی محمد دین فوق اور بابو حیدر خان نے بنیادی کردار ادا کیا۔ علامہ اقبالؒ کو اس کا پہلا سیکرٹری جنرل اور منشی محمد دین فوق کو جوائنٹ سیکرٹری چنا گیا۔ آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس کے اغراض و مقاصد میں دو باتیں بطور خاص شامل تھیں۔ اول مسلم باشندگان کشمیر کو حصول تعلیم کی طرف مائل کیا جائے، دوم ان کے سیاسی و معاشرتی حقوق کو یرغمال ہونے سے بچایا جائے۔ کانفرنس گاہے بگاہے اپنے اجلاس منعقد کرتی اور ڈوگرہ حکمرانوں کو ریاستی مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر توجہ دینے کے لیے یادداشتیں اور قراردادیں ارسال کرتی۔ اس کانفرنس نے ایک

طرف کشمیر میں بسنے والے مسلمانوں کی تائید وحمایت میں نام پیدا کیا اور دوسری طرف پنجاب میں آباد کشمیری النسل مسلمانوں کو منظم کیا۔

5۔ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن (1909ء):- ینگ مینز مسلم ایسوی ایشن 1909ء کو جموں میں قائم کی گئی۔اس کے بانیوں میں ملک مقبول احمد، منشی محمد بشارت، قاضی شمس الدین، مرزا فیروز الدین اور گلزار حسین قنبر شامل تھے۔ایسوی ایشن کے اغراض ومقاصد میں رسومات بد کی روک تھام، وعظ ونصیحت، نماز روزہ کی تبلیغ، تعلیمی رجحان اور اردو زبان کی ترویج وترقی جیسے عوامل شامل تھے۔کچھ عرصہ بعد تنظیم کے پڑھے لکھے نوجوان سرکاری ملازمتوں میں چلے گئے تو تنظیم کا کام رک گیا۔تاہم 1923ء میں اس تنظیم کو ازسرنو منظم کیا گیا۔ نئے کارکنوں نے مسلمانوں کے تعلیمی، سیاسی اور مذہبی حقوق کے تحفظ کو اپنے اغراض ومقاصد میں شامل کرلیا۔

6۔انجمن اسلامیہ پونچھ (1911ء):- پونچھ کے مسلمانوں میں تعلیم کو عام کرنے اور ملی بیداری پیدا کرنے کے لیے سردار محمد اکرم خان اور پیر حسام الدین شاہ نے مقامی اکابرین کے تعاون سے 1911ء میں انجمن اسلامیہ پونچھ کی بنیاد رکھی۔پونچھ کے راجہ بلدیو سنگھ نے انجمن کو 1800 روپیہ سالانہ چندہ مہیا کرنے کا بندوبست کیا۔

7۔ریڈنگ روم پارٹی (1930ء):- 12 اپریل 1930ء کو شیخ محمد عبداللہ (ایم ایس سی) مسٹر محمد رجب (ایم اے۔ایل ایل بی) قاضی سیف الدین (بی اے بی ٹی) اور غلام احمد مختار علی گڑھ یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کر کے واپس سرینگر آ گئے۔ان طلباء نے علی گڑھ کے آزاد علمی وسیاسی ماحول سے گہرا تاثر لیا تھا۔اس وقت کشمیر میں گھٹن اور جبر کی فضا تھی۔کوئی سیاسی جماعت یا تنظیم موجود نہ تھی۔یہ نوجوان سیاسی بیداری کا پروگرام لے کے آئے تھے۔انہوں نے سرینگر کے محلہ علی اکبر میں ایک ساتھ رہنا شروع کیا۔ ان نوجوانوں نے اعلیٰ ملازمتوں کے حصول کی کوشش کی لیکن جب انہیں ملازمت نہ مل سکی تو انہوں نے ایک پروگرام طے کیا اور 9 مئی 1930 کو سیٹھ محمد اسماعیل (زینہ کدل) کے ایک کمرے میں دار المطالعہ کھول لیا۔ کچھ عرصہ بعد اس ریڈنگ روم کو منظم کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے صدر مسٹر محمد رجب اور سیکرٹری جنرل شیخ محمد عبداللہ منتخب ہوئے۔دیگر اراکین میں حکیم علی، پیرزادہ غلام رسول، پیرزادہ احمد شاہ فاضلی، حکیم غلام مرتضیٰ، مفتی جلال الدین، مولوی عبدالرحیم، غلام نبی گلکار، قاضی سیف الدین اور مسٹر بشیر احمد شامل تھے۔

بظاہر ریڈنگ روم کے قیام کا مقصد اخبار بینی اور کتب کا مطالعہ کرنا تھا لیکن اندرون خانہ اس ریڈنگ روم میں جمع ہونے والے نوجوان حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے اور حکومت وقت کے خلاف سوچ بچار کرتے۔ریڈنگ روم کے باہمی رابطے نے ڈوگرہ حکومت کے خلاف کشمیر کے تعلیم یافتہ طبقہ کو ایک مرکز پر متحد کردیا۔کچھ عرصہ بعد ریڈنگ روم کے ممبران کو "ریڈنگ روم پارٹی" کے نام سے پہچانا جانے لگا۔اس

ریڈنگ روم نے ایک باقاعدہ سیاسی جماعت کے قیام کی سوچ کو پروان چڑھایا۔
(دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے راقم کی تصنیف ''کشمیریات'')۔

8۔**آل انڈیا کشمیر کمیٹی (1931ء)**:- 25 جولائی 1931ء کو شملہ میں نواب ذوالفقار علی کی کوٹھی (FAIR VIEW) میں ایک اجلاس ہوا جس میں علامہ اقبال، مرزا بشیر الدین محمود، خواجہ حسن نظامی، نواب ذوالفقار علی خان، نواب ابراہیم، شیخ رحیم بخش، سید محسن شاہ، مولانا اسماعیل غزنوی، مولوی نورالحق اور مولانا سید حبیب شاہ نے شرکت کی۔ مولانا میرک شاہ اور اللہ رکھا ساغر نے ریاست جموں کشمیر کے مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ اجلاس میں مسلمانان کشمیر کو سیاسی، اخلاقی اور مالی امداد بہم پہنچانے کے لیے ایک تنظیم ''آل انڈیا کشمیر کمیٹی'' قائم کی گئی۔ قادیانی خلیفہ مرزا بشیر الدین کو صدر اور مسٹر عبدالرحیم درد کو سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ نہایت مختصر عرصے میں ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر مکتب فکر کے اکابرین نے کشمیر کمیٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔ جلسے جلوسوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ کمیٹی نے ہندوستان سے انگلستان تک مہاراجہ کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کیا۔ سارے ہندوستان اور برما میں 14 اگست 1931ء کو مظلوم کشمیریوں سے ہمدردی کے اظہار کے طور پر کشمیر ڈے منایا گیا۔

دو برس کے مختصر عرصے میں کشمیر کمیٹی نے زبردست مقبولیت حاصل کی، مجلس احرار کو یہ بات ناگوار گزری چنانچہ کشمیر کمیٹی کے خلاف پروپگنڈہ کیا گیا کہ قادیانیوں نے اپنے عقائد کی تبلیغ کے لیے یہ راہ اختیار کی ہے۔ مرزا بشیر الدین پر تنقید ہونے لگی چنانچہ انہوں نے 7 مئی 1933ء کو لاہور کے سیسل ہوٹل میں ایک نمائندہ اجلاس کے سامنے صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ کمیٹی کی نئی تشکیل عمل میں آئی علامہ اقبال کو صدر اور ملک برکت علی ایڈووکیٹ کو سیکرٹری جنرل نامزد کیا گیا۔ نئے تنظیمی ڈھانچے کے ساتھ ہی کشمیر کمیٹی اپنا اثر رسوخ کھو بیٹھی اور مذہبی کشمکش میں الجھ کر دم توڑ گئی۔

9۔**آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس (1932)**:- ریاستی مسلمانوں کو ایک منظم اور مربوط سیاسی پلیٹ فارم مہیا کرنے کے لیے شیخ محمد عبداللہ نے 4 جون 1932ء کو رہائی کے فوراً بعد مسلم زعما سے صلاح مشورہ کیا سب نے سیاسی جماعت کے قیام کی تائید کی۔ شیخ عبداللہ لاہور آئے یہاں علامہ اقبالؒ، سید محسن شاہ، میاں امیر الدین، شیخ صادق حسن اور مرزا بشیر الدین محمود سے بھی ملاقات کی ان بزرگوں نے بھی سیاسی جماعت کے قیام پر زور دیا۔ قادیانی زعما نے بطور خاص شیخ محمد عبداللہ کو ہر ممکنہ مالی و سیاسی حمایت کا یقین دلایا اور انہیں ریاست جموں کشمیر میں ایک سیاسی جماعت کے قیام کے لیے آمادہ کیا۔ چنانچہ طے پایا کہ سرینگر میں ''آل جموں کشمیر پولیٹکل کانفرنس'' کے نام سے ایک کانفرنس بلائی جائے جس میں ریاست کے ہر حصے اور ہر طبقے کے لوگوں کو مدعو کیا جائے۔

16 ستمبر 1932ء کو سرینگر کی تاریخی مسجد ''پتھر مسجد'' میں لاہور کی ایک ممتاز شخصیت مولانا علم الدین سالک کی صدارت میں ایک اجلاس ہوا جس میں 23 ستمبر کو کانفرنس بلانے کی تجویز پر اتفاق ہوا لیکن 22 ستمبر کو پنڈتوں کی شورش کے سبب یہ اجلاس ملتوی کرنا پڑا چنانچہ طے پایا کہ 14,15 اور 16 اکتوبر کو پتھر مسجد میں پولیٹیکل کانفرنس کا انعقاد ہوگا جس میں سیاسی جماعت کی داغ بیل ڈالی جائے گی۔ چنانچہ مقررہ ایام کو پتھر مسجد میں ریاست بھر کی چیدہ چیدہ شخصیات نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ یہ اجلاس تین روز جاری رہا۔3 لاکھ کے اس جم غفیر کی صدارت شیخ محمد عبداللہ نے کی۔زمین سے پندرہ فٹ اونچا لکڑی کا ایک بڑا اسٹیج تیار کیا گیا جس پر دو سو مندوبین کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ کشمیر کمیٹی کے ایک راہنما سید ولی اللہ شاہ زین العابدین نے پرچم کشائی سرانجام دی۔خواجہ غلام احمد عشائی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔اس تاریخ ساز اجلاس میں بیسیوں غیر ریاستی مسلم زعما نے بھی شرکت کی۔علامہ اقبال، خواجہ حسن نظامی، اور مرزا بشیر الدین محمود تشریف نہ لا سکے۔ان کے پیغامات حاضرین تک پہنچائے گئے۔

تین روز تک تقاریر و تجاویز کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر سات رکنی دستور ساز کمیٹی کا تیار کردہ دستور اس میں پیش ہوا اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے نام سے ریاست جموں کشمیر کی پہلی سیاسی جماعت معرض وجود میں آئی۔ شیخ محمد عبداللہ اس کے پہلے صدر، شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ نائب صدر اور چوہدری غلام عباس سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ جماعت کے اغراض و مقاصد حسب ذیل تھے۔

۱۔ مسلمانان جموں کشمیر کو منظم کرنا۔ ۲۔ مسلمانوں میں اتحاد قائم کرنا۔

۳۔ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

۴۔ مسلمانان ریاست کی سیاسی، معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی اصلاح کرنا۔

10۔ **آزاد پارٹی مسلم کانفرنس (1933ء)**:- ریاست جموں کشمیر میں مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد شروع ہوتے ہی وادی کشمیر کی دو اہم شخصیات شیخ محمد عبداللہ اور میر واعظ مولانا یوسف شاہ میں اختلاف پیدا ہو گئے۔ شیخ عبداللہ کو بحیثیت لیڈر میر واعظ نے متعارف کروایا تھا لیکن جب اس کی مقبولیت بڑھنے لگی تو میر واعظ کو اپنا خاندانی اثر و رسوخ اور مذہبی بالادستی خطرے میں نظر آئی۔حسد اور رقابت کے ان جذبات نے ''شیر بکرا لڑائی'' کی شکل اختیار کر لی۔انہوں نے مسلم کانفرنس سے علیحدگی اختیار کر لی اور آزاد پارٹی مسلم کانفرنس کے نام سے ایک الگ جماعت بنالی۔اس جماعت کے قیام کا اعلان خواجہ محمد عبداللہ بسو کے مکان واقع مہاراج گنج (سرینگر) میں عمل میں لایا گیا۔ یہ نام صوفی غلام احمد کا تجویز کردہ تھا۔آزاد مسلم کانفرنس کے بانیوں میں خواجہ عبدالرحیم بانڈے، منشی اسد اللہ وکیل، حاجی اسد اللہ اور غلام محمد وغیرہ شامل تھے۔اس جماعت کا پہلا اجلاس 16 مئی 1933ء کو جامع مسجد سری نگر میں ہوا۔

11۔نیشنل کانفرنس (1939ء) :۔مسلم کانفرنس کا چھٹا سالانہ اجلاس 25،26،27 مارچ 1938ء کو جموں کے مقام پر شیخ محمد عبداللہ کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ ریاست کے طول وعرض سے بے شمار لوگ شریک ہوئے، ذمہ دار نظام حکومت کے مطالبے کو ہر مقرر نے دہرایا اور عزم کیا کہ ریاست کے مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی، بدھ اور ہریجن سب مل کر اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کریں گے۔ شیخ عبداللہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا'' ہم آزادی کی جو جنگ لڑ رہے ہیں وہ مسلم اور غیر مسلم کی جنگ نہیں بلکہ ظالم اور مظلوم کی جنگ ہے اس لیے مظلوم سارے اکٹھے ہو جائیں'' اس اجلاس میں مسلم کانفرنس کا نام بدلنے کی تجویز پیش ہوئی لیکن فضا سازگار نہ تھی اس لیے بات آگے نہ بڑھ سکی۔

کشمیر اسمبلی کے دوسرے انتخابات 31 مئی 1938ء کو ہوئے۔ ان میں مسلم کانفرنس نے 21 حلقوں سے امیدوار کھڑے کئے جن میں سے 19 پر اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ مہاراجہ ہری سنگھ اور وزیر اعظم گوپال سوامی آئنگر کے لیے یہ صورتحال پریشان کن تھی۔ اسی اثنا میں شیخ عبداللہ نے ہندوستان کا تفصیلی دورہ کیا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے راہنماؤں سے ملاقاتیں کیں، وطن واپس آ کر شیخ عبداللہ نے نیشنل ازم کا پرچار شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں ابتدائی بات چیت 27 اپریل 1339ء کو جموں میں مسلم کانفرنس کی مجلس مشاورت کے اجلاس میں ہوئی جس میں شیخ محمد عبداللہ، چوہدری غلام عباس، مرزا افضل بیگ، خواجہ غلام محمد صادق، بخشی غلام محمد، اللہ رکھا ساغر، صوفی محمد اکبر اور دیگر سرکردہ راہنماؤں نے شرکت کی۔ فیصلہ ہوا کہ جماعت کا نام بدلنے کے لیے مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل کا خصوصی اجلاس بلایا جائے گا۔ چنانچہ یہ اجلاس 10،11 جون 1939ء کو خواجہ غلام محمد صادق (ایم ایل اے) کی صدارت میں مجاہد منزل سرینگر میں منعقد ہوا۔ جنرل کونسل کے 200 میں سے 126 اراکین نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ شیخ عبداللہ، چوہدری غلام عباس، پنڈت پریم ناتھ بزاز نے ایک خفیہ میٹنگ کی جس میں طے پایا کہ نئی تنظیم کو انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے اثر سے محفوظ رکھا جائے گا۔ مجلس استقبالیہ کے صدر مولوی محمد سعید مسعودی نے 10 جون کو رات ساڑھے دس بجے تبدیلی نام کی قرارداد پیش کی۔ جماعت کا آئندہ نام '' آل جموں کشمیر نیشنل کانفرنس'' تجویز ہوا چوہدری غلام عباس نے کچھ شرائط پیش کیں جنہیں منظور کر لیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے بھی اس تبدیلی کی بھرپور حمایت کی۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اس دن کو کشمیر کی تحریک آزادی میں مسرت وانبساط کا دن (Red Letter Day) قرار دیا۔ شیخ عبداللہ نیشنل کانفرنس کے پہلے صدر اور چوہدری غلام عباس سیکرٹری جنرل نامزد ہوئے۔

مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلنے کی مخالفت کرنے والے راہنماؤں نے اس اجلاس کا بائیکاٹ کیا، ان میں سردار گوہر رحمان، مولوی رفیع الدین، چوہدری عبداللہ بھلی، ماسٹر غلام حیدر غوری اور منشی

معراج الدین وغیرہ شامل تھے۔

12۔**انجمن آزادی پونچھ(1939ء)**:-انجمن آزادی پونچھ 1939ء کو مولوی غلام حیدر جنڈالوی کی سرکردگی میں قائم کی گئی۔ ہفت روزہ ''صداقت'' (پونچھ) کے ایڈیٹر منشی گل احمد خان اس کے سیکرٹری جنرل تھے۔ یہ انجمن پونچھ کی کشمیر سے علیحدگی کی علمبردار تھی۔ پونچھ کا راجہ جگت دیو سنگھ در پردہ اس کا سرپرست تھا۔ 29 اپریل 1940ء کو انجمن کا ایک وفد جس میں مولوی غلام حیدر جنڈالوی، منشی گل احمد خان اور سید انور شاہ (بل سرنگ باغ) شامل تھے۔ وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کو دہلی میں ملا۔ اس ملاقات کا اہتمام وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے کیا تھا۔ وفد نے وائسرائے کو ایک یادداشت پیش کی جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ پونچھ کا سابقہ درجہ بحال کیا جائے، پونچھ میں الگ انگریز ریزیڈنٹ تعینات کیا جائے، پونچھ میں تعینات ڈوگرہ افسران واپس بلائے جائیں۔ پونچھ کی عدلیہ کو کشمیر سے الگ کیا جائے۔ انجمن آزادی پونچھ ایک محدود تحریک تھی جس کی بنیاد مرکزیت سے بغاوت اور علیحدگی پر رکھی گئی اس لیے یہ تحریک عوامی پذیرائی حاصل نہ کر سکی۔ 2 جولائی 1940ء کو پونچھ کے جاگیردار جگت دیو سنگھ کا انتقال ہو گیا تو یہ تحریک بھی سرد پڑ گئی۔

13۔**جموں کشمیر مسلم لیگ(1940ء)**:- 1939ء میں مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کے سبب ریاست کی مسلم آبادی میں انتشار پیدا ہو گیا۔ بعض مسلم نوجوان جو اس تبدیلی کو قبول نہیں کرتے تھے انہوں نے ''آل جموں کشمیر مسلم لیگ'' کے نام سے الگ جماعت بنائی۔ مسلم لیگ سرینگر شاخ کے صدر پروفیسر ایم اے عزیز اور سیکرٹری جنرل ایم اے حفیظ تھے۔ جبکہ جموں شاخ کے صدر سید غلام حیدر شاہ اور سیکرٹری جنرل پروفیسر اسحاق قریشی تھے۔ کشمیر میں مسلم لیگ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی کیونکہ یہ چند پڑھے لکھے جذباتی نوجوانوں کا گروہ تھا جنہیں حکومت نے ملازمتوں میں لے لیا اور جماعت خود بخود ختم ہو گئی۔

14۔**مسلم سٹوڈنٹس یونین(1940ء)**:- مسلم سٹوڈنٹس یونین ریاستی طلباء کی پہلی مسلم طلباء تنظیم تھی اس کا قیام 1940ء کو عمل میں آیا۔ خواجہ احمد اللہ رعنا اس کے صدر اور کے ایچ خورشید اس کی سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ جب یہ تنظیم قائم ہوئی اس وقت مسلمانان ریاست کی کوئی سیاسی تنظیم موجود نہیں تھی۔ مسلم کانفرنس اپنا وجود نیشنل کانفرنس میں مدغم کر چکی تھی جس کے نتیجے میں تحریک پاکستان اور دو قومی نظریے کی حمایت سرد پڑ چکی تھی۔ مسلم سٹوڈنٹس یونین کے نوجوان طلباء نے اس خلا کو پر کیا اور قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔ تنظیم کی شاخیں ایس پی کالج کے علاوہ امر سنگھ کالج اور اسلامیہ ہائی سکول سرینگر میں بھی قائم کی گئیں۔ یونین ہر سال 21 اپریل کو علامہ اقبال کا یوم پیدائش مناتی۔ مئی 1942ء کو قائداعظم

کی اپیل پر یونین کے طلباء نے اپنی گرہ سے فنڈ جمع کیا اور پچاس روپے پاکستان فنڈ میں جمع کروائے جس پر قائداعظم نے یونین کو شکریے کا خط لکھا۔ کشمیر کے نامور صحافی میر عبدالعزیز، جسٹس محمد اکرم خان۔ چوہدری مظہرالحق، بشیر احمد ارشد، سردار محمد شریف خان، راجہ ڈھیرو خان، سردار محمد حنیف خان، خواجہ حبیب اللہ گگرو، خواجہ غلام محمد میر، شوکت حسین، غلام نبی میر، غلام نبی پنڈت، محمد تقی خان، علی محمد گنائی، محمد امین حیدر، عبدالحفیظ، پیرزادہ طیب شاہ، عبدالغنی، شمیم احمد وغیرہ اس تنظیم کے سرگرم کارکن تھے۔

15۔ **کسان مزدور کانفرنس (1945ء)**:- آل جموں اینڈ کشمیر کسان مزدور کانفرنس کا قیام 19 جولائی 1945ء کو عمل میں آیا۔ عبدالسلام یاتو کو اس کا صدر چنا گیا۔ یہ جماعت کسانوں، مزدوروں، غریبوں اور ناداروں کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کے لیے سامنے آئی۔ مذہب، رنگ ونسل اور دولت کی بنیاد پر معاشرتی ناہمواری کے خلاف جدوجہد کرنا اس کے منشور میں شامل تھا۔ اس جماعت کے قیام میں پنڈت پریم ناتھ بزاز کی فکر کارفرما تھی۔ 12 تا 13 مئی 1946ء کو پارٹی کا پہلا سالانہ اجلاس قبہ مرگ اننت ناگ میں منعقد ہوا، جس میں '' آزاد کشمیر''(free kashmir) کو سیاسی نصب العین قرار دیا گیا۔ آزاد کشمیر کی اصطلاح سب سے پہلے اسی موقع پر استعمال کی گئی۔

16۔ **آل جموں کشمیر گوجر جاٹ کانفرنس**: خطہ پونچھ سے تعلق رکھنے والے ایک سرکردہ زمیندار چوہدری غلام حسین لسانوی نے 1931 میں ''مسلم گوجر جاٹ پونچھ'' کے نام سے ایک سماجی تنظیم قائم کی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد اس تنظیم کا نام بدل کر '' آل جموں کشمیر گوجر جاٹ کانفرنس'' رکھا گیا۔ اس کانفرنس نے تعلیم، روزگار اور سماجی تعلقات کو اتحاد واتفاق کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے پونچھ، راجوری اور جموں کے علاقوں میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اس کانفرنس کے سرکردہ راہنما حسب ذیل تھے۔

میاں نظام الدین لاروی گدی نشین لارشریف، چوہدری دیوان علی (راجوری) چوہدری علی محمد (بدھل) مولوی محمد اسماعیل ذبیح (راجوری) مولوی مہر دین قمر (راجوری) چوہدری ابراہیم (جموں) چوہدری وزیر علی (اکھنور) قاضی خورشید عالم (جموں) مولانا عبداللہ سیاکھوی (میرپور) کیپٹن ننھا خان (سہنسہ) چوہدری فضل دین (مہنڈر) چوہدری محمد اعظم شہید (مہنڈر) میاں حسن محمد (مہنڈر سلواہ) مولوی عبدالکریم (حویلی) مولوی عمر بخش (حویلی) چوہدری لال دین (چھانجل) چوہدری مقبول حسین (پونچھ) اور مولوی فخرالدین (مظفرآباد)۔ گوجر جاٹ کانفرنس نے سیاسی جماعت کی حیثیت سے ریاستی انتخابات میں بھی حصہ لیا۔

1951 میں کانفرنس کے بانی راہنما غلام حسین لسانوی نے میرپور کے مقام پر کانفرنس کا ایک اہم اجلاس منعقد کیا اور گوجر جاٹ کانفرنس کا نام تبدیل کر کے '' آل جموں کشمیر انجمن گوجراں'' رکھ دیا اور تنظیم کو سیاست سے الگ تھلگ رکھتے ہوئے خالصتاً سماجی اور رفائی انجمن قرار دیا۔

باب پنجم

جموں کشمیر

سیاسی و عوامی تحریکیں

1	کشمیر چلو موومنٹ
2	تحریک عدم ادائیگی مالیہ
3	کشمیر چھوڑ دو تحریک
4	کشمیر لبریشن موومنٹ
5	تحریک موئے مبارک
6	مسلح تحریک مزاحمت 1988

سیاسی و عوامی تحریکیں

ریاست جموں کشمیر میں ڈوگرہ دور حکومت میں اور بعد ازاں غیر ملکی تسلط کے خلاف چند بڑی سیاسی، عوامی اور مسلح تحریکیں اٹھیں۔ ان تحریکوں کے نتیجے میں عوامی بیداری اور سیاسی شعور کو فروغ ملا۔ چند تحریکوں کا مختصر احوال پیش خدمت ہے۔

کشمیر چلو موومنٹ

مجلس احرار اسلام ہند 1929ء میں قائم کی گئی۔ اس کا پہلا باقاعدہ اجتماع 11 جولائی 1931ء کو لاہور میں ہوا۔ اس کے بانیوں میں امیر افضل حق، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ظفر علی خان، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، شیخ حسام الدین اور مولانا مظہر علی اظہر شامل تھے۔ مجلس احرار سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے ہندو مسلم اتحاد کی حامی تھی۔ اس کا سیاسی طرز عمل آل انڈیا مسلم کانفرنس اور نیشنل کانگریس سے مماثلت رکھتا تھا لیکن انگریز دشمنی اور اسلام پسندی میں سخت طرز عمل رکھتی تھی۔

ڈوگرہ راج کے خلاف کشمیری مسلمانوں کی جدو جہد آزادی میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو زائل کرنے کے لیے مجلس احرار نے کشمیری مسلمانوں سے اظہار ہمدردی کی آڑ میں ''کشمیر چلو تحریک'' کا آغاز کیا۔ احراری کشمیر میں ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ کرنے لگے۔ احرار کے شعلہ بیان مقررین نے چند ہفتوں میں پنجاب بھر کے مسلمانوں میں ڈوگرہ راج کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دی۔ سارا پنجاب کشمیر چلو، کشمیر چلو، کے نعروں سے گونج اٹھا۔ سرخ پوش رضا کار جتھوں کی صورت میں دیوانہ وار کشمیر کی طرف بڑھنے لگے۔ سوچیت گڑھ سے لے کر کوہالہ پل تک ایک سرخ آندھی کشمیر کے افق پر چھا گئی۔ یہ رضا کار سوچیت گڑھ کے راستے جموں میں داخل ہوئے جنہیں ڈوگرہ فوج گرفتار کرنے لگی یہاں تک کہ ریاستی جیلیں بھر گئیں۔ ڈوگرہ حکومت نے اس یورش سے گھبرا کر وائسرائے کو مدد لیے پکارا چنانچہ پنجاب حکومت نے کشمیر کی طرف بڑھنے والے جتھے گرفتار کرنا شروع کر دیے۔ دو ماہ میں 45 ہزار احراری گرفتار ہوئے۔ انگریزی فوج میرپور اور جموں میں تعینات ہوئی۔ مہاراجہ کو یہ فوجی امداد معاہدہ امرتسر کی شرائط کے تحت دی گئی۔ نومبر دسمبر 1931ء میں یہ تحریک شدت سے جاری رہی۔ جنوری میں رمضان المبارک کے ساتھ تحریک سست پڑ گئی۔ عید کے بعد دوبارہ شروع کی گئی لیکن موثر نہ ہو سکی۔

تحریک عدم ادائیگی مالیہ

ڈوگرہ عہد میں میر پور کی 83 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ 17 فیصد ہندو یہاں کے کاروبار معاشرت اور نظام حکومت پر چھائے ہوئے تھے۔ سود در سود کے عمل نے میر پور کو ہندو سود خوروں، ساہوکاروں اور مہاجنوں کی آماجگاہ بنا رکھا تھا۔ غریب کسانوں کو مالیہ کے نام سے شہرت ملی۔ اس تحریک کا اعلان 25 دسمبر 1931ء کو جموں کے ایک عظیم اجتماع میں سردار گوہر رحمان خان نے کیا۔ انہیں اس تحریک کا ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا۔ انہوں نے سول نافرمانی کا اعلان کرتے ہوئے واضح کیا کہ فی الحال سول نافرمانی عدم ادائیگی مالیہ تک محدود رہے گی اور میر پور سے اس کا آغاز کیا جاتا ہے'' انہوں نے کاشتکاروں کو بغاوت پر اکسانے اور مالیہ کی عدم ادائیگی کے لیے ایک اشتہار بھی جاری کیا۔ ان دنوں غلہ کی قیمتیں اچانک گر گئی تھیں جس سے کسانوں کے ذریعہ معاش پر بڑا اثر پڑا۔ کسانوں سے ساڑھے بارہ فیصد مالیہ وصول کیا جاتا تھا۔ حکومت نے عوامی مطالبات کے پیش نظر پچیس فیصد کمی کر دی لیکن تحریک کے محرکین پچاس فیصد تک رعایت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ابتداء میں تحریک پر امن انداز سے شروع ہوئی لیکن جب ڈوگرہ فوج اور پولیس سنگینوں کی نوک پر مالیہ وصول کرنے لگی تو مسلمان اشتعال میں آ گئے۔

مہاراجہ نے تحریک کو دبانے کے لیے ہنگامی حالات کا قانون نمبر (۱۲) 1988ء بکرمی نافذ کر دیا جس کے مطابق پانچ پانچ افراد سے زائد پبلک اجتماع پر پابندی لگا دی گئی۔ میر پور کے ایک غیور حریت پسند راجہ اکبر خان نے جگہ جگہ اجتماعات منعقد کر کے ڈوگرہ قانون کے دھجیاں بکھیر دیں۔ 10 جنوری 1932ء کو آئی جی پولیس مسٹر لاتھر، گورنر جموں راجہ افضل خان اور وزیر وزارت سردار اکرم خان کی نگرانی میں فوج اور پولیس نے میر پور کے موضع اندارا پر چھاپہ مارا، عورتوں کے زیورات، گھر کا قیمتی سامان اور مال مویشی بحق سرکار ضبط کر لیے۔ لوگوں نے اس پر احتجاج کیا تو پولیس تشدد پر اتر آئی۔ خود آئی جی پولیس مسٹر لاتھر کی گولی سے ایک شخص گلاب دین ہلاک ہو گیا۔ اس سانحہ سے علاقہ میر پور میں کشیدگی پھیل گئی۔ تحریک تشدد کی شکل اختیار کر گئی۔ راجہ اکبر خان، مولوی عبداللہ سیاکھوی، مولوی عبدالکریم، سائیں لال بادشاہ، حاجی وہاب دین، غازی الٰہی بخش اور چوہدری صاحب دین نے اہم کردار ادا کیا چنانچہ یہ سب لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ یہ گرفتاریاں دفعہ 108 کرمنل کوڈ کے تحت عمل میں لائی گئیں۔ 7 جنوری 1932ء کو ہنگامہ آرائی شروع ہوئی جس نے مذہبی منافرت کی شکل اختیار کر لی۔ ساہوکاروں کو لوٹنا، ان کی املاک، مکانات، دکانوں اور بہی کھاتوں کو جلانا تحریک کا حصہ بن گیا۔ آنا فانا یہ تحریک راجوری، پونچھ، کوٹلی اور بھمبر تک پھیل گئی۔ مہاراجہ جب بے بس ہو گیا تو اس نے حکومت ہند کو مدد کے لیے

پکارا۔ 30 جنوری کو انگریزی فوج میرپور میں آکر متعین ہوگئی۔ ایک انگریز افسر مسٹر سالسبری کو میرپور کا ایڈمنسٹریٹر اور مسٹر جارڈین کو پونچھ کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا۔ مالیہ کی جبری وصولی اور مال مسروقہ کی برآمدگی کے دوران سیکڑوں مسلمان ظلم وتشدد کا نشانہ بنے۔ مارچ 1932ء میں کھڑی کے ہزاروں باشندے ہجرت کر کے جہلم چلے گئے۔ 14 اپریل کو سر محمد ظفر اللہ کی قیادت میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے زعماء کا ایک وفد وائسرائے ہند سے ملا اور اسے صورتحال سے آگاہ کیا۔ میرپور کے ایڈمنسٹریٹر مسٹر سالسبری اور کشمیر کمیٹی کے نمائندگان میں مذاکرات کے بعد مسلم ریلیف کمیٹی جہلم کی کاوشوں سے یہ مہاجرین گھروں کو واپس لوٹے اور یوں تحریک اپنے اختتام کو پہنچی۔

کشمیر چھوڑ دو تحریک

(Quit Kashmir Movement)

19 فروری 1946ء کو حکومت برطانیہ نے ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں سے مذاکرات کے ذریعے اس خطے کے آئینی مستقبل کے لیے ایک وفد ہندوستان بھیجا جس کی قیادت وزیر مملکت برائے امور ہند لارڈ پیتھک لارنس کر رہے تھے۔ تجارت بورڈ کے صدر سٹیفورڈ کرپس اور بحریہ کے فرسٹ سیکرٹری لارڈ اے وی الیگزنڈر پر مشتمل تھا۔ یہ وفد مارچ کو دہلی آیا اور 19 اپریل کو سرینگر پہنچا۔ کیبنٹ مشن کی آمد کے موقع پر نیشنل کانفرنس کی صدر شیخ محمد عبداللہ نے ڈوگروں کے سوسالہ موروثی نظام حکومت کے خاتمے کے لیے ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک کا آغاز کیا۔ اُس روز شیخ عبداللہ خود لاہور میں اپنے ہم خیال دوستوں سے صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ شیخ عبداللہ کے انہی دوستوں نے انہیں مہاراجہ کے خلاف تحریک چلانے کا مشورہ دیا تھا چنانچہ شیخ عبداللہ نے لاہور سے ہی ایک یادداشت کیبنٹ مشن کے نام سرینگر ارسال کی۔ اس یادداشت میں مہاراجہ کشمیر کے خلاف بے بنیاد اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کیا گیا تھا اور معاہدہ امرتسر کو تاریخی سیاق وسباق سے ہٹ کر پیش کیا گیا تھا نیز مہاراجہ کو غیر کشمیری اور غیر ملکی قرار دیتے ہوئے اسے اقتدار اعلیٰ چھوڑ کر وادی کشمیر سے نکل جانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس تحریک کے لیے جو نعرہ چُنا گیا تھا اس کے الفاظ تھے ''بیع نامہ امرتسر توڑ دو۔ کشمیر ہمارا چھوڑ دو'' شیخ عبداللہ کابینہ مشن کو یادداشت ارسال کرنے کے چند روز بعد سرینگر آگئے انہوں نے نیشنل کانفرنس کے مرکزی قائدین اور کارکنان کا اجلاس بلا کر اس تحریک کا عملی طور پر آغاز کیا۔ مئی کے پہلے عشرے میں شیخ کی جوشیلی تقاریر سے زبردست انداز سے تحریک کا آغاز ہوا۔ 22 مئی کو شیخ عبداللہ کو اس وقت گرفتار کر لیا گیا جب وہ براستہ جہلم دہلی روڈ نہرو کی خصوصی دعوت پر اُس سے ملنے ریاست سے باہر جا رہے تھے۔ انہیں گڑھی دوپٹہ کے قریب سراں کے مقام پر گرفتار کر لیا گیا اور بغاوت کا مقدمہ

درج ہوا۔ ہزاروں کارکن فوج اور پولیس سے مقابلہ کرتے ہوئے گرفتار یا زخمی ہوئے۔ مسلم کانفرنس نے اس تحریک کا ساتھ نہ دیا۔ میر واعظ مولانا یوسف شاہ نے ''کشمیر چھوڑ دو'' کے خلاف اور مہاراجہ کے حق میں فتویٰ دیا۔ شیخ عبداللہ اور دیگر راہنماؤں کی گرفتاری کے بعد تحریک دم توڑ گئی۔ البتہ تحریک کے غبارے میں دوبارہ اس وقت ہوا بھری گئی جب 20 جون کو پنڈت جواہر لعل نہرو شیخ عبداللہ کے مقدمے کی پیروی کے لیے کوہالہ سے ریاستی حکومت کی مرضی کے خلاف ریاست کی حدود میں داخل ہوئے تو مظفر آباد کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رائے بہادر کشن دھر نے انہیں بمعہ ساتھیوں کے گرفتار کر کے اوڑی کے ڈاک بنگلے میں پہنچا دیا۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول کی مداخلت پر پنڈت نہرو کو خصوصی طیارے کے ذریعے واپس دہلی بھیج دیا گیا۔ نہرو کی گرفتاری کی خبر سن کر کانگریسی حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن نہرو کے جلد ہی ریاست بدر کیے جانے کے بعد یہ تحریک آگے نہ بڑھ سکی۔ اس تحریک کے سبب شیخ عبداللہ کے خلاف بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا۔ (کشمیر چھوڑ دو تحریک کی تفصیلات جاننے کے لیے ملاحظہ فرمائیں راقم کی تصنیف ''کشمیریات'')۔

کشمیر لبریشن موومنٹ

یکم جنوری 1949ء کو UNO میں ہندوستان اور پاکستان نے محاذِ کشمیر پر جنگ بندی کا اعلان کرتے ہوئے اقرار کیا تھا کہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے جنگ کی بجائے مہذب انداز اختیار کیا جائے گا۔ جون 1958ء تک ٹھیک ساڑھے نو برس گزر چکے تھے۔ اس عرصے میں مسئلہ کشمیر کے فریقین کی بد نیتی اور سامراجی عزائم کے سبب سلامتی کونسل بے بس ہو گئی، پاکستان نے متعدد بار اپنی کمزوری اور نا اہلی کا مظاہرہ کیا اور ہندوستان ''وقت ٹپاؤ قدم جماؤ'' کی پالیسی پر کاربند رہا۔ بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ کو جنوری 1958ء میں رہا کر کے تین ماہ بعد اپریل میں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی گرفتاری کے خلاف کشمیری عوام سراپائے احتجاج بن گئے۔ بھارت نے کشمیری عوام کے احتجاج کو بزورِ طاقت کچلنے کی کوشش کی، لیکن پاکستان خاموش تماشائی بنا بیٹھا رہا۔ آزاد کشمیر میں محمد ابراہیم خان کی حکومت تھی جو وزارتِ امورِ کشمیر کی کٹھ پتلی بن کر رہ گئی تھی۔ غیرت مند کشمیری یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ان کے مرض کا علاج کوئی دوسرا نہیں کرے گا۔

ان حالات میں ممتاز کشمیری راہنما چوہدری غلام عباس نے 4 مئی 1958ء کو وزیر اعظم پاکستان ملک فیروز خان نون کو ایک مفصل خط لکھ کر تحریکِ آزادیٔ کشمیر کو نئے سرے سے منظم کرنے اور بھارتی مقبوضہ کشمیر میں شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے نتیجے میں پیدا شدہ صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے چند تجاویز پر عمل پیرا ہونے کی استدعا کی اور اس خط کے آخر میں لکھا کہ اگر ان تجاویز پر عمل نہ کیا گیا تو ہم

خود کوئی راست قدم اٹھائیں گے۔

ملک فیروز خان کو خط ارسال کرنے کے بعد چوہدری غلام عباس نے عوامی رابطہ مہم شروع کی، انہوں نے مختصر عرصے میں آزاد کشمیر اور مغربی پاکستان میں مہاجر بستیوں کے دورے کیے۔ ان کے ہمراہ راجہ حیدر خان، کرنل شیر احمد خان، قیوم خان، محمد یوسف صراف ایڈووکیٹ اور مولانا غلام حیدر جنڈالوی شامل تھے۔ ان حضرات نے بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کیا اور لبریشن کمیٹیاں تشکیل دیں۔

حکومت پاکستان نے چوہدری غلام عباس کو مذاکرات کے لیے کراچی بلایا۔ چند روزہ بات چیت کے بعد جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو چوہدری صاحب نے کراچی میں کشمیری رہنماؤں کا ایک مشاورتی اجلاس طلب کر لیا۔ اس میں کے-ایچ خورشید بھی شامل ہوئے۔ چنانچہ طے پایا کہ کراچی میں ایک بڑے جلسہ عام کا انعقاد کر کے اس موقع پر حد متارکہ جنگ (سیز فائر لائن) کو توڑنے کا اعلان کیا جائے۔ جنگ بندی لائن توڑنے کی تاریخ بعد میں مقرر کیے جانے پر اتفاق ہوا چنانچہ کراچی کے جہانگیر پارک میں ایک بڑے جلسہ عام کا انعقاد کیا گیا جس میں کم وبیش ایک لاکھ مندوبین نے شرکت کی۔ قائد تحریک چوہدری غلام عباس نے اعلان کیا کہ جون کے آخر پر حدِ متارکہ جنگ توڑ کر لاکھوں عوام کے ہمراہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں گے۔ 15 جون 1958ء کو راولپنڈی میٹروپول ہوٹل میں قائد تحریک چوہدری غلام عباس کی صدارت میں لبریشن کمیٹیوں کے کنوینرز کے کنونشن میں طے پایا کہ 28 جون 1958ء کو عیدالضحیٰ کے روز چناری کے راستے جنگ بندی لائن عبور کی جائے گی اور نماز عید بھارتی مقبوضہ کشمیر کے بھائیوں کے ساتھ ادا کی جائے گی۔ تحریک کا نام کشمیر لبریشن موومنٹ (K.L.M) تجویز ہوا۔ چوہدری غلام عباس اس کے سربراہ اور خواجہ محمد یوسف صراف ایڈووکیٹ سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔ مختلف شہروں کے لیے لبریشن کمیٹیاں تشکیل دی گئیں جن کی سربراہی عبدالقیوم خان، کرنل شیر احمد خان، راجہ محمد حیدر خان، غازی الٰہی بخش، قاضی خورشید عالم اور کے-ایچ خورشید شامل تھے۔ کے-ایچ خورشید کے-ایل-ایم کی ہائی کمانڈ کے رکن ہونے کے علاوہ کراچی لبریشن کمیٹی کے سربراہ بھی تھے۔ انہوں نے دیگر راہنماؤں کے شانہ بشانہ آزاد کشمیر اور پاکستان کے طوفانی دورے کیے اور عوام کے دلوں میں آزادی کا جذبہ اور جنگ بندی لائن توڑنے کی تحریک پیدا کی۔ حکومتِ پاکستان اور حکومتِ آزاد کشمیر نے اس اقدام کو بغاوت قرار دیا اور اسے روکنے کا عندیہ ظاہر کیا۔ اس وقت کے صدر آزاد کشمیر محمد ابراہیم خان نے کہا کہ یہ تحریک بھارت کے خلاف نہیں بلکہ ان کو حکومت سے ہٹانے کے لیے شروع کی گئی ہے۔ 27 جون کو چوہدری غلام عباس اور کے-ایچ-خورشید اپنے کارکنوں کے ہمراہ اگلے روز کے مجوزہ مارچ میں شرکت کے لیے راولپنڈی سے مظفر آباد جا رہے تھے کہ انہیں کوہالہ کے قریب گرفتار کر لیا گیا۔ پہلے پنڈی سنٹرل جیل لایا گیا اور پھر گھوڑا گلی سب جیل (مری)

میں نظر بند کر دیا گیا۔ ان راہنماؤں کی گرفتاری کی خبر سن کر عوام میں اشتعال پھیل گیا۔ آزاد کشمیر اور مہاجرین کشمیر کے پرامن جتھے ہزاروں کی تعداد میں مقررہ تاریخ کو جنگ بندی لائن کی طرف مارچ کرنے لگے۔ 28 جون 1958ء کو 313 رضا کاروں کا پہلا جتھہ چناری سے چکوٹھی کی طرف آگے بڑھا تو پولیس نے زبردست لاٹھی چارج کیا۔ سیکڑوں پولیس کے سپاہی اس جتھے پر ٹوٹ پڑے۔ آخر ان رضا کاروں کو گرفتار کر کے کاغان کے جنگلوں میں چھوڑ دیا گیا۔

''نہ نہرو سے نہ نون سے
کشمیر ملے گا خون سے''

یہ نعرہ کشمیر اور پاکستان کی فضاؤں میں گونج اٹھا۔ حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر نے دفعہ 144 نافذ کر دی۔ پنجاب سے کشمیر جانے والے تمام راستے بند کر دیئے گئے۔ اس کے باوجود سوچیت گڑھ، ساہنی، مدار پور اور چناری کی طرف روزانہ سیکڑوں لوگ یلغار کرتے۔ حکومت انہیں روکتی مار پیٹ کرتی اور گرفتار کر لیتی۔ تین ماہ کے عرصے میں تین لاکھ کشمیریوں نے اس تحریک میں حصہ لیا جن میں سے 60 ہزار باقاعدہ جنگ بندی لائن توڑنے کے لیے بارڈر تک گئے۔ میرپور سے تعلق رکھنے والے 10 رضا کار سالار محمد لطیف بھٹی کی قیادت میں سریا ساہنی کے محاذ سے جنگ بندی لائن توڑ کر بھارتی مقبوضہ کشمیر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ جنہیں ڈیڑھ برس بعد قید و بند کی صعوبتوں سے گزار کر 22 دسمبر 1959ء کو سوچیت گڑھ کے راستے پاکستان بھیج دیا گیا۔ ان رضا کاروں کے نام یہ ہیں، سالار محمد لطیف بھٹی، محمد یعقوب بھٹی، عبدالغفور، عبدالرشید، عبدالجمیل، محمد اسلم، نذر محمد، عاشق حسین، محمد رفیق اور محمد امین۔

تین ماہ تک وسیع پیمانے پر گرفتاریوں اور مار پیٹ کے سبب یہ تحریک بے جان ہو گئی۔ حکومت نے چالیس ہزار افراد کو گرفتار کر کے جیلیں بھر دیں۔

یکم جولائی 1958ء کو بھارتی وزیر داخلہ پنڈت پنت نے کے۔ ایل۔ ایم کے راہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کرنے پر حکومت پاکستان کو سراہا اور اُسے مشورہ دیا کہ وہ ان شرپسند عناصر کو سختی سے کچل دیں۔ اُسی روز مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے بھی سری نگر میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے چوہدری غلام عباس کی طرف سے شروع کی گئی اس تحریک پر کڑی نکتہ چینی کی۔ ادھر بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے اس تحریک کے بارے تشویش کا اظہار کیا۔

7 اکتوبر 1958ء کو جنرل محمد ایوب خان نے پاکستان میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ انہوں نے 13 اکتوبر کو اعلان کیا کہ تحریک آزادی کشمیر کے تمام قیدیوں کو جلد رہا کر دیا جائے گا چنانچہ 15 اکتوبر کو

تحریک کے قیدی مظفر آباد، پلندری، میر پور، راولپنڈی، گھوڑا گلی، کوہاٹ، مردان، کیمل پور، ہری پور، گجرات، گوجرانوالہ، ملتان، سیالکوٹ اور لاہور کی جیلوں سے رہا کر دیئے گئے۔

خواجہ محمد یوسف صراب اس تحریک کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حکومت پاکستان کی عاقبت نااندیشانہ پالیسی سے اس تحریک سے وہ خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ جن کے حصول کی توقع تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس تحریک سے بہت سے مفید نتائج برآمد ہوئے۔ ایک طرف جہاں اس کی بدولت مسئلہ کشمیر کی قومی اور بین الاقوامی سطح پر کافی پبلسٹی ہوئی۔ جو لاکھوں روپے خرچ کرنے سے بھی نہ ہو سکتی تھی۔ وہاں ہندوستان کے پالیسی سازوں کے ذہن میں بھی یہ بات جاگزین ہوئی کہ مقبوضہ کشمیر کو بزورِ شمشیر خاموش کرنے یا حکومت پاکستان کی خاموشی سے ہی یہ مسئلہ ختم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ پاکستان اور آزاد کشمیر میں بسنے والے پندرہ لاکھ کشمیری کسی بھی وقت ایک نازک صورت حال پیدا کر سکتے ہیں۔ اور ہندوستان و پاکستان کے باہمی تعلقات پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس تحریک سے جہاں ہم لوگوں نے مقبوضہ کشمیر میں بسنے والے ہموطنوں کی بارہ سالہ مصائب اور اُن کے جذبات کے ساتھ ہم آہنگی کا اظہار کیا۔ وہاں ہمیں اس یقین میں مزید اعتماد پیدا ہوا کہ آزاد کشمیر اور پاکستان میں بسنے والے کشمیریوں کی اپنے وطن سے محبت اور اس کی آزادی کے لئے قربانی دینے کا جذبہ بارہ برس کے صبر آزما جمود کے باوجود پوری شدت کے ساتھ موجود ہے۔ جو ہماری رائے میں آزادی وطن کے لئے ایک مبارک فال ہے۔''[1]

اس تحریک کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریک کے ایک سرگرم کارکن خواجہ عبدالصمد وانی لکھتے ہیں:

''جون 1958ء کی تحریک آزادی کشمیر کو ناکام تحریک نہیں کہا جا سکتا۔ اس تحریک نے 10 سال میں پہلی بار دنیا کو اس بات کا عملی ثبوت دیا کہ حد متارکہ جنگ کے اس طرف کشمیری عوام موجودہ صورت حال کو ہرگز قبول نہیں کریں گے اور وہ وقت آنے پر اپنے آپ کو پھر آزادی وطن کے لیے آگ اور خون کے سمندر میں ڈال سکتے ہیں''۔[2]

مرزا شفیق حسین کے۔ایل۔ایم کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

1۔ ''کے ایل ایم'' از خواجہ عبدالصمد وانی کاشمیری ص 14-15

2۔ ''کے۔ایل۔ایم'' از عبدالصمد وانی کاشمیری ص 297

''کے۔ایل۔ایم کا مقصد باؤنڈری لائن کو عبور کر کے مقبوضہ کشمیر کی حدود میں داخل ہونا اور دنیا کی توجہ مسئلہ کشمیر کی طرف مبذول کروانا تھا۔ 15 جون 1958ء کے اعلان میں اس بات کی وضاحت کی گئی تھی کہ یہ تحریک بالکل پرامن ہوگی اور صرف ریاستی عوام ہی اس میں شرکت کر سکیں گے۔ کیوں کہ کشمیریوں پر اپنے گھروں کو جانے کی پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔ اس طرح بین الاقوامی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ یہ تحریک اپنی نوعیت کے لحاظ سے مجلس احرار کی ''کشمیر چلو تحریک'' 1931ء سے ملتی جلتی تھی جس میں ہزاروں پنجابی مسلمانوں نے کشمیری مسلمانوں کے مطالبات کی حمایت میں ریاست جموں کشمیر میں داخل ہو کر گرفتاریاں پیش کی تھیں''۔ [1]

تحریک موئے مبارک

سرینگر میں جھیل ڈل کے کنارے نسیم باغ کے ایک گوشے میں حضرت بل مسجد تعمیر کی گئی۔ جس میں حضور ﷺ کا موئے مبارک محفوظ ہے۔ 1044ء میں حضور اکرم ﷺ کا یہ موئے مبارک مدینہ شریف سے ایک بزرگ سید عبداللہ ہندوستان لائے۔ یہ شاہجہان کا عہد حکومت تھا۔ اس کے بعد اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں یہ متبرک نشانی خواجہ نورالدین عشائی کے ذریعے وادی کشمیر میں پہنچی۔ یہاں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کر کے اسے ایک ٹیوب میں محفوظ کیا گیا ہے۔ کشمیری مسلمان اس موئے مبارک کا دل و جان سے زیادہ احترام کرتے ہیں اور گاہے بگاہے اس کی زیارت کرتے رہتے ہیں۔ نماز جمعہ کے بعد موئے مبارک کا دیدار عام ہوتا ہے۔

درگاہ حضرت بل سے موئے مبارک 26 اور 27 دسمبر 1963ء کی درمیانی شب کو چوری ہوگیا۔ سارے کشمیر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ کشمیری اس موئے مبارک کو دل و جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور اسی لیے کشمیر کو ''مدینہ ثانی'' کہتے ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی کشمیریوں کے دلوں میں ہندوستان سے نفرت کا آتش فشاں پھوٹ پڑا۔ کشمیر کی تو سیاسی و مذہبی جماعتوں نے ''مجلس عمل'' کے نام سے موئے مقدس کی بازیابی کے لیے ایک محاذ قائم کیا جس کا امیر میر واعظ مولوی محمد فاروق کو بنایا گیا۔ اس وقت کشمیر میں بخشی غلام محمد کی حکومت تھی۔ بھارتی حکومت کے خلاف پوری وادی میں نفرت اور احتجاج کی مہم دوڑ گئی۔ تحریک کے نتیجے میں بھارتی حکومت نے پوچھ گچھ اور امن و امان کے نام پر سیکڑوں لوگ گرفتار کیے۔ حکومت نے الزام لگایا کہ پاکستان کی خفیہ ایجنسی نے یہ کام کروانے کے لیے تین آدمیوں کو

---

[1] ''آزاد کشمیر ایک سیاسی جائزہ'' ص 234,35

استعمال کیا ان میں درگاہ کا متولی خواجہ عبدالرحیم بانڈے، عبدالرشید اور قادر بٹ شامل تھے۔

30 دسمبر کو رات کی تاریکی میں کوئی شخص چپکے سے موئے مبارک درگاہ میں رکھ گیا۔ موئے مقدس کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ 4 جنوری کو لال چوک میں ایک بڑا جلسہ عام منعقد ہوا جس میں مطالبہ کیا گیا کہ موئے مبارک کو درگاہ میں رکھا جائے۔ اس کی شناخت کروائی جائے۔ واقعہ کی چھان بین کروائی اور گرفتار شدگان کو رہا کیا جائے۔ چنانچہ مکمل شناخت کے بعد 11 جنوری 1963ء کو موئے مبارک درگاہ میں رکھ دیا گیا۔ موئے مقدس کی چوری کے واقعہ کی آڑ میں کشمیریوں کے جذبات کو ہندوستان کے خلاف بھرپور استعمال کیا گیا۔

تحریک مزاحمت 1988ء

کشمیری عوام جو ایک طویل عرصہ سے شخصی راج کے خلاف اور ایک آزاد جمہوریہ جموں کشمیر کے لیے جدوجہد کر رہے تھے ان کی جدوجہد کو سبوتاژ کرتے ہوئے 1947 میں جب پاکستان اور پھر ہندوستان نے طاقت کے زور پر کشمیر پر قبضہ جمانے کے لیے کشمیر کو مسلح جارحیت کا نشانہ بنایا تو یہ جدوجہد ایک نئے لیکن مشکل ترین مرحلے میں داخل ہوگئی۔ ریاست دو حصوں میں تقسیم ہوگئی اور پڑوسی ممالک نے یہاں اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے۔ ریاست کا وہ حصہ جو بھارت کے قبضے میں چلا گیا وہاں بھارت مخالف جذبات ابھرنے لگے۔ 1947 سے لے کر 1987 تک ان جذبات میں اتار چڑھاؤ آتا رہا۔ 1987 میں کشمیر اسمبلی کے لیے انتخابات ہوئے ان انتخابات میں بھارت مخالف جماعتوں نے مسلم متحدہ محاذ (MUF) کے پلیٹ فارم سے انتخاب میں حصہ لیا لیکن محاذ کے امیدواروں کو جور و جبر اور دھاندلی کے ذریعے شکست سے دوچار کر دیا گیا۔ بھارت نواز جماعتوں نے ان انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ اس صورتحال میں بھارت مخالف جذبات کو ابھرنے کا موقع ملا۔ پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں داخل ہونے اور وہاں بھارت مخالف سرگرمیوں کا جال پھیلانے کا منصوبہ بنایا۔ افغانستان کی جنگ سے طویل تجربہ حاصل کرنے کے بعد اب آئی ایس آئی کو بھارت کے خلاف صف آرا ہونے کا موقع میسر آ گیا تھا۔ چنانچہ آئی ایس آئی کے ایجنٹوں اور اہلکاروں نے بھارتی مقبوضہ کشمیر کے نو عمر لڑکوں اور جوشیلے نوجوانوں کو خفیہ طور پر جنگ بندی لائن یا نیپال کے راستے پاکستان میں لانے اور انہیں یہاں تربیت دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سلسلے میں ایک کشمیری تنظیم JKLF جو خالصتاً سیاسی محاذ پر جدوجہد کے لیے 1976 میں برطانیہ میں قائم کی گئی تھی۔ اسے استعمال میں لانے کا فیصلہ کیا گیا۔ پاکستان آرمی اور آئی ایس آئی کے اعلیٰ عہدیداروں نے جے کے ایل ایف کے راہنماؤں سے تفصیلی ملاقاتیں

گیں۔ ان ملاقاتوں میں طے پایا کہ وادی کشمیر میں بھارت مخالف آپریشن ٹوپیک شروع کیا جائے گا۔ بظاہر اور میڈیا کے محاذ پر ان کارروائیوں کی ذمہ داری JKLF اٹھائے گا۔ لبریشن فرنٹ ہی وادی کے نوجوانوں کو اپنی تنظیم میں شامل کر کے انہیں خفیہ راستوں سے آزاد کشمیر اور پاکستان تک لائے گا۔ اس سمجھوتے کے بعد وادی کشمیر سے نوجوانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ نہایت رازداری سے وہ پاکستانی فوج اور آئی ایس آئی کے قائم کردہ تربیتی مراکز میں جدید اسلحہ کے استعمال کی تربیت حاصل کرنے لگے۔ اس تحریک کی ابتداء میں وادی کشمیر کے جو نوجوان پیش پیش تھے ان میں چار نوجوانوں کو خاصی شہرت ملی۔ ان میں حمید شیخ، اشفاق مجید وانی، جاوید احمد میر اور یاسین ملک شامل تھے۔ ان چاروں نوجوانوں کے ناموں کے پہلے حروف ملائیں تو لفظ حاجی (ح ا ج ی) بنتا ہے۔ چنانچہ یہ نوجوان JKLF میں شامل ہوئے اور حاجی گروپ کے نام پر عسکری کارروائیاں کرنے لگے۔ آئی ایس آئی کے ساتھ اس منصوبہ بندی میں JKLF کے مرکزی قائدین امان اللہ خان، ڈاکٹر فاروق حیدر، سردار رشید حسرت اور راجہ مظفر خان شامل تھے۔ ان اعلیٰ سطحی ملاقاتوں میں امریکی سی آئی اے کے ایجنٹ میں شریک ہوتے رہے۔ تنظیم کو عسکری کارروائیوں کے علاوہ فنڈز جمع کرنے کا ٹاسک بھی دیا گیا۔ چنانچہ JKLF نے کشمیری عوام سے عسکری یا جہادی سرگرمیوں کے لیے فنڈز جمع کرنے کا سلسلہ وسیع پیمانے پر شروع کیا۔ برطانوی کشمیریوں نے جے کے ایل ایف کو بے حساب مالی مدد فراہم کی۔ مکمل تیاری کے بعد 31 جنوری 1988ء کو جے کے ایل ایف کے ایک مسلح گروہ نے سرینگر میں امر سنگھ کلب اور سنٹرل پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف آفس میں بم دھماکوں سے مسلح تحریک مزاحمت کی ابتداء کی۔ اس کارروائی میں جن نوجوانوں نے حصہ لیا ان میں ہمایوں آزاد، جاوید جہانگیر، شبیر احمد گرد، ارشد کول، غلام قادر راتھر اور محمد رفیق شامل تھے۔[1]

اعلانیہ طور پر تحریک شروع ہوتے ہی دنیا بھر میں آباد کشمیریوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ کشمیر کی آزادی کی کوئی حقیقی اور سنجیدہ کوشش ہے چنانچہ انہوں نے JKLF کو بے پناہ مالی وسائل مہیا کیے۔ ڈیڑھ برس تک عسکری کارروائیوں کے محاذ پر جے کے ایل ایف کا طوطی بولتا رہا۔ وادی کے لوگ بے پناہ جوش و جذبے سے اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے پاکستان کی جہادی تنظیموں اور جنگ جوؤں نے بھی اس تحریک میں شامل ہونے کی تیاریاں کرلیں۔ ISI نے اس تحریک کو وسعت دینے کے لیے بیسیوں تنظیمیں قائم کر کے انہیں مقبوضہ کشمیر بھیجنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان تنظیموں نے مذہبی جنونی گروپوں کی شکل اختیار کر کے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں معصوم لوگوں کے قتل عام، جے کے ایل ایف کے خلاف حملے،

---

[1] ''جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے 30 سال'' صفحہ 11

مذہبی ومقدس مقامات کو تباہ و برباد کرنے اور املاک کی تباہی جیسے گھناؤنے اقدامات شروع کر دیئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پاکستانی جہادی قیادت نے اس تحریک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور جے کے ایل ایف کو پس منظر میں دھکیل دیا۔ جماعت اسلامی جو شروع میں مسلح تحریک کی مخالف تھی اس نے بھی ISI کو اپنا کندھا پیش کیا اور حزب المجاہدین کے نام سے عسکری تنظیم قائم کر دی۔ حزب المجاہدین کو JKLF کی کمر توڑنے اور نمایاں اور موثر شخصیات کو قتل کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ حزب المجاہدین کے قیام اور پاکستان نواز جہادی تنظیموں کے غالب آنے کے بعد تحریک مزاحمت اپنے اصل مقاصد سے ہٹ کر انتشار اور فساد کی شکل اختیار کر گئی۔ ISI نے لشکر طیبہ کے نام سے ایک ایسی تنظیم قائم کی جس کے پیش نظر براہ راست بھارت پر حملہ آور ہونا تھا۔ گزشتہ دو دہائیوں سے یہ تحریک مزاحمت بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جاری ہے۔ 9/11 کے واقعہ کے بعد یہ تحریک کافی حد تک کمزور ہو چکی ہے۔ تحریک میں پیش پیش جہادی تنظیمیں دہشت گرد تنظیمیں قرار دے دی گئی ہیں۔ مقامی کشمیری تنظیمیں مسلح جدوجہد سے کنارہ کش ہو کر پرامن جدوجہد میں مصروف ہیں۔ چونکہ اس تحریک کی پلاننگ پالیسی اور قیادت مقامی کشمیری تنظیموں کے ہاتھ میں نہیں تھی اس لیے آئی ایس آئی کی پشت پناہی کے بعد بہت سی تنظیمیں جو صرف لانچنگ منی، چندے اور وظیفوں پر گزارہ کر رہی تھیں ختم ہو چکی ہیں۔

گزشتہ دو دہائیوں سے وادی کشمیر میں جاری تحریک مزاحمت کے نتیجے میں ISI نے کشمیری عوام کے جذبات احساسات اور ان کے جذبہ آزادی کو بری طرح پامال کر کے رکھ دیا ہے۔ اس تحریک کی آڑ میں کشمیری عوام اور کشمیری جماعتوں کے درمیان تفریق اور انتشار کو بھی خوب تقویت دی گئی ہے۔ ایک لاکھ سے زائد قیمتی جانوں کی قربانی دینے اور عزتوں، عصمتوں کو لٹوانے، غربت وافلاس کا شکار ہونے کے باوجود کشمیری اپنی آزادی کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھ سکے۔

باب ششم

جموں کشمیر

کمیشن، کمیٹیاں، قراردادیں

1	دلال کمیشن
2	گلانسی کمیشن
3	فرنچائز کمیٹی
4	گنگا ناتھ کمیشن
5	نیا کشمیر
6	فری کشمیر ریزولیشن
7	قرارداد الحاق پاکستان
8	یو این کمیشن برائے انڈیا، پاکستان
9	اقوام متحدہ کی قراردادیں

دلال کمیشن

13 جولائی 1931ء کے روح فرسا سانحہ کے نتیجے میں بڑھتے ہوئے عوامی اضطراب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے مہاراجہ ہری سنگھ نے اعلان کیا کہ ریاست کے چیف جسٹس سر برجور دلال کی سرکردگی میں ایک کمیشن مقرر کیا گیا ہے جو سرینگر، اسلام آباد اور شوپیاں میں قتل عام کے واقعات کی چھان بین کرے گا۔ میر واعظ مولانا یوسف شاہ، مولوی عبداللہ وکیل، خواجہ غلام احمد عشائی اور خواجہ سعدالدین شال کو اس کمیشن کا ممبر بننے کی پیش کش کی گئی لیکن انہوں نے یہ پیشکش قبول نہ کی چنانچہ دو سرکاری ارکان جسٹس عبدالقیوم اور جسٹس بی آر ساہنی کو کمیشن میں شامل کیا گیا۔ دلائل کمیشن کے سامنے عوامی حلقوں نے پیش ہونے سے انکار کر دیا۔ مسلمان ان واقعات کا ذمہ دار حکومت کو ٹھہرا رہے تھے اور واقعات میں ملوث سرکاری اہلکاروں کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کر رہے تھے، جموں اور سرینگر میں دلال کمیشن کا جنازہ نکالا گیا اور حکومت کی مذمت کی گئی۔ یوں یہ کمیشن ناکام ہو گیا۔

گلانسی کمیشن

13 جولائی 1931ء کے واقعات کے بعد مسلمانان ریاست جموں کشمیر اپنے حقوق کے لیے منظم جدوجہد کی طرف متوجہ ہوئے چنانچہ انہوں نے اپنی شکایات و تکالیف مہاراجہ اور برطانوی حکومت کو تحریری طور پر پیش کیں۔ برطانوی حکومت نے ان رپورٹس کا نوٹس لیا اور مہاراجہ کو تحقیقات کا حکم دیا۔ چنانچہ 12 نومبر 1931ء کو مہاراجہ نے ان شکایات و مطالبات کی تحقیقات کے لیے سربی جے گلانسی کی صدارت میں ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جس میں چار غیر سرکاری ارکان بھی شامل کیے گئے۔ صوبہ کشمیر سے مسلمانوں کی نمائندگی غلام احمد عشائی کو سونپی گئی اور غیر مسلمانوں کی نمائندگی پنڈت پریم ناتھ بزاز کے حصے آئی جبکہ صوبہ جموں سے مسلمانوں کی نمائندگی چوہدری غلام عباس اور غیر مسلموں کی نمائندگی لوک ناتھ شرما کو دی گئی۔ نومبر 1931ء کے آخری ہفتے میں کمیشن نے سرینگر میں کام شروع کیا۔ ابھی دو ہفتے گزرے تھے کہ صوبہ جموں کے ہندوؤں نے کمیشن کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا اور اپنا نمائندہ واپس بلا لیا۔ نمائندہ اس لیے واپس بلایا کہ کمیشن ہندوؤں کے حق وراثت کے قانون کو زیر بحث نہ لائے نیز ہندوؤں کو خدشہ تھا کہ کمیشن نے اگر اپنا کام مکمل کر لیا تو اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو آئینی و سیاسی بالادستی حاصل ہو جائے گی۔ مسٹر پریم ناتھ بزاز پر بھی کمیشن سے علیحدہ ہونے کے لیے دباؤ ڈالا گیا لیکن انہوں نے یہ دباؤ قبول نہ کیا۔

گلانسی کمیشن کے سامنے لوگوں نے تحریری اور زبانی شکایات و مطالبات پیش کئے جن کی چھان بین کی گئی۔ 22 مارچ 1932ء کو کمیشن نے اپنا کام مکمل کر کے جموں میں مہاراجہ کو رپورٹ پیش کی جس پر مہاراجہ نے 10 اپریل 1932ء کو دستخط کئے۔ مہاراجہ نے کمیشن کی سفارشات پر عمل کرنے کا یقین دلایا۔ اس طرح آئینی جدوجہد کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ کمیشن کی سفارشات حسب ذیل تھیں۔

۱۔ مذہبی عبادات کی واگزاری

۲۔ اذان کی آزادی

۳۔ تبدیلی مذہب کی آزادی

۴۔ تعلیمی اصلاحات کا نفاذ

۵۔ سرکاری ملازمتوں میں آبادی کے تناسب سے حصہ

۶۔ مالکانہ حقوق اراضی

وزیر اعظم کالون پر ہندوؤں نے دباؤ ڈالا کہ گلانسی کمیشن کی سفارشات پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔ پنڈتوں نے اس کے جواب میں روٹی موومنٹ شروع کی جس کا نعرہ تھا'' نوجوانو بیدار ہو جاؤ اٹھو اور روٹی کا مطالبہ کرو'' پنڈت جیالعل کلم اور کشپ بندھو اس تحریک کی پشت پر تھے۔

فرنچائز کمیٹی

گلانسی کمیشن کی سفارشات اور مسلمانان ریاست کے مطالبہ کے پیش نظر مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست میں ایک قانون ساز اسمبلی کے قیام کے لیے ضروری امور کا جائزہ لے کر سفارشات پیش کرنے کے لیے 31 مئی 1932ء کو درج ذیل اشخاص پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی۔

۱۔	چیف جسٹس سر برجور دلال	صدر
۲۔	مسٹر ایل ڈبلیو جارڈین	نائب صدر
۳۔	خان بہادر عبدالقیوم	رکن
۴۔	ٹھاکر کرتار سنگھ	رکن
۵۔	رام ناتھ شرما	سیکرٹری

24 مارچ 1933ء کو مسٹر آئی یو ایلیٹ اور ہیرا نند رینہ نے بالترتیب مسٹر جارڈین اور رام ناتھ شرما کی جگہ لے لی۔

فرنچائز کمیٹی نے 20 جنوری 1934ء کو اپنی سفارشات مہاراجہ ہری سنگھ کو پیش کیں اور حسب

ذیل شرائط کے حامل اشخاص کو حق رائے دہی کے اہل قرار دیا۔

ذیلدار، سفید پوش، نمبردار، امام مسجد، مفتی، ہندو منادر کے اوہشاد، گرد واروں کے گرنتھی، عیسائی پادری، خطاب یافتہ، ملازم، پنشن یافتہ، سرکاری افسر، وکیل، حکیم وید، مدرس، وکلاء، ڈاکٹر، مڈل یا اس کے مساوی تعلیم یافتہ، 20 روپے سالانہ لگان ادا کرنے والے، کم از کم 600 روپے غیر منقولہ جائیداد رکھنے والے، بکر والوں کے سوا کم از کم 20 روپے سالانہ کاہ چرائی ادا کرنے والے، معافی دار، گزارہ خوار، عمر کی حد 25 سال مقرر کی گئی۔

اسمبلی کے امیدوار کے لیے حسب ذیل شرائط رکھی گئیں۔

۱۔ 25 سال سے کم عمر نہ ہو۔ ۲۔ اردو زبان پڑھ اور لکھ سکتا ہو۔

دیوالئے، عورتیں اور کسی فوجداری عدالت سے چھ ماہ سے زائد سزا پانے والے، اختتام سزا سے 5 سال تک اسمبلی ممبر منتخب نہیں ہو سکتے تھے۔ کمیٹی کی سفارشات کے مطابق مجوزہ اسمبلی کے کل ارکان کی تعداد 75 رکھی گئی ان میں منتخب ارکان 33، نامزد 14، سٹیٹ کونسلرز 16، سرکاری ممبر 12، مختلف فرقوں کی نمائندگی حسب ذیل رکھی گئی۔

مذہب	منتخب ممبران	نامزد ممبران	سٹیٹ کونسلرز	سرکاری ممبر
مسلم	21	6	5	2
ہندو	10	5	10	10
سکھ	2	1	1	x
بدھ	x	2	x	x
	33	14	16	12

کل اراکین اسمبلی 75

گنگا ناتھ کمیشن

مارچ 1943ء میں مسٹر این جی آئنگر کو وزارت عظمیٰ سے الگ کر کے ان کی جگہ 19 اپریل 1943ء کو مہاراج سنگھ کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا، مہاراج سنگھ پنجابی عیسائی تھا وہ شریف النفس، دور اندیش اور عوامی سوچ کا آدمی تھا اس نے ریاستی عوام میں اپنے حقوق کا شعور بیدار کیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کو وزیر اعظم مہاراج سنگھ کی سرگرمیاں پسند نہ تھیں چنانچہ اس نے اسے برطرف کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہری سنگھ کو اس کے مشیروں نے مشورہ دیا کہ مہاراج سنگھ کو برطرف کرنے سے پہلے عوامی مسائل کا جائزہ لینے اور ان کے حل کے لیے

ایک کمیشن مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ 12 جولائی 1943ء کو چیف جسٹس رائے بہادر گنگا ناتھ (صدر پرجا سبھا) کی سربراہی میں ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کر دیا۔ مہاراج سنگھ کو وزارت عظمیٰ کی کرسی پر ابھی تین ماہ ہی گزرے تھے۔ کمیشن کے تقرر کو اس نے اپنے وقار کے منافی خیال کرتے ہوئے 26 جولائی 1943ء کو استعفیٰ دے دیا۔

تحقیقاتی کمیٹی کے دائرہ کار میں ریاست کی سلامتی، حفاظت، نظم ونسق کی اصلاح، سیاسی، سماجی، معاشرتی اور اقتصادی اصطلاحات کا نفاذ اور ریاست کے اقتصادی وسائل کی تلاش کے امکانات شامل تھے۔ دراصل کمیشن کے ممبران میں نیشنل کانفرنس کے مرزا افضل بیگ اور غلام احمد صادق شامل تھے۔ دیگر ممبران میں راجہ اللہ داد خان، وزیر گنگا رام، امرناتھ کاک، لالہ شوناتھ نندہ، رائے بہادر، مسٹر اے این پوری، رنجن نونوں، جیو پنگ سنار سنگھمی کرنل، سردار دھیان سنگھ، پریم ناتھ بزاز، مسٹر ندرا موہن شاستری، تیج رام وزیر، شیخ عزیز الدین، سلطان آف کٹھائی، رحمت خاں چوہدری اور آغا شیر علی شامل تھے۔

تحقیقاتی کمیشن میں ہندو اراکین کی اکثریت کے سبب کارکردگی ناتسلی بخش رہی۔ مسلم کانفرنس نے کمیشن پر عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ شروع میں نیشنل کانفرنس نے تعاون کیا لیکن چند ماہ بعد اس نے بھی اپنے نمائندے واپس بلا لیے۔ اکتوبر 1944ء میں گنگا ناتھ نے ارکان کمیشن کے دستخطوں سے تحقیقاتی رپورٹ مہاراجہ کو پیش کر دی۔

نیا کشمیر

30,29 ستمبر 1944ء کو نیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس سوپور میں شیخ محمد عبداللہ کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ''نیا کشمیر'' کی عنوان سے ریاست کی سیاسی اقتصادی، تہذیبی اور معاشرتی ترقی کے لیے ایک منشور پیش کیا گیا۔ یہ منشور نیشنل کانفرنس کا مطمع نظر قرار پایا۔ یہ منشور شیخ محمد عبداللہ کے ایک پنجابی دوست بی پی ایل بیدی نے مرتب کیا۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر، کے ایم اشرف، دانیال لطیفی، اور احسان دانش کی آرا اس میں شامل تھیں۔ اس منشور میں ایک آزاد، خوشحال اور جمہوریت و مساوات پر مبنی معاشرے کے قیام کا تصور پیش کیا گیا تھا۔

''نیا کشمیر'' ریاست جموں کشمیر کے لیے ایک نئے سیاسی واقتصادی نظام کا مفصل خاکہ تھا جس کی ابتداء میں قومی اعلان کے طور پر حسب ذیل عہد کیا گیا تھا۔

''ہم باشندگان جموں، کشمیر، لداخ، سرحدی اضلاع، علاقہ ہائے پونچھ، چھنی (جنہیں عام اصطلاح میں باشندگان جموں کشمیر کہتے ہیں) مکمل مساوات اور خودمختاری کی فضا میں اپنے اعتماد کی تکمیل کے لیے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو ہمیشہ کے لیے پامالی، مفلسی، تذلیل اور توہمات کے عمیق غار سے نجات دلانے

کے لیے زمانہ جہالت کے اندھیرے اور لاعلمی سے بچا کر آزادی اور سائنس کی روشنی میں دیانت دارانہ محنت سے مشفقانہ حکومت کے تحت پر امن اور خوشحال وادی میں پہنچانے کے لیے مشرق کی مخلوق اور دنیا بھر کے محنت کش عوام کی صف میں شامل ہو کر اپنا تاریخی فرض انجام دینے کے لیے اور اپنے پیارے وطن کشمیر کی بر فیلی پیشانی پر چمکتا ہوا ہیرا بنانے کے لیے اپنی ریاست کا حسب ذیل آئین تجویز کرتے ہیں اس کی تائید کرتے ہیں اور اس کی حمایت کا عہد کرتے ہیں''۔

فری کشمیر ریزولیشن

نیشنل کانفرنس کی تحریک ''کشمیر چھوڑ دو'' کے مقابلے میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے سرینگر میں 9,8 جون 1946ء کو ایک اہم اجلاس میں **آزاد کشمیر** (Free Kashmir) قرارداد پاس کی۔ اس اجلاس کی صدارت میر واعظ مولانا یوسف شاہ نے جبکہ شرکاء اجلاس میں چوہدری غلام عباس، چوہدری حمید اللہ خان، چوہدری عبداللہ خاں بھلی، کرنل پیر محمد خان، مسٹر اللہ رکھا ساغر، سردار یار محمد خان، سید نذیر حسین شاہ، عبدالرحیم خان درانی، میجر علی احمد شاہ، قریشی محمد یوسف، مولوی محمد امین، قاضی عبدالغنی دلنہ، میر واعظ مولوی محمد عبداللہ، خواجہ غلام دین وانی، خواجہ محمد یوسف صراف اور مسٹر عبدالغنی وغیرہ شامل تھے۔ مجلس عاملہ نے فری کشمیر کو اپنا مطمع نظر قرار دیا اس اجلاس میں جو قرارداد پیش کی گئی اس کا کچھ متن حسب ذیل ہے۔

''ریاست جموں کشمیر کے مطلق العنان اور غیر ذمہ دار نظام حکومت کو فی الفور ختم کر دیا جائے اور عوام کو اپنی پسند کا آئین بنانے کا پورا پورا اختیار دیا جائے جو اپنے مخصوص حالات کے مطابق آزاد کشمیر کے لیے جس طرز کا آئین چاہیں مرتب کریں۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لیے جموں کشمیر کے لیے ایک آئین ساز اسمبلی کا قیام از بس ضروری ہے۔ مجلس عاملہ مہاراجہ کشمیر سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے موجود الوقت فرسودہ اسمبلی کو توڑ کر اس کی جگہ فی الفور مطلوبہ اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے جو وسیع حق رائے دہی کے ساتھ ساتھ تمام تر منتخب ممبران پر مشتمل ہو اور جس مین ہر قوم و فرقہ کے تناسب آبادی کے لحاظ سے جداگانہ حق نیابت کے ذریعے حق نمائندگی حاصل ہو اور اس اسمبلی کو ریاست جموں کشمیر کے عوام کے لیے اپنی مرضی کا آئین حکومت بنانے کا اختیار سونپا جائے۔ مجلس عاملہ کو توقع ہے کہ ہز ہائینس مہاراجہ کشمیر بدلے ہوئے حالات، سارے ہندوستان کے مفاد اور اہل ریاست کی بہتری کے پیش نظر عوام کو اپنی تقدیر کا خود فیصلہ کرنے کے جائز حق کو تسلیم کر لیں گے۔ مجلس عاملہ واضح طور پر اعلان کرتی ہے کہ اگر مندرجہ بالا مطالبات کے برعکس حکومت کشمیر نے کوئی اور راہ اختیار کی تو نہ صرف یہ کہ مسلم کانفرنس اس کو قبول نہیں کرے گی بلکہ پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اس کی مزاحمت کرے گی اور حکومت کو کبھی بھی اجازت نہیں دے گی کہ وہ مسلم عوام کی خواہشات

کے برعکس من مانی کر سکے''۔

18 جون 1946ء کو مسلم کانفرنس کے راہنما آغا شوکت علی اور خواجہ غلام محمد جیولر دہلی میں قائداعظم سے ملے۔ 21 جون کو چوہدری غلام عباس بھی قائداعظم سے ملے قائداعظم نے مسلم کانفرنس کے ان راہنماؤں کو مشورہ دیا کہ آپ ''Free Kashmir'' کے لیے جدوجہد کریں۔

قرارداد الحاق پاکستان

19 جولائی 1947ء کو سرینگر کے محلہ آبی گزر میں مسلم کانفرنس کے راہنما محمد ابراہیم خاں کی رہائش گاہ واقع ہاؤس بوٹ پر مسلم کانفرنس کے چند ممبران کا اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں عبدالرحیم درانی نے ایک قرارداد پیش کی جسے قرارداد الحاق پاکستان کہا جاتا ہے۔ قرارداد کا متن حسب ذیل ہے۔

(الف) آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن اس قرارداد کے ذریعے قیام پاکستان پر اپنے اطمنان قلبی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے قائداعظم کو اپنی مبارک باد پیش کرتا ہے۔

(ب) برصغیر کی ریاستوں کے عوام کو امید تھی کہ وہ برطانوی ہندوستان کے دوسرے باشندوں کے دوش بدوش قومی آزادی کے مقاصد کو حاصل کریں گے اور تقسیم ہندوستان کے ساتھ جہاں برطانوی ہندوستان کے تمام باشندے آزادی سے ہمکنار ہوئے ہیں وہاں 3 جون کے اس اعلان نے برصغیر کی نیم خودمختار ریاستوں کے ہاتھ مضبوط کئے ہیں اور جب تک یہ مطلق العنان حکمران وقت کے جدید تقاضوں کے سامنے سرتسلیم خم نہ کریں ہندوستانی ریاستوں کے عوام کا مستقبل بھی بالکل تاریک رہے گا۔ ان حالات میں ریاست جموں کشمیر کے عوام کے سامنے تین راستے ہیں۔

۱۔ ریاست کا بھارت سے الحاق

۲۔ ریاست کا پاکستان سے الحاق

۳۔ کشمیر میں ایک آزاد اور خودمختار ریاست کا قیام

مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن بڑے غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ جغرافیائی، اقتصادی، لسانی، ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق نہایت ضروری ہے کیونکہ ریاست کی آبادی کا 80 فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور پاکستان کے تمام بڑے دریا جن کی گزرگاہ پنجاب ہے کے منبع وادی کشمیر میں ہیں۔ ریاست کی سرحدیں تو پاکستان کی سرحدوں سے پہلے ہی ملحق ہیں اور ریاست کے عوام بھی پاکستان کے ساتھ مذہبی، ثقافتی اور اقتصادی رشتوں میں مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ریاست کا الحاق پاکستان سے کیا جائے۔ یہ کنونشن مہاراجہ کشمیر سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کشمیر کے عوام کو

داخلی طور پر خود مختاری دی جائے اور مہاراجہ ریاست کے آئینی سربراہ کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے ریاست میں ایک نمائندہ قانون ساز اسمبلی تشکیل کریں اور دفاع، مواصلات، اور امور خارجہ کے محکمے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے سپرد کر دیئے جائیں۔ کنونشن یہ قرار دیتا ہے کہ اگر حکومت کشمیر نے ہمارے یہ مطالبات تسلیم نہ کیے اور مسلم کانفرنس کے اس مشورے پر کسی داخلی یا خارجی دباؤ کے تحت عمل نہ کیا گیا اور ریاست کا الحاق ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی سے کر دیا گیا تو کشمیری عوام اس فیصلے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنی تحریک آزادی پورے جوش و خروش سے جاری رکھیں گے"۔

یو این کمیشن برائے انڈیا، پاکستان (UNCIP)

21 اپریل 1948ء کو اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر پر ایک قرارداد منظور ہوئی جسے بنیادی قرارداد کی اہمیت حاصل ہے۔ اس قرارداد میں طے پایا کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے ضروری امور کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا جائے چنانچہ 7 مئی 1948ء کو UNCIP کے نام سے سلامتی کونسل کے پانچ ممبرز پر مشتمل ایک کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔ سلامتی کونسل نے بلجیم اور کولمبیا کو ممبر نامزد کیا۔ بھارت نے چیکوسلواکیہ اور پاکستان نے ارجنٹائن کو جبکہ ان چاروں ممالک نے مل کر امریکہ کو نامزد کیا۔ مسئلہ کشمیر کا ممکنہ حل تلاش کرنے اور اس پر عمل درآمد کا جائزہ لینے کے لیے اس کمیشن کا پہلا اجلاس 15 جون 1948ء کو جنیوا میں شروع ہوا جس میں تفصیلی طریقہ کار طے کیا گیا۔ جولائی 1948ء کے اوائل میں کمیشن کے ارکان برصغیر پہنچے اور انہوں نے جنگ بندی اور رائے شماری جیسے اہم معاملات پر پاکستان اور بھارت سے بات چیت شروع کی لیکن دونوں ملکوں کی ضد اور ہٹ دھرمی آڑے آئی۔

بعد ازاں کمیشن کے کئی نمائندہ وفود مختلف تجاویز لے کر کئی بار کراچی اور نئی دہلی آئے لیکن دونوں فریقین "**وقت گزارو اور قبضہ جماؤ**" کی پالیسی پر عمل پیرا رہے چنانچہ کمیشن کی انتہائی مخلصانہ کوششیں رائیگاں گئیں اور کشمیریوں کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

یو این کمیشن برائے انڈیا اور پاکستان نے 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کو دو تاریخی قراردادیں پاس کیں جو بین الاقوامی سطح پر مسئلہ کشمیر کی اساس ہیں۔

قرارداد 13 اگست 1948ء

قرارداد جو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوستان اور پاکستان نے 13 اگست 1948ء کو منظور کیا

اقوام متحدہ کا کمیشن برائے ہندوستان اور پاکستان:۔ ریاست جموں و کشمیر کے متعلق ہندوستان اور

پاکستان کے نمائندوں نے جس نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے اس پر پوری احتیاط کے ساتھ غور وخوض کے بعد، اور یہ رائے رکھتے ہوئے کہ مخالفانہ کارروائیوں اور ان حالات کا فوری خاتمہ ضروری ہے۔ جن کا جاری رہنا بین الاقوامی امن اور سلامتی کے لیے خطرے کا باعث ہے تا کہ کمیشن ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کو اس صورت حالات کو قطعی طور پر حل کرنے میں مدد دینے کے لیے اپنی کوششوں کو بروئے کار لاسکے۔

ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کے سامنے ان تجاویز کو پیش کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

حصہ اوّل

التوائے جنگ کا حکم

(ا) ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں اس امر پر اتفاق کرتی ہیں کہ ان کی اپنی اپنی ہائی کمان علیحدہ علیحدہ مگر بیک وقت التوائے جنگ کا حکم جاری کر دیں گے جو ریاست جموں وکشمیر میں ان کے کنٹرول میں تمام فورسز پر حاوی ہوگا اور جو ان تجاویز کو دونوں حکومتوں کی طرف سے قبول کر لینے کے بعد جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ چار دن کے اندر جاری کر دیا جائے گا۔

(ب) ہندوستانی اور پاکستانی افواج کی ہائی کمان یہ تسلیم کرتی ہیں کہ وہ ایسے تمام اقدامات سے اجتناب کریں گی جن کی وجہ سے ریاست جموں وکشمیر میں ان کے کنٹرول میں فورسز کی فوجی طاقت میں اضافہ ہو جائے۔

ان تجاویز کے مطابق ان کے کنٹرول میں فورسز میں وہ تمام منظم یا غیر منظم فورسز شامل ہیں۔ جو اس طرف جنگ اور مخالفانہ کارروائیوں میں مصروف ہوں۔

(ج) ہندوستانی اور پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف فوجوں کی موجودہ تعیناتی میں ایسی تبدیلیاں کرنے کے لیے جو جنگ بندی میں آسانیاں پیدا کریں، فوری طور پر آپس میں صلاح ومشورہ کریں۔

(د) کمیشن اپنی مرضی کے مطابق اور جہاں تک قابل عمل ہوگا، فوجی مبصر مقرر کرے گا، جو کمیشن کے اختیارات کے تحت اور دونوں ہائی کمان کے تعاون سے التوائے جنگ کے حکم کی پابندی کی نگرانی کریں گے۔

(ہ) ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں اپنے اپنے عوام سے یہ اپیل کرنے پر رضامندی کا اظہار کرتی ہیں کہ وہ ایسی فضا پیدا کرنے اور اسے بحال رکھنے میں مدد دیں جو مذاکرات کو جاری رکھنے کے لیے ساز گار ہو۔

حصہ دوم

جنگ بندی کا معاہدہ

فوری طور پر جنگ بند کر دینے کے متعلق حصہ اول میں شامل تجاویز کو قبول کر لینے کے ساتھ ہی دونوں حکومتیں حسب ذیل اصولوں کو جنگ بندی کے سمجھوتہ کی بنیاد کے طور پر تسلیم کرتی ہیں۔ جس کی تفصیلات ان کے نمائندوں اور کمیشن کے درمیان بات چیت کے ذریعہ طے کی جائیں گی۔

(الف)

(۱) چونکہ ریاست جموں وکشمیر میں پاکستانی فوج کی موجودگی اس صورت حالات میں نمایاں تبدیلی کے مترادف ہے جو اس نے سلامتی کونسل کے سامنے پیش کی تھی اس لیے حکومت پاکستان ریاست سے اپنی فوجوں کو واپس بلانے پر رضامند ہے۔

(۲) حکومت پاکستان اس امر کی پوری کوشش کرے گی کہ ریاست جموں وکشمیر سے قبائلی اور پاکستانی باشندے جو وہاں پر رہائش نہیں رکھتے ہیں اور لڑائی کی خاطر ریاست میں داخل ہوئے ہیں، ریاست سے واپس چلے جائیں۔

(۳) جس علاقہ سے پاکستانی فوج کی واپسی عمل میں آجائے گی اس کا نظم ونسق قطعی فیصلہ تک مقامی حکام کے سپرد اور کمیشن کی نگرانی میں ہوگا۔

(ب)

(۱) جب کمیشن حکومت ہندوستان کو یہ اطلاع دے دے گا کہ قبائلی اور پاکستانی باشندے جن کا ذکر حصہ دوم ۔الف۔۲ میں کیا گیا ہے۔ ریاست سے واپس چلے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ صورت حالات ختم ہوگئی ہے جسے حکومت ہندوستان نے سلامتی کونسل کے سامنے ریاست میں اپنی فوجوں کی موجودگی کی وجہ قرار دیا تھا اور یہ کہ ریاست جموں وکشمیر سے پاکستانی فوجوں کی واپسی بھی عمل میں لائی جارہی ہے۔ حکومت ہندوستان اپنی افواج کے بیشتر حصہ کا انخلاء ایسے مرحلوں میں، جو کمیشن کے ساتھ طے کر لیے جائیں گے، شروع کر دینے پر رضا مندی کا اظہار کرتی ہے۔

(۲) ریاست جموں وکشمیر میں صورت حالات کے قطعی فیصلہ کے متعلق شرائط کی منظوری تک حکومت ہندوستان جنگ بندی لائن کی حدود کے اندر اپنی افواج کی اتنی کم سے کم تعداد رکھے گی جو کمیشن کی رضامندی کے مطابق امن وامان بحال رکھنے میں مقامی حکام کی مدد کے لیے ضروری ہوگی۔ کمیشن جہاں مناسب سمجھے گا مبصر متعین کرے گا۔

(۳) حکومت ہندوستان یہ ذمہ داری قبول کرتی ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کی حکومت ایسے تمام ذرائع جو اس کے اختیار میں ہوں، اعلانیہ طور پر اس امر کا اظہار کر دے گی کہ امن وامان کو بحال رکھا جائے گا اور تمام انسانی وسیاسی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔

(ج)

(۱) دستخط ہوجانے کے بعد، جنگ بندی کے سمجھوتہ کا پورا متن یا اس کے اصولوں پر مشتمل ایک اعلامیہ، جیسا کہ دونوں حکومتوں اور کمیشن کے درمیان طے ہوجائے گا، عام اطلاع کے لیے شائع کر دیا جائے گا۔

حصہ سوئم

حکومت ہندوستان اور حکومت پاکستان اپنی اس خواہش کا اعادہ کرتی ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر کی

آئندہ حیثیت عوام کی خواہشات کے مطابق متعین کی جائے گی اور اس مقصد کے لیے، جنگی سمجھوتہ کو قبول کر لینے کے بعد، دونوں حکومتیں کمیشن کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے پر رضامندی کا اظہار کرتی ہیں تا کہ ایسی منصفانہ شرائط طے کی جا سکیں جن کے تحت ایسی آزادانہ رائے کا اظہار یقینی ہو۔

قرارداد 5 جنوری 1949ء

اقوام متحدہ کا کمیشن برائے ہندوستان و پاکستان

حکومت ہندوستان اور پاکستان کی طرف سے ان کے خطوط مورخہ 23 دسمبر اور 25 دسمبر 1948ء کے ذریعہ حسب ذیل اصولوں کو جنہیں کمیشن کی قرارداد 13 اگست 1948ء میں اضافہ کی حیثیت حاصل ہے، تسلیم کرنے کے بعد:۔

(۱) ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ ریاست جموں وکشمیر کے الحاق کا فیصلہ غیر جانبدار اور منصفانہ رائے شماری کے جمہوری طریقہ کے مطابق کیا جائے گا۔

(۲) رائے شماری کا انعقاد اس وقت ہوگا جب کمیشن نے یہ معلوم کر لیا کہ التوائے جنگ اور جنگ بندی کے انتظامات جن کا ذکر کمیشن کی قرارداد مورخہ 13 اگست 1948ء کے حصہ اول اور دوم میں کیا گیا ہے، پر عمل ہو گیا ہے اور رائے شماری کے لیے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں۔

۳۔(ا) اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کمیشن کی رضامندی سے ناظم رائے شماری کو نامزد کریں گے جو ایک اعلیٰ بین الاقوامی شخصیت ہوگی اور جسے عام اعتماد حاصل ہوگا۔ اسے ریاست جموں وکشمیر کی حکومت رسمی طور پر اس کے عہدہ پر مقرر کرے گی۔

(ب) ناظم رائے شماری ریاست جموں وکشمیر سے وہ اختیارات حاصل کرے گا جو وہ رائے شماری کے انتظام اور اہتمام اور اس کے غیر جانبدارانہ اور آزادانہ انعقاد کے لیے ضروری تصور کرے گا۔

(ج) ناظم رائے شماری کو اختیار ہوگا کہ مبصرین کی مدد کے لیے جس قدر سٹاف کی ضرورت ہو اسے مقرر کر سکے۔

۴۔(ا) کمیشن کی قرارداد مورخہ 13 اگست کے حصہ اول اور دوم پر عمل درآمد کے بعد اور جب کمیشن کو یہ اطمینان ہو جائے کہ ریاست میں پرامن حالات بحال ہو گئے ہیں تو کمیشن اور ناظم رائے شماری حکومت ہندوستان کے مشورہ سے ہندوستان اور ریاست کی مسلح افواج کو ہٹانے کا آخری فیصلہ کریں گے اور یہ فیصلہ ریاست کے تحفظ اور رائے شماری کی آزادی کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے گا۔

(ب) جہاں تک اس علاقہ کا تعلق ہے۔ جس کا ذکر قرارداد مورخہ 13 اگست کے حصہ دوم۔ا میں کیا گیا ہے۔ ناظم رائے شماری اور کمیشن اس علاقہ میں مسلح افواج کے متعلق آخری فیصلہ مقامی حکام کے مشورہ سے کریں گے۔

(۵) ریاست کے اندر تمام سول اور فوجی حکام اور تمام بڑے بڑے سیاسی عناصر کو رائے شماری کی تیاری اور انعقاد میں ناظم رائے شماری کے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔

۶(ا) ریاست کے تمام باشندوں کو جو بدامنی کی وجہ سے ریاست سے چلے گئے تھے واپس آجانے کی دعوت دی جائے گی اور انہیں واپس آکر شہریوں کی حیثیت سے تمام حقوق کے استعمال کا حق حاصل ہوگا۔ ان کی واپسی میں مدد دینے کے لیے دو کمیشن مقرر کئے جائیں گے جن میں سے ایک ہندوستان کے نمائندوں پر اور دوسرا پاکستان کے نمائندوں پر مشتمل ہوگا۔ یہ کمیشن ناظم رائے شماری کی ہدایات کے مطابق کام کریں گے۔ ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں اور ریاست جموں وکشمیر کے اندر تمام حکام اس دفعہ کو عملی جامعہ پہنانے میں ناظم رائے شماری کے ساتھ تعاون کریں گے۔

(ب) تمام ایسے افراد جو ریاست کے شہریوں کے علاوہ کسی دوسرے مقصد سے ریاست میں داخل ہوئے ہیں، انہیں ریاست سے واپس جانا ہوگا۔

(۷) ریاست جموں وکشمیر کے اندر تمام حکام یہ ذمہ داری قبول کرتے ہیں کہ ناظم رائے شماری کے تعاون سے وہ اس امر کے پابند ہوں گے کہ۔

ا۔ رائے شماری کے دوران ووٹروں کو ڈرایا دھمکایا نہیں جائے گا نہ ان پر دباؤ ڈالا جائے گا اور نہ ہی انہیں رشوت دی جائے گی۔

ب۔ ریاست بھر میں جائز سیاسی سرگرمی پر کوئی پابندی نہیں لگائی جائے گی۔ ریاست کے تمام باشندے بلالحاظ علاقہ، ذات یا جماعت اپنے خیالات کے اظہار میں اور ریاست میں پریس، تقریر اور اجتماع اور سفر کی آزادی ہوگی جس میں ریاست میں قانونی طور پر داخل ہونے اور باہر جانے کی آزادی بھی شامل ہے۔

(ج) تمام سیاسی قیدی رہا کردیئے جائیں گے۔

(د) ریاست کے تمام حصوں میں اقلیتوں کی پوری حفاظت کی جائے گی۔

(ہ) کسی کو عتاب کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

۸۔ یہ ناظم رائے شماری کو اگر بعض مسائل میں امداد کی ضرورت پیش آئے گی تو وہ کمیشن سے رجوع کرے گا اور کمیشن اگر مناسب سمجھے گا تو وہ اپنی طرف سے ناظم رائے شماری کو ایسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا اختیار دے گا جو اسے سونپی گئی ہیں۔

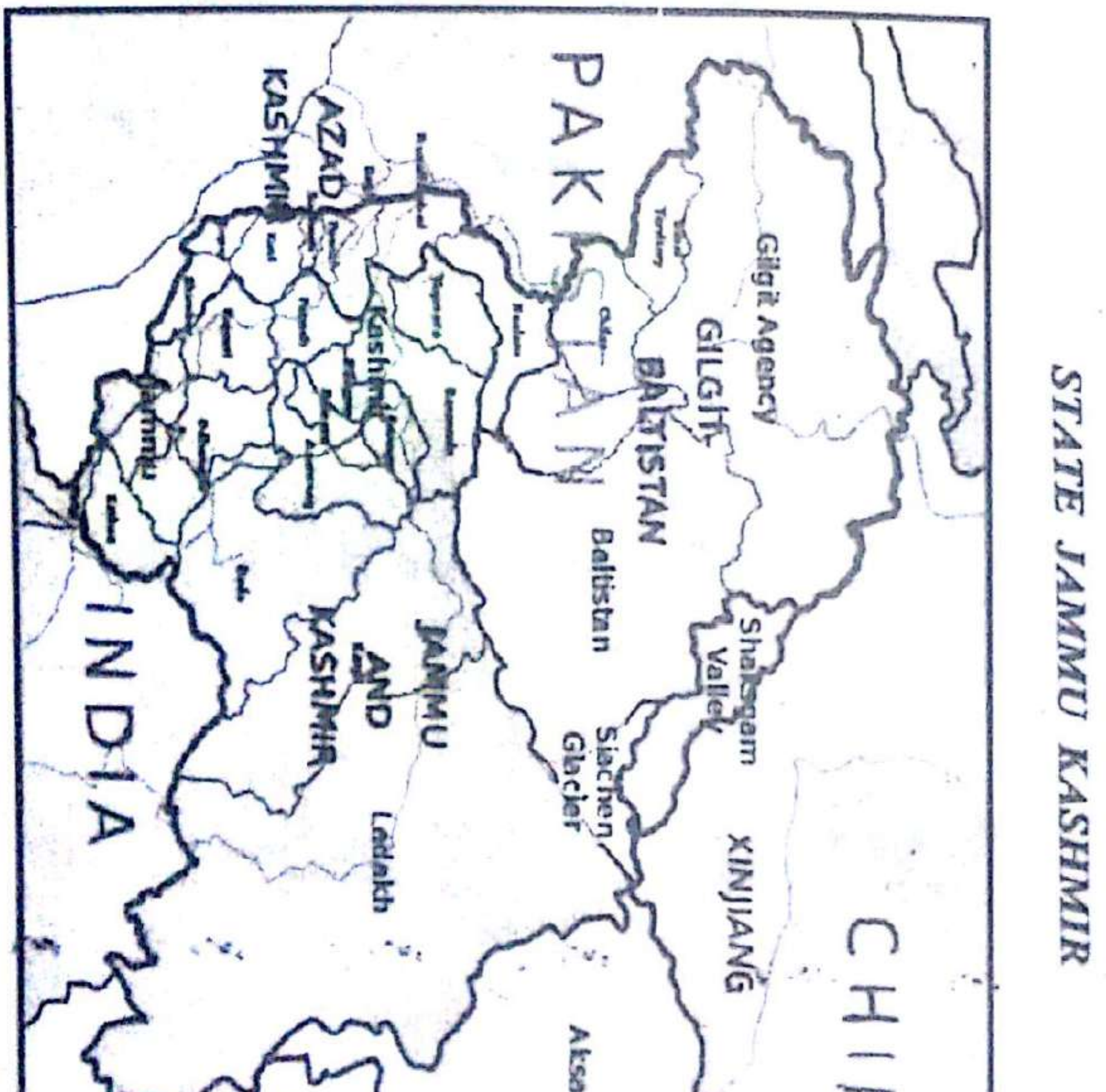
۹۔ رائے شماری کے مکمل ہوجانے پر ناظم رائے شماری اس نتیجہ سے کمیشن اور ریاست جموں وکشمیر کو مطلع کرے گا۔ اس کے بعد کمیشن سلامتی کونسل کے سامنے یہ تصدیق کرے گا کہ رائے شماری منصفانہ اور آزادانہ ہوئی ہے یا نہیں۔

۱۰۔ جنگ بندی کے سمجھوتہ پر دستخط کے بعد کمیشن کی قرارداد مورخہ 13 اگست 1948ء کے حصہ سوم میں تجویز

کردہ صلاح ومشورہ کے مطابق متذکرہ بالا تجاویز کی مزید وضاحت کر لی جائے گی۔ ناظم رائے شماری کو اس بات چیت میں برابر شریک رکھا جائے گا۔

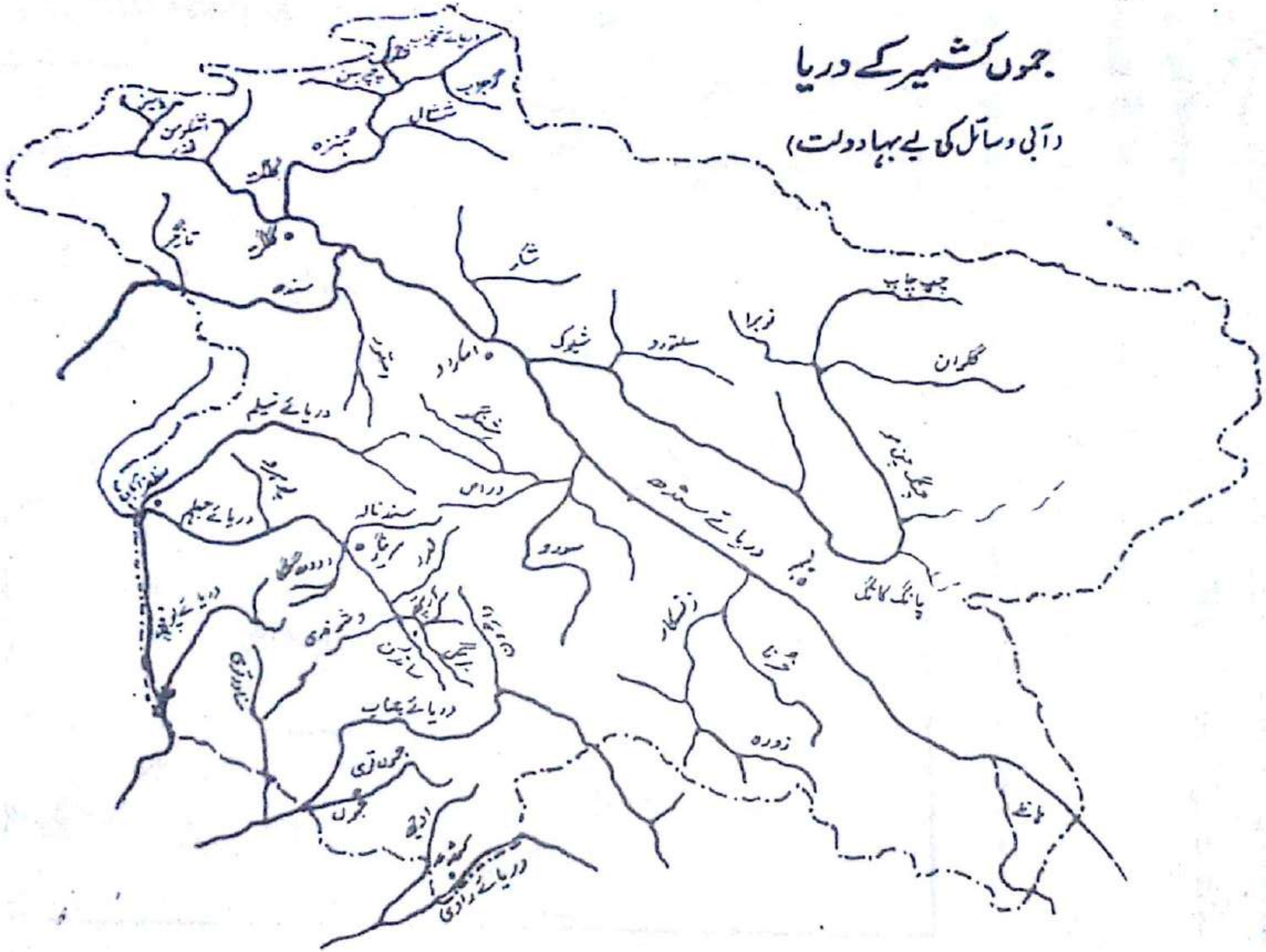
کمیشن حکومت ہندوستان اور پاکستان سے سفارش کرتا ہے کہ کمیشن کی 13 اگست 1948ء کی قرارداد کے مطابق جو سمجھوتہ ہو چکا ہے اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے وہ یکم جنوری 1949ء کی رات کو آدھی رات سے ایک منٹ پہلے جنگ بند کر دینے کا حکم جاری کرنے کی فوری کارروائی کریں۔

کمیشن فیصلہ کرتا ہے کہ 13 اگست 1948ء کی قرارداد اور متذکرہ بالا اصولوں میں اسے جو ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے وہ مستقبل قریب میں برصغیر میں واپس چلا جائے۔



جموں کشمیر کے دریا

(آبی وسائل کی بے بہا دولت)



باب ہفتم

جموں کشمیر

معاہدات

1	معاہدۂ امرتسر
2	معاہدہ گلگت
3	معاہدہ قائمہ
4	معاہدہ جنگ بندی
5	معاہدہ کراچی
6	دہلی ایگریمنٹ
7	پاک چین سرحدی معاہدہ
8	معاہدہ تاشقند
9	معاہدہ شملہ
10	کشمیر ایکارڈ

معاہدۂ امرتسر (16 مارچ 1846ء)

پس منظر، معاہدے کا متن، مزاحمت، ایک غلط فہمی کا ازالہ، معاہدے کی اہمیت و افادیت

پس منظر:

پنجاب کی سکھ سلطنت کے حکمران رنجیت سنگھ نے اپنے چالیس سالہ دورِ اقتدار (1799ء تا 1839ء) کے بعد جولائی 1839ء میں وفات پائی تو اس کا بیٹا کھڑک سنگھ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے وزیر دھیان سنگھ کو معزول کر کے اس کی جگہ اپنے منظورِ نظر اجیت سنگھ کو وزیر بنا لیا۔ حکومت کے بڑے بڑے عہدیدار اس تبدیلی سے ناخوش تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے کھڑک سنگھ کے بیٹے نونہال سنگھ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا اور اسے وزارتِ عظمٰی کی شہ دی۔ چنانچہ نونہال سنگھ نے لالچ میں آ کر باپ کے وزیر خاص اجیت سنگھ کو قتل کر دیا۔

کھڑک سنگھ کو اپنے وزیر کی موت سے سخت صدمہ پہنچا۔ چنانچہ وہ اسی غم میں 14 ماہ حکومت کرنے کے بعد 7 نومبر 1840ء کو فوت ہو گیا۔ نونہال سنگھ اپنے باپ کی میت کو جلا کر واپس آ رہا تھا کہ شاہی قلعہ لاہور کے روشنائی دروازے سے گزرتے ہوئے اس پر ایک بھاری پتھر گرا دیا گیا، وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا۔ اب کھڑک سنگھ کی بیوہ رانی چند کور تخت نشین ہوئی۔ ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ رنجیت سنگھ کا دوسرا بیٹا شیر سنگھ پٹیالے سے بھاری فوج لے کر لاہور پر حملہ آور ہوا اور بڑی آسانی سے دارالحکومت پر قابض ہو گیا۔ رانی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اب سکھ سلطنت کا نظام شیر سنگھ نے سنبھال لیا۔ یکم فروری 1842ء کو سردارانِ سندھانوالہ نے شیر سنگھ کو قتل کر کے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ شیر سنگھ کا وزیر اعظم دھیان سنگھ (گلاب سنگھ کا بھائی) بھی اسی کشمکش میں قتل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی سکھ سلطنت میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

سکھ سرداروں نے رنجیت سنگھ کی بیوہ رانی جنداں کو آگے لایا۔ اس نے اپنے سات سالہ بیٹے دلیپ سنگھ کے سر پر تاجِ شاہی رکھا اور نظامِ حکومت خود سنبھال لیا، لیکن خانہ جنگی جاری رہی اور کئی نامور سردار مارے گئے۔ گلاب سنگھ دوسرے بھائی سوچیت سنگھ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ خانہ جنگی کے سبب خالصہ فوج خودسر ہو گئی۔ رانی جنداں اور اس کا وزیر لعل سنگھ رنگ رلیوں میں مصروف رہے۔ خالصہ فوج کے حقیقی وفادار رانی اور اس کے وزیر

کے خلاف بغاوت کی تدبیریں بنانے لگے۔ رانی کو علم ہوا تو اُس نے جرنیلوں کو سبق سکھانے اور فوج کا مزاج درست کرنے کے لئے سکھ فوج کو ستلج پار انگریزی علاقے پر چڑھائی کا حکم دے دیا۔ 24 دسمبر 1845ء کو جنگ چھڑ گئی۔ مدکی، فیروز شاہ، علی وال اور سبھراؤں کے مقامات پر خون ریز معرکے ہوئے۔ دریائے ستلج کا پانی سرخ ہو کر بہنے لگا۔

اس نازک وقت پر رانی جنداں نے والئی جموں گلاب سنگھ کو مدد کے لئے لاہور بلا لیا اور خالصہ دربار میں وزارتِ عظمیٰ کی ذمہ داری سونپی اور اُسے انگریزوں سے تصفیہ کرنے پر مامور کیا۔ گلاب سنگھ نے سکھ جرنیلوں کو فوری طور پر جنگ روک دینے کا حکم دیا اور دینا ناتھ، فقیر نورالدین، دیوان دیوی سہائے اور سردار گلاب سنگھ اٹاری والے کو ساتھ لیا اور انگریزی افواج کے سپہ سالار سے مذکرات کا سلسلہ شروع کیا۔ ابھی بات چیت کا سلسلہ جاری تھا کہ سردار نجو ہر سنگھ مجیٹھیہ نے 10 فروری 1846ء کو سبھراؤں کے محاذ پر دوبارہ جنگ چھیڑ دی۔ ایک خون ریز معرکہ ہوا، جس میں خالصہ افواج کو شکست ہوئی۔ چنانچہ 22 فروری کو لارڈ ہارڈنگ فاتحانہ انداز سے لاہور میں داخل ہوا۔

9 مارچ 1846ء کو انگریزوں اور خالصہ دربارِ لاہور کے مابین ایک معاہدہ طے پایا، جس میں انگریزوں نے من مانی شرائط طے کیں۔ خالصہ حکومت پر ڈیڑھ کروڑ نانک شاہی سکہ تاوان جنگ عائد کیا گیا۔ اسی معاہدہ کی دفعہ 12 کے تحت قرار پایا کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو لاہور دربار اور سرکار انگلشیہ کے مابین مصالحانہ کردار ادا کرنے کے صلے میں کوہستانی علاقے پر حق حکمران عطا کیا جائے گا اور اس مقصد کے لئے ایک علیحدہ معاہدہ گلاب سنگھ اور سرکار انگلشیہ کے مابین طے پائے گا۔

چنانچہ 16 مارچ 1846ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے مابین 10 دفعات پر مشتمل ایک معاہدہ طے پایا، جس کے تحت دریائے راوی سے لے کر دریائے سندھ کے مابین کشمیر، چمبہ اور ہزارہ کا علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے کلی اختیار میں دے دیا گیا اور طے پایا کہ اس کوہستانی علاقے پر حق حکمرانی حاصل کرنے کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ سرکارِ انگلشیہ کو 75 لاکھ نانک شاہی سکے تاوان جنگ کے طور پر ادا کریں گے۔

لاہور دربار کا ردِ عمل

9 مارچ 1846ء کو خالصہ دربار اور سرکار انگلشیہ کے مابین طے پانے والے معاہدہ لاہور میں رئیس جموں راجہ گلاب سنگھ کو لاہور دربار اور انگریز سرکار کے لئے دوستانہ خدمات سرانجام دینے کے صلے میں پنجاب کے شمال میں پہاڑی علاقہ تفویض کیے جانے کا اقرار کیا گیا تو رانی جنداں اور اس کے وزیر اعظم لعل سنگھ نے اس کا سخت برا منایا۔ انہوں نے اس مجوزہ پروگرام کو رد کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مولوی حشمت اللہ خان لکھتے

ہیں:

"رانی جنداں کو اس انتظام سے سخت مایوسی ہوئی، اس نے راجہ دینا ناتھ اور فقیر نورالدین کو سر ہنری لارنس صاحب اور کرے ہارنٹ صاحب کے پاس بھیجا کہ اگر یہ ملک مہاراجہ گلاب سنگھ کو دیا گیا تو میں لندن میں جا کر استغاثہ کروں گی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ لندن تشریف لائیں تو آپ کا گھر ہے۔ مگر مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ جو اقرار ہوا ہے اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا"۔ [1]

خالصہ دربار کے وزیر اعظم لعل سنگھ نے بھی اس کی مخالفت کی، اس نے کشمیر میں متعین گورنر شیخ امام الدین کو پے در پے خطوط لکھے اور اُسے ہدایات جاری کیں کہ وہ لاہور دربار سے وفاداری استوار رکھے اور گلاب سنگھ کو کشمیر پر قبضہ نہ کرنے دے۔ اس امر کا انکشاف اس وقت ہوا جب شیخ امام الدین جالندھر سے گرفتار ہوا تو اُس نے انگریزوں کو وہ خطوط پیش کیے جو لعل سنگھ نے اسے لاہور سے لکھے تھے۔

عہد نامہ امرتسر.........16 مارچ 1846ء

عہد نامہ جو ایک طرف حکومتِ برطانیہ اور دوسری طرف مہاراجہ گلاب سنگھ آف جموں کے مابین قرار پایا۔ برطانوی حکومت کی جانب سے فریڈرک کیوری اور بریوٹ ہنری منٹگمری لارنس کے ذریعے رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی برطانیہ عظمیٰ کا آنریبل پریوی کونسل گورنر جنرل مقرر شدہ آنریبل کمپنی برائے ایسٹ انڈیا کے تمام معاملات کی راہنمائی کرنے اور کنٹرول کرنے کے حکم پر مہاراجہ گلاب سنگھ کی بنفسِ نفیس موجودگی میں طے پایا۔

دفعہ۔1: برطانوی حکومت وہ تمام پہاڑی علاقے معہ نواحات جو دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب میں واقع ہیں، بشمول چمبہ ماسوائے لاہول کے، جو اس علاقے کا حصہ ہے جو لاہور دربار نے معاہدہ 9 مارچ 1846ء کی دفعہ 4 کے تحت حکومتِ برطانیہ کے سپرد کیا ہے، مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کی اولادِ نرینہ کے مستقل اور کلی اختیار میں دیتی ہے۔

دفعہ۔2: جو علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو اس عہد نامے کی دفعہ اول کے تحت منتقل کیا جا رہا ہے۔ اس کی مشرقی حدود کا تعین وہ کمشنر کریں گے، جنہیں برطانوی حکومت اور مہاراجہ گلاب سنگھ مقرر کریں گے۔ ان حدود کی نشاندہی ایک علیحدہ اقرار نامے کے تحت کی جائے گی۔

دفعہ: 3 مذکورہ بالا دفعات کے تحت جو علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اس کے وارثوں کو منتقل کیا جا رہا ہے، اس کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ برطانوی حکومت کو 75 لاکھ نانک شاہی سکے ادا کریں گے، جس میں سے 50 لاکھ تو اس معاہدے کے انعقاد پر دیا جائے گا اور بقیہ 25 لاکھ اسی سال کی یکم اکتوبر کو یا اس سے پہلے ادا کیا جائے گا۔

[1] مولوی حشمت اللہ خان" تاریخ جموں" ص 82

دفعہ 4: مہاراجہ گلاب سنگھ برطانوی حکومت کی رضامندی کے بغیر اپنے ملک کی حدود میں تغیر وتبدل نہیں کریں گے۔

دفعہ 5: اگر مہاراجہ گلاب سنگھ اور حکومت لاہور یا کسی اور ہمسایہ سلطنت کے مابین جھگڑا یا مسئلہ پیدا ہو جائے تو مہاراجہ موصوف اس تنازعہ کو ثالثی کے لئے برطانوی حکومت کے سپرد کریں گے اور اس کے فیصلے کی پابندی کریں گے۔

دفعہ 6: مہاراجہ گلاب سنگھ خود اور اپنے وارثوں کی طرف سے عہد کرتے ہیں کہ اگر برطانوی فوج ان کے ملک کے پڑوسی علاقوں میں مصروف کار ہوگی تو وہ اپنی ساری فوجی قوت کے ساتھ برطانوی فوج کے ساتھ شامل ہوں گے۔

دفعہ 7: مہاراجہ گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اجازت کے بغیر کسی برطانوی، یورپی یا امریکی باشندے کو اپنے ماتحت ملازم نہیں رکھیں گے۔

دفعہ 8: مہاراجہ گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں کہ جہاں تک ان کے حق میں منتقل ہونے والے علاقوں کا تعلق ہے، وہ برطانوی حکومت اور لاہور دربار کے مابین طے پانے والے معاہدہ 9 مارچ 1846ء کی دفعات نمبر 7،6،5 کا احترام کریں گے۔

دفعہ 9: برطانوی حکومت عہد کرتی ہے کہ وہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے ملک کو بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے مہاراجہ کی مدد کریں گے۔

دفعہ 10: مہاراجہ گلاب سنگھ برطانوی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہیں اور احترام کے پیش نظر برطانوی حکومت کو ہر سال ایک گھوڑا، اچھی نسل کی 12 پشمی بکریاں (6 نر، 6 مادہ) اور تین جوڑے کشمیری شالوں کے پیش کریں گے۔ (معاہدہ امرتسر کی دفعہ دس میں 13 مارچ 1884ء کو برطانوی حکومت اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کے مابین باہمی رضامندی سے ترمیم کرتے ہوئی طے پایا کہ آئندہ مہاراجہ کشمیر مذکورہ دفعہ میں درج اشیاء کے بدلے دس پاؤنڈ پشمینہ اصل حالت میں، ۱۲ پاؤنڈ اون سیاہ، سفید اور خاکی رنگ کی جیسا کہ وولداغ سے کشمیر لائی جاتی ہے اور سفید سوت کی تین بہترین قسموں میں سے ہر ایک کا ایک ایک پاؤنڈ برطانوی سرکار کی نذر کریں گے)۔

یہ صلح نامہ جو دس دفعات پر مشتمل ہے۔ آج کے روز فریڈرک کیوری اور بریوٹ میجر ہنری منٹگمری لارنس کے ذریعے رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈ نگ جی سی بی گورنر جنرل کے حکم سے برطانوی حکومت اور بنفسِ نفیس مہاراجہ گلاب سنگھ کے درمیان طے پایا اور آج کے روز رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈ نگ جی سی بی گورنر جنرل کی مہر ثبت ہو کر منظور ہوا۔

بمقام امرتسر 16 مارچ 1846ء، بمطابق 17 ربیع الاول 1262 ہجری۔

دستخط ایچ ہارڈ نگ

(مہر)

دستخط ــــــــــــــ گلاب سنگھ

دستخط ــــــــــــــ ایف کیوری

دستخط ــــــــــــــ ایچ ایم لارنس

شیخ امام الدین کی ناکام مزاحمت

16 مارچ 1846ء کو جب امرتسر میں گلاب سنگھ اور انگریزوں کے مابین معاہدہ طے پایا، اس وقت کشمیر میں سکھوں کے متعین کردہ گورنر شیخ امام الدین کی حکومت قائم تھی۔ اس معاہدے کی خبر سنتے ہی وہ بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ خالصہ دربار کے وزیر اعظم سردار لعل سنگھ نے شیخ کو خفیہ طور پر تحریری احکامات بھیجے کہ

''چونکہ تم نمک خوار قدیم اس سرکار کے ہو، تم کو چاہیے کہ کشمیر کو ہرگز خالی نہ کرو اور اگر اس امر میں تمہاری جان جاتی ہے تو عین سعادت سمجھو''۔ ¹

چنانچہ امام الدین نے بغاوت کا علم بلند کیا اور گلاب سنگھ کا راستہ روکنے کا عزم کر لیا۔ گلاب سنگھ کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے ڈوگرہ جرنیل لکھپت رائے اور وزیر رتنو کو فوج دے کر کشمیر پر قبضہ کرنے کیلئے روانہ کیا۔ باغی گورنر امام الدین اور اس کے وفاداروں نے حملہ آور افواج کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ لکھپت رائے اور وزیر رتنو مارے گئے۔ شیخ امام الدین نے آس پاس کے جاگیرداروں اور سرداروں کو بھی بغاوت پر اُکسایا، وہ بھی گلاب سنگھ کے خلاف ڈٹ گئے۔

اس صورتحال میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے کشمیر پر قبضے کے لئے انگریزوں سے مدد طلب کی۔ معاہدہ امرتسر کی رو سے اس کڑے وقت میں انگریز مہاراجہ کو مدد دینے کے پابند تھے۔ چنانچہ انگریزوں کی آٹھ رجمنٹیں اور توپ خانے کے ایک دستے نے بریگیڈئر وہلر کی سرکردگی میں کشمیر پر حملہ کیا۔ سردار تیج سنگھ کی سربراہی میں سکھ فوج بھی اس حملے میں شامل تھی۔ راستے میں ڈوگرہ فوج کی بھاری تعداد بھی اس حملے میں شامل ہو گئی۔ راجوری کے مقام پر مرزا نصرت اللہ نے اس فوج کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ناکام رہا۔ شیخ امام الدین نے جب اتنے بڑے حملے کی خبر سنی تو وہ سرینگر سے بھاگ گیا۔ بالآخر سرکار انگلشیہ کا کمان افسر لیفٹیننٹ ایڈورڈ سرینگر میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوا۔ شیخ امام الدین کو انگریزوں نے جالندھر سے گرفتار کر لیا۔ گرفتار ہونے پر اس نے انکشاف کیا کہ لاہور دربار نے اُسے بغاوت پر اکسایا ہے۔

یوں 8 ماہ کی کوششوں کے بعد 9 نومبر 1846ء کو آٹھ بجے صبح (8:00am) گلاب سنگھ سرینگر میں داخل ہو گیا۔ نجومیوں نے اسے سرینگر میں داخلے کے لئے یہی مبارک گھڑی بتائی تھی۔

---

¹ مولوی حشمت اللہ خان ''تاریخ جموں'' صفحہ 86

Scanned by CamScanner

ایک غلط فہمی

معاہدہ امرتسر کے حوالے سے عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ انگریزوں نے کشمیر کا علاقہ گلاب سنگھ کو فروخت کیا تھا اور گلاب سنگھ نے 75 لاکھ نانک شاہی سکے بطور قیمت ادا کر کے یہ علاقے خرید لئے تھے۔ یہ تصور سراسر غلط اور تاریخی حالات وواقعات کے منافی ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ سلطنت پنجاب اور انگریزوں کی جنگ میں پہل سکھوں کی طرف سے ہوئی تھی۔ اس جنگ میں انگریزوں کو اگرچہ جانی و مالی نقصان اُٹھانا پڑا، لیکن میدان انگریزوں کے ہاتھ میں رہا اور سکھ شکست سے دوچار ہوئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ڈیڑھ کروڑ نانک شاہی سکہ بطور تاوانِ جنگ سکھ سلطنت سے طلب کیا۔ تاوان کی اس رقم کی ادائیگی تک اُنہوں نے ستلج اور بیاس کے درمیانی دوآبہ، چمبہ، کشمیر، ہزارہ اور ان سے ملحقہ تمام کوہستانی علاقہ جات سے سکھوں کی عملداری ختم کر دی، رانی جنداں اور دوسرے سکھ جرنیل تاوان کی اتنی بڑی رقم ادا کرنے کے قابل نہیں تھے۔ اُنہوں نے بمشکل پچاس لاکھ روپے ادا کیے اور بقیہ ایک کروڑ کی ادائیگی تک مذکورہ بالا علاقوں پر انگریزوں کی عملداری تسلیم کر لی۔ اس صورتحال کو جب مہاراجہ گلاب سنگھ نے دیکھا تو اس نے انگریزوں سے رابطہ کیا اور اُنہیں یہ پیشکش کی کہ اگر سکھ دربار تاوان کی بقیہ رقم ادا نہ کر پائے تو یہ رقم وہ اپنی گرہ سے ادا کرنے پر تیار ہے، بشرطیکہ ایسٹ انڈیا کمپنی مذکورہ بالا علاقوں کا اقتدار اعلیٰ اسے تفویض کر دے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مہاراجہ گلاب سنگھ کی یہ پیشکش قبول کر لی۔

گلاب سنگھ نہایت چالاک، دوراندیش، جہاندیدہ اور محب وطن انسان تھا، اس نے جموں کے ایک معمولی گھرانے میں آنکھ کھولی اور عام تنخواہ دار سپاہی کی حیثیت سے والئی پنجاب رنجیت سنگھ کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ وہ اپنے دو بھائیوں دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کو بھی اس دربار میں لے گیا۔ ان تینوں بھائیوں نے اپنی قابلیت، محنت اور شجاعت و بہادری کی بنیاد پر رنجیت سنگھ کا بے پناہ اعتماد حاصل کر لیا اور سکھ سلطنت کے کرتا دھرتا بن گئے۔ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد اس کے جانشین اقتدار کی کشمکش میں اُلجھ گئے، خانہ جنگی کا ایسا دور شروع ہوا کہ مرکزی حیثیت رکھنے والے بہت سے ذمہ دار افراد مارے گئے۔ اس کشمکش میں گلاب سنگھ کے مذکورہ دو بھائی بھی کام آئے۔ گلاب سنگھ نے اس صورت حال سے نالاں ہو کر اپنی تمام تر توجہ جموں کشمیر پر مرکوز کر دی اور سکھ دربار سے الگ ہو گیا۔

دسمبر 1945ء میں جب ایک طرف سکھ اقتدار کی رسہ کشی میں اُلجھے ہوئے تھے تو دوسری طرف

اُنہوں نے دریائے ستلج پار کر کے انگریزی علاقے پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ سکھوں اور انگریزوں کے خون ریز معرکے شروع ہو گئے۔ رنجیت سنگھ کی بیوہ رانی جنداں نے جب سلطنت کا شیرازہ بکھرتے دیکھا تو اس نے والئی جموں راجہ گلاب سنگھ کو مدد کیلئے بلایا اور اسے لاہور دربار میں وزارت عظمٰی پر فائز کیا۔ گلاب سنگھ نے حالات پر قابو پانے کے لئے سکھ سرداروں کو جنگ روک دینے کا حکم دیا، لیکن جب سکھ سرداروں نے اس کا حکم نہ مانتے ہوئے جنگ جاری رکھی تو وہ لاہور دربار سے علیحدگی اختیار کر کے واپس جموں آ گیا۔ کیونکہ تیزی سے روبہ زوال ہوتی ہوئی سکھ سلطنت سے زیادہ اسے اپنے آبائی وطن کی فکر دامن گیر تھی۔

10 فروری 1846ء کو سبھراؤں کے معرکے میں فتحیاب ہونے کے بعد جب انگریز لاہور میں داخل ہوئے تو اُنہوں نے ڈیڑھ کروڑ تاوان جنگ اور بہت سے علاقہ جات مانگ لئے۔ ان علاقوں میں گلاب سنگھ کا آبائی علاقہ جموں بھی شامل تھا۔ گلاب سنگھ نے اپنے موروثی علاقے سمیت تمام کوہستانی علاقہ انگریزوں کے تسلط میں جاتے دیکھے تو اس نے تاوان کی رقم اپنی گرہ سے ادا کر کے یہ علاقے اپنے اختیار میں لے لینے کی تدبیر بنائی۔ گلاب سنگھ کو علم تھا کہ سکھ سلطنت کا خزانہ خالی ہے اور وہ رقم دے نہیں پائے گی، چنانچہ اس نے براہ راست انگریزوں سے بات چیت کی۔ اور تاوانِ جنگ کی رقم اپنی گرہ سے ادا کرنے کی پیشکش کی بشرطیکہ اسے ان علاقوں کا آزاد فرمانروا تسلیم کر لیا جائے۔ انگریزوں نے یہ پیشکش قبول کر لی۔ جب معاہدہ طے پانے لگا تو روپے کی کمی کی وجہ سے گلاب سنگھ نے 25 لاکھ کے عوض بیاس اور راوی کے درمیانی علاقہ چھوڑ دیا، بقیہ 75 لاکھ کے عوض دریائے راوی کا مغربی علاقہ چمبہ، کشمیر اور ہزارہ حاصل کر لیا۔ جی ایم میر اپنی تصنیف ''کشورِ کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ'' میں لکھتے ہیں:

''انگریزوں نے مصارف جنگ کے تاوان کے طور پر ایک کروڑ روپیہ طلب کیا۔ دلیپ سنگھ کا خزانہ خالی تھا، چنانچہ اس نے کشمیر اور ہزارہ کا علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انگریزوں کو پیسے کی ضرورت تھی، اُنہوں نے 75 لاکھ روپے کے عوض ریاست جموں کشمیر کی حکمرانی گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر کے اُسے مہاراجہ کا خطاب دیا''۔ [1]

معاہدے کی دفعہ 3 کی رو سے مہاراجہ گلاب سنگھ نے کمپنی کو 50 لاکھ موقع پر اور بقیہ 25 لاکھ اس سال یکم اکتوبر تک یا اس سے پہلے ادا کرنا تھا۔ 50 لاکھ تو گلاب سنگھ نے بروقت ادا کر دیئے، لیکن بقیہ رقم 4 سال کے عرصے میں کئی قسطوں میں ادا کی گئی۔ اس عرصے میں فریقین کے مابین خط و کتابت بھی جاری رہی۔ بالآخر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ادائیگی رقم کی رسید 20 مارچ 1850ء کو جاری کی۔

"The Honourable East India Company having received from, his Highness Maharaja Golab Sing the sum of Rs. 75,00,000 (seventy-five lakhs), in payment of the amount guaranteed by the III article of the Treaty between the Honourable Company and His Highness dated Umritsar the 16 March 1846, this single acknowledgement of the receipt of this whole amount is granted by the Board of Administration for the affairs of the Punjab, at the request

---

[1] جی ایم میر ''کشورِ کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ'' صفحہ 205

of Dewan Jowalla Sahae, in addition to the receipts already given to His Highness, agents by the receiving officers, for the installments received by them from, time to time between the date of the Treaty, and the 14th March 1850, the day on which the last installment was paid into the Lahore Treasury."

H.M.Lawrence
John Lawrence
C.G. Mansel[1]

Lahore, 29th March, 1850.

ایسٹ انڈیا کمپنی کے چند تاجر تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے، انہوں نے قدرتی وسائل سے مالا مال اس خطے کو جب بنظرِ غائر دیکھا تو انہوں نے اسے ''سونے کی چڑیا'' کا نام دیا۔ پنجاب کی سکھ سلطنت سے دوہاتھ کرنے سے پہلے ہی وہ سونے کی اس چڑیا کے بیشتر وبیش قیمت خطوں پر تسلط جما چکے تھے۔ کمپنی کی نظریں اب ایک طرف سکھ سلطنت کے ڈوبتے ہوئے سورج پر مرکوز تھیں اور دوسری طرف وہ دہلی میں مغلیہ سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا دیا دیکھ رہے تھے، جس دیے سے تیل خشک ہو گیا تھا اور بس اس کی تھرتھراتی لو باقی تھی۔ ایسے میں جموں، کشمیر اور ہزارہ کے علاقے ایسٹ انڈیا کمپنی کی نظروں میں محض پہاڑ، بیابان اور دشوار گزار علاقوں کے سوا کچھ نہ تھے۔ کمپنی کے نزدیک ان پسماندہ علاقوں کی کوئی اہمیت وافادیت نہ تھی۔ وہ تو سونے کی چڑیا پر اپنے راج کا سورج طلوع ہوتے دیکھ کر پھولے نہیں سما رہی تھی۔ دولت جمع کرنے اور تجوریاں بھرنے کی انکی ہوس اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ اس نے چاندی کے 75 لاکھ نانک شاہی سکے کھنکتے دیکھ کر کوہستانی علاقہ کا اختیار واقتدار گلاب سنگھ کے حوالے کر دیا۔

یہ حقیقت ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی نظروں میں جموں کشمیر اور دیگر کوہستانی علاقے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ اس حقیقت کا اظہار لارڈ ہنری ہارڈنگ گورنر جنرل آف انڈیا کے اس خط سے ہوتا ہے، جو اس نے 14 مارچ 1846ء کو لارڈ ایلن برو (بحریہ کے فرسٹ لارڈ اور سابق گورنر جنرل آف انڈیا) اور خفیہ کمیٹی برائے اوورسیز ڈومینین کے نام لکھا۔ یہ خط معاہدہ لاہور کے بعد اور معاہدہ امرتسر سے دو روز پہلے لکھا گیا۔

"It will be seen by the draft of Treaty now forwarded that, in consequence of the inability of the Lahore Government to pay the stipulated indemnification for expenses of the war, or to give sufficient security for its eventual disbursement, the Hill territories, from the Beas River to the Indus, including the provinces of Kashmir and Hazarah, have been ceded to the British Gove nment.

It is not my intention to take possession of the whole of this country. Its occupation by us would be, on many accounts, disadvantageous. It would bring us into collision with many powerful chiefs, for whose coercion

[1] " KASHIR " by G.M.D. SUFI, Volume II, Page 766-67

a large military establishment at a great distance from our provinces and military resources would be necessary. It would more than double the extent of our present frontier in countries assailable at every point mad most difficult to defend without any corresponding advantages for such large additions of territory. How distant and conflicting interests would be created and races of people, with whom we have hitherto had no intercourse, would be brought under our rule, while the territories, excepting Kashmir, are comparatively unproductive, and would scarcely pay the expenses of occupation and management............". [1]

وی پی مینن لکھتے ہیں:

''لارڈ ہارڈنگ نے جو اس زمانے میں گورنر جنرل تھے۔ اس تمام علاقے پر قبضہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح برطانوی سرحد زیادہ لمبی ہو جائے گی اور اس کی حفاظت کے لئے زیادہ فوج رکھنا پڑے گی۔ علاوہ ازیں موصوف کا یہ خیال بھی تھا کہ اس طرح متصادم مفادات پیدا ہوں گے''۔ [2]

معاہدہ امرتسر - اہمیت و افادیت

معاہدہ امرتسر کو تاریخ کشمیر میں انتہائی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ تاریخ کشمیر میں ایسے تابندہ اور دوررس نتائج کے حامل معاہدے کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ بلاشبہ معاہدہ امرتسر اور جدید ریاست جموں کشمیر کا وجود ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ 163 برس گزر جانے کے باوجود اس معاہدے کی اہمیت و افادیت پر کوئی فرق نہیں پڑا اور آج بھی تاریخ کشمیر میں اس معاہدے کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ آیئے ذرا تجزیہ کرتے ہیں کہ اس معاہدے کو تاریخ کشمیر میں اتنی اہمیت کیوں حاصل ہے۔

مملکت کشمیر کا احیاء

کشمیر جو صدیوں سے ایک آزاد و خود مختار ملک رہا تھا اور جس کی عظمت و جلالت کے چرچے للتہ دتہ، شہاب الدین اور بڈشاہ کے عہد میں چار دانگ عالم میں پھیل گئے تھے۔ بالآخر 1586ء میں ہندوستان کے مغل بادشاہ اکبر اعظم کی جارحیت کا شکار ہوا اور اسے مغلیہ سلطنت میں سرکار (صوبے سے کم درجہ) کی حیثیت دے دی گئی۔ کشمیر 166 برس تک مغلوں کے قبضے میں رہا۔ اس کے بعد 1752ء میں افغانوں نے کشمیر پر حملہ کر کے اسے مغلوں سے چھین لیا اور اسے سلطنت کابل کا ایک صوبہ بنا دیا۔ 1819ء میں پنجاب سلطنت کے

---

[1] جسٹس محمد یوسف صراف ''Kashmiri's Fight for Freedom'' جلد اول صفحہ 191-92

[2] ''کشمیر اور جونا گڑھ کی کہانی'' مسٹر وی پی مینن ترجمہ رئیس احمد جعفری صفحہ 208

والی رنجیت سنگھ نے افغان گورنر جبار خان کو شکست دے کر کشمیر کو سلطنت پنجاب میں شامل کر لیا اور اسے ایک صوبے کی حیثیت دے دی گئی۔ سکھوں نے کشمیر پر 27 سال حکومت کی۔ بالآخر 1846ء کو جب پنجاب سلطنت پر انگریز قابض ہو گئے تو کشمیر بھی انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔ 9 مارچ سے 16 مارچ 1846ء تک کشمیر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملکیت رہا۔ انگریز سامراج اب پورے ہندوستان پر تیزی سے قابض ہو رہا تھا۔ تاریخ کے انہی نازک ایام میں والئی جموں راجہ گلاب سنگھ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مابین 16 مارچ 1846ء کو ایک معاہدہ طے پایا، جسے تاریخ میں ''معاہدہ امرتسر'' کا نام دیا جاتا ہے۔

معاہدہ امرتسر کو تاریخ کشمیر میں اور برطانوی ہند کی تاریخ میں جو منفرد اور امتیازی حیثیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس معاہدے کے تحت مہاراجہ گلاب سنگھ کو اس علاقے کا مختار کل تسلیم کیا گیا اور بوقتِ ضرورت برطانوی حکومت اس کو بیرونی جارحیت کے خلاف مدد فراہم کرنے کے لئے پابند ہو گئی۔

ورِیندر گروور معاہدہ امرتسر کی منفرد حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

This treaty stands on a different footing from other treaties with Indian States. The territories of which the Maharaja was recognized as ruler were handed over to him in independent possession. While the supremacy of the British Government was acknowledged, there was no agreement on the part of the Company to guarantee the internal security of the State, Article 9 merely binding the British Authorities to give aid to Maharaja Gulab Singh in protecting his territories from external aggression".[1]

اس معاہدے کے تحت دریائے راوی اور دریائے سندھ کے درمیان واقع کشمیر، چمبہ، سکردو اور ہزارہ کے علاقے گلاب سنگھ کی عملداری میں دے دیئے گئے۔ یوں خطہ کشمیر انگریزی تسلط میں رہنے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندوستان کا صوبہ یا اضلاع بننے سے بچ گیا اور ایک آزاد مملکت کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔

معاہدہ امرتسر کی رو سے گلاب سنگھ نے جو مملکت حاصل کی اس میں کہوٹہ، مری اور ہزارہ کے علاقے جو دریائے جہلم اور دریائے سندھ کے درمیان سلطنت پنجاب سے ملحق تھے، یہ 5 مئی 1847ء کو ایک معاہدہ کے تحت پنجاب کو واپس کر کے اس کے بدلے کھڑی اور منادر کے علاقے سلطنت کشمیر میں شامل کر لئے۔

گلاب سنگھ اور اس کے جانشینوں نے معاہدہ امرتسر کے تحت حاصل کیے گئے علاقوں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ تبت اور ترکستان کی طرف پیش قدمی کر کے گلگت، بلتستان اور لداخ کے وسیع پہاڑی خطے بھی اپنی مملکت

---

[1] "The story of Kashmir-Yesterday and Today" edit by Verender Grover Vol-I P-94(

میں شامل کر لئے اور پھر اس مملکت کی حدود کا باقاعدہ تعین کیا۔ یوں 84471 مربع میل پر مشتمل ریاست جموں کشمیر ایک بار پھر دنیا کے نقشے پر اُبھر کر سامنے آئی۔

قومی تشخص کی بحالی

مغلوں، افغانوں اور سکھوں نے کشمیریوں کا قومی تشخص چھین کر انہیں غلامی اور ذلت کے ایسے اندھیرے غار میں دھکیل دیا تھا جہاں اُن کی شناخت گم ہو گئی تھی۔ وہ اپنا قومی تشخص بھول کر اپنے آپ کو بیرونی حاکموں کی رعایا خیال کرنے لگے تھے۔ ایسی مجبور، بے بس اور لاچار رعایا جس کو اپنی الگ شناخت کے ساتھ زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہوتا، غیر ملکی تسلط نے ان کے قلب و روح کو پائمال کر کے دکھ دیا تھا اور ان کے دل و دماغ سے قومی شناخت محو کر دی تھی۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز اس صورتحال کی عکاسی یوں کرتے ہیں:

"By the end of the Sikh Rule the people were thoroughly demoralized. They had become known as *Zulum Parast,* (the worshippers of tyranny). All their old glory, grandeur and heroism had vanished. They were prostrate and at the mercy of any individual who was put at the helm of affairs by alien kings ruling from the seat of power far away outside the boundaries of the State.

Whatever the Mughals did for the advancement of Kashmir they were, like all imperialists, keen to see that the national spirit of the people of the Valley, which had already been impaired during the rule of later Shahmiris and Chaks is totally shattered. This policy was pursued with redoubled vigour by the Afghans and the Sikhs. Kashmiri armies were disbanded and no man from the Valley was allowed to be recruited in the Afghan or Sikh forces. Consequently the people of the Valley gradually forgot their glorious martial traditions and became timid and coward. The oppression and terrorism that prevailed for more than a century in the country, crushed the people and almost killed their soul. All Kashmiris whether they know anything about their past or not usually remember two things, the greatness of Bud Shah and the bestiality, savagery, cruelty and barbarity of Afghans. The utter disgust of the Afghan rule is not confined to any class or creed; all have it both Hindus and Muslims.[1]

---

[1] پنڈت پریم ناتھ بزاز "The History of Struggle for Freedom in Kashmir" صفحہ 120،121

جدید ریاست جموں کشمیر کی بنیاد

کشمیر کے آزاد و خودمختار سلاطین کے زمانے میں سلطنتِ کشمیر کی سرحدیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لئے کشمیر دنیا کی عظیم سلطنتوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کی سرحدیں چینی ترکستان، روسی ترکستان، بدخشاں، کابل، سرحد، بلوچستان، سندھ، مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب پر مشتمل تھیں۔ یہ سرحدیں رفتہ رفتہ سکڑتی چلی گئیں۔ 1586ء میں غیر ملکی تسلط میں آنے کے بعد کشمیر مغلوں افغانوں اور سکھوں کی ''سرکار'' یا ''صوبہ'' بن گیا۔ مغلوں کے قبضے سے لے کر معاہدہ امرتسر (1846ء) تک غیر ملکی طالع آزماؤں نے جو گل کھلائے اور ظلم و جبر کے جو پہاڑ توڑے اس کے نتیجے میں کشمیر کے بحیثیت مملکت یا ریاست قائم رہنے کے تمام امکانات ختم ہو گئے تھے۔ غیر ملکی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے مملکت جموں کشمیر کو چھوٹی چھوٹی جاگیروں، راجواڑوں اور سرکاروں میں تقسیم کر کے اپنے منظور نظر آلہ کاروں کو سونپ دیا تھا۔ سکھوں کے عہد میں تو 300 جاگیردار اس ریاست کے مالک و مختار بنے بیٹھے تھے۔

معاہدہ امرتسر کے نتیجے میں 260 برس بعد جدید ریاست جموں کشمیر کا ظہور عمل میں آیا۔ اسی لئے معاہدہ امرتسر کو جدید متحدہ ریاست جموں کشمیر کا سنگِ میل اور مہاراجہ گلاب سنگھ کو اس ریاست کا بانی کہا جاتا ہے۔ 1846ء سے 1947ء تک یعنی ایک سو ایک برس تک یہ ریاست متحدہ شکل میں قائم رہی۔

وی پی مینن معاہدہ امرتسر کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''معاہدہ امرت سر نے ریاست جموں و کشمیر کو ایک جداگانہ سیاسی حیثیت کا حامل بنا دیا۔ اس معاہدہ کی رو سے گلاب سنگھ مہاراجہ ہو گیا۔ انڈس اور راوی کے درمیان جو کوہستانی علاقہ تھا وہ اس کا مالک بن گیا''۔[1]

مستحکم حکومت کا قیام

معاہدہ امرتسر کے بعد ڈوگرہ خاندان نے کشمیر میں ایک مستحکم اور پائیدار حکومت کی بنیاد رکھی۔ طویل عرصہ تک غیر ملکی سامراجی تسلط کے زیرِ انتظام رہنے کے بعد اب ضرورت اس امر کی تھی کہ یہاں ایک مستحکم اور پائیدار حکومت قائم ہو۔ چنانچہ ڈوگروں نے یہاں ایک نہایت مستحکم اور مضبوط حکومت کی بنیاد رکھی۔ 101 برس کے عرصے میں چار پشتوں کے چار حکمرانوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ اس طویل عرصے میں محلاتی سازشوں، اندرونی خلفشار یا اقتدار کے لئے رسہ کشی کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی جس سے اس حکومت کی کمزوری یا نااتفاقی ثابت ہو۔ ایسی مضبوط اور پائیدار حکومت قائم کرنا شاید کشمیر کے اسی خاندان کا کمال تھا۔

علاقائی اور قبیلائی تعصبات کا خاتمہ

مغلوں، افغانوں اور سکھوں کے تسلط میں زندگی گزارنے کے سبب کشمیری معاشرے میں جو بہت سی خرابیاں

---

[1] ''کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی'' از مسٹر وی پی مینن ترجمہ رئیس احمد جعفری صفحہ 209

پیدا ہو گئی تھیں ان میں علاقائی اور قبیلائی تعصبات کی خرابیاں بھی شامل تھیں۔ معاہدہ امرتسر کے نتیجے میں جب ڈوگرہ خاندان نے کشمیر کا اقتدار سنبھالا تو اُنہوں نے ریاست میں مذہبی رواداری، اتحاد و یگانگت اور بھائی چارے کی ایسی فضا قائم کی کہ یہاں سے قبیلائی، نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات کا خاتمہ ہو گیا۔

کشمیر - ایک منفرد ریاست

معاہدہ امرتسر کے نتیجے میں جو جدید ریاست جموں کشمیر معرضِ وجود میں آئی اُسے برطانوی ہند کی دیگر ریاستوں میں کئی حوالوں سے انفرادیت حاصل تھی مثلاً

☆ یہ سب سے بڑی ریاست تھی، جس کا رقبہ 84471 مربع میل تھا۔

☆ فطری حسن اور قدرتی وسائل کے اعتبار سے یہ ریاست مالا مال تھی۔

☆ یہ ریاست آئینی اعتبار سے سب ریاستوں پر فوقیت رکھتی تھی۔

☆ یہ واحد ریاست تھی جس میں ایک آئین ساز اسمبلی موجود تھی جس کے 1947ء سے پہلے تین بار الیکشن ہو چکے تھے۔ (تفصیلات راقم کی کتاب ''کشمیریات'' میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ یہ ایک کثیر المذہبی ریاست تھی جس میں مذہبی رواداری کی عمدہ روایات نہایت مستحکم تھیں۔

☆ یہ ایک کثیر النسلی اور کثیر السانی ریاست تھی، لیکن اس میں کبھی نسلی یا لسانی بنیاد پر فتنہ وفساد نہیں ہوا۔

☆ تقسیم ہند کے وقت برطانوی ہند میں 563 شخصی ریاستیں تھیں جنہیں اعلانِ آزادیٔ ہند کی رو سے اختیار دیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان یا پاکستان میں شامل ہو جائیں یا اپنے آپ کو آزاد و خود مختار رکھیں۔ ان ریاستوں میں سے سوائے ایک ریاست کے باقی سب ریاستیں اپنی مرضی و منشا سے یا جبری طور پر ہندوستان و پاکستان میں مدغم ہو گئیں۔ کشمیر واحد ریاست تھی جو دونوں ملکوں کے جبر و تسلط کا شکار ہونے کے باوجود آج بھی اپنے جداگانہ تشخص اور قومی آزادی کے لئے مصروفِ جدوجہد ہے۔

معاہدہ گلگت (26 مارچ 1935ء)

پس منظر، معاہدے کا متن، معاہدے کی منسوخی۔

گلگت بلتستان کے علاقے صدیوں سے مملکت کشمیر کے زیر انتظام رہے ہیں۔ 1586ء میں کشمیر پر مغلوں کے قبضے کے بعد اور پھر افغانوں کے عہد تسلط میں یہ علاقے راجواڑوں اور باج گزار ریاستوں میں بٹ گئے۔ سکھوں کے عہد حکومت میں کمانڈر نتھے شاہ کی قیادت میں سکھ فوج نے 1842ء میں گلگت پر قبضہ کر لیا۔ 1846ء کے معاہدہ امرتسر کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو ایک معاہدے کے تحت دریائے راوی اور دریائے سندھ کے مابین علاقہ جات کا اقتدار اعلیٰ سونپ دیا۔ اس معاہدے میں دریائے

سندھ کے پار گلگت، ہنزہ، نگر اور یاسین وغیرہ کے علاقے شامل نہیں تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اور رنبیر سنگھ کے عہد میں ان علاقوں کو سلطنت کشمیر کے زیر انتظام لانے کے لیے پے در پے حملے ہوئے۔ چنانچہ 1851ء میں چلاس 1863ء میں یاسین اور 1866ء میں داریل وغیرہ کو فتح کر کے سلطنت کشمیر کی سرحدیں پامیر اور ترکستان تک پھیلا دی گئیں۔ دریائے سندھ کے شمال میں واقع ان علاقوں کو ایک انتظامی یونٹ کی شکل دے کر "**وزارت گلگت**" کا نام دیا گیا۔ اب سلطنت کشمیر کی سرحدیں وسطی ایشیاء تک جا پہنچیں۔

19 ویں صدی کے وسط میں جب روس نے توسیع پسندانہ پالیسی اختیار کی تو انگریز سرکار کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں زار روس کشمیر کے اس شمالی دروازے کے راستے ہندوستان تک اپنا اثر و نفوذ قائم نہ کر لے چنانچہ اس متوقع خطرے سے نپٹنے کے لیے برطانوی سرکار نے کئی تدابیر اختیار کیں۔ روس اور چین کے ساتھ ملحقہ ان علاقہ جات پر کڑی نگاہ رکھنے کے لیے برطانوی حکومت نے پہلے 1876ء میں اور بعد ازاں 1889ء میں یہاں گلگت پولیٹیکل ایجنسی قائم کی۔ **کرنل ڈیورنڈ** اس ایجنسی کا پہلا پولیٹیکل ایجنٹ تعینات ہوا۔ چین اور وسطی ایشیاء کی طرف مملکت کشمیر کے بڑھتے ہوئے اقتصادی و معاشرتی رشتوں کے تمام دروازے اس ایجنسی کے قائم ہوتے ہی بند ہو گئے۔ اب انگریزی حکومت اس خطے کو مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں رکھنے کے منصوبے بنانے لگی۔ پرتاپ سنگھ انگریزی حکومت کی ان جارحانہ پالیسیوں سے سخت نالاں تھا۔ وہ ان توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں رکاوٹ بنا رہا۔ لیکن اس کا جانشین مہاراجہ ہری سنگھ پہلوتہی کے باوجود بالآخر انگریز سرکار کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گیا۔ دراصل انگریز سرکار نے ریاست جموں کشمیر کے اندرونی معاملات میں اس حد تک اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا کہ سیاسی و شعوری بیداری کے نام پر اندرون ریاست پے در پے پیدا ہونے والے واقعات کے نتیجے میں انگریزی حکومت مہاراجہ ہری سنگھ کو اپنے سامنے جھکانے میں کامیاب ہوئی اور بالآخر مہاراجہ ہری سنگھ کو 1935ء میں برٹش سرکار کی طرف سے گلگت کو اپنے کنٹرول میں لینے کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ چنانچہ 26 مارچ 1935ء کو مہاراجہ ہری سنگھ اور برطانوی ریزیڈنٹ کشمیر کرنل ایل ای لینگ کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کی توثیق 3 اپریل 1935ء کو وائسرائے ہند لارڈ ولینگٹن نے کی۔ اس معاہدے کی رو سے دریائے سندھ کے پار گلگت اور اس کے ملحقہ 14,680 مربع میل پر مشتمل علاقے کا کنٹرول اور فوجی انتظام 60 برس کے لیے براہ راست برطانوی حکومت ہند کے سپرد ہوا۔

متن معاہدہ مابین برٹش گورنمنٹ و مہاراجہ جموں کشمیر

معاہدہ فی مابین سرکار برطانیہ و کرنل ہز ہائی نس مہاراجہ ہری سنگھ، اندر مہندر، بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی، جی۔ سی۔ آئی، ای + کے سی، وی، او سی + مہاراجہ جموں کشمیر و وارثان و جانشینان مہاراجہ بہادر موصوف، جو ایک جانب لیفٹیننٹ کرنل لابونل ایڈورڈ لینگ صاحب بہادر سی آئی ای + ایم سی نے بہ تقویت ان اختیارات

ایکسی لینسی رائٹ آنریبل فری مین ،فری مین طامس ارل آف کامل کے معرتق کیا جو صاحب بہادر موصوف کو ہر ایکسی لینسی رائٹ آنریبل فری مین ،فری مین طامس ارل آف لینگڈن پی سی + جی ایم ایس آئی + جی سی ایم جی + ایم آئی ای + جی بی ای نواب وائسرائے وگورنر جنرل بہادر کشور ہند نے عطا فرمائے اور دوسری جانب کرنل ہز ہائی نس مہاراجہ ہری سنگھ بہادر ممدوح نے اصالتاً معرتق کیا۔

بذریعہ ہذا حسب ذیل معاہدہ کیا جاتا ہے۔

دفعہ اول: وائسرائے وگورنر جنرل کشور ہند کو اختیار ہے کہ اس معاہدے کو استحکام دیئے جانے کے بعد کسی وقت وزارت صوبہ گلگت ریاست جموں کشمیر کے اس حصے کا ملکی وفوجی انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ جو دریائے سندھ کے پار اس داہنے کنارہ پر واقع ہے(جس کا حوالہ متعاقب ''ملک متذکرہ بالا'' کی اصطلاح سے دیا جائے گا۔لیکن باوجود شرائط معاہدہ ہذا ملک متذکرہ بالا ممالک محروسہ ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر جموں کشمیر کی حدود کے اندر شامل رہے گا۔

دفعہ دونم: یہ ثبوت اس امر واقع کے کہ ملک متذکرہ بالا ممالک محروسہ ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر جموں کشمیر کی حدود کے اندر شامل ہے۔ بموقع سالگرہ ہز ہائی نس وبتقریب بیساکھی ،دوسہرہ وبسنت پنچمی اور بموقع دیگر ایسی تقریبوں کے جن کے متعلق مہاراجہ اور گورنر جنرل کشور ہند کے مابین اتفاق رائے ہو جائے۔ افسران انتظامی کا فرض ہوگا کہ ملک متذکرہ بالا میں ہز ہائی نس کی غلامی سر کریں اور اعزازات مروجہ کی پوری تعمیل کرتے رہیں۔ ہز ہائی نس کا جھنڈا سرکاری صدر مقام ایجنسی پر ہمیشہ قائم رہے گا۔

دفعہ سونم: عام حالت میں سرکار برطانیہ کی گورہ افواج یا ہندوستانی افواج وزارت صوبہ گلگت کے اندر سے نہیں گزریں گے۔ جو دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔

دفعہ چہارم: تمام حقوق متعلق معدنیات بحق ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر جموں کشمیر محفوظ ہیں۔ مگر معاہدہ ہذا کے بعد معدنیات کی تلاش یا معدنیات نکالنے کا کام مؤخر کیا جائے گا۔

دفعہ پنجم: معاہدہ ہذا تاریخ استحکام سے ساٹھ سال تک نافذ رہے گا۔ اس معیاد کے ختم ہونے پر خود بخود ختم ہو جائے گا۔

1935ء کے ماہ مارچ کی چھبیسویں تاریخ کو بمقام جموں اس معاہدے پر دستخط کئے گئے اور اس کا تبادلہ عمل میں آیا۔

دستخط۔ ہری سنگھ مہاراجہ جموں کشمیر

دستخط۔ لیفٹیننٹ کرنل ایل ای لینگ ریزیڈنٹ کشمیر

دستخط۔ لارڈ ولنگٹن (وائسرائے ہند)

ہز ایکسی لینسی نواب وائسرائے وگورنر جنرل بہادر کشور ہند نے 1935ء کے ماہ اپریل کی تیسری تاریخ کو بمقام دہلی اس معاہدے کو استحکام دیا۔

دستخط۔ ایچ اے ایف سکاف

فارن سیکرٹری گورنمنٹ ہند

(بحوالہ تاریخ جموں از مولوی حشمت اللہ خان ص 132)

مذکورہ معاہدے کے تحت برٹش سرکار کو علاقہ گلگت کا نظام سنبھالے ابھی صرف بارہ برس گزرے تھے کہ دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں برٹش راج کو برعظیم سے اپنا بوریا بستر سمیٹنا پڑا۔ منصوبہ 3 جون 1947ء کی دفعہ (7(1(بی)) کے تحت طے پایا کہ برطانیہ ہندوستان سے اپنا قبضہ ختم کردے گا اور وہ تمام معاہدے جو برطانوی ہند کی شخصی ریاستوں سے طے ہوئے ہیں وہ از خود منسوخ ہوجائیں گے اور اقتدار اعلیٰ ریاستوں کو تفویض ہوگا۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت معاہدہ گلگت بھی منسوخ ہوگیا چنانچہ طے پایا کہ یکم اگست 1947ء کو برطانوی پولیٹیکل ریزیڈنٹ کشمیر گلگت ایجنسی کا چارج باضابطہ طور پر حکومت کشمیر کے سپرد کردے گا۔ ہز ہائی نس مہاراجہ کشمیر کے حکم سے وزیر اعظم رام چند کاک نے 12 جولائی 1947ء بمطابق 16 ساون 2004 بکری کو ایک حکم نامہ جاری کیا جس میں گلگت وزارت کو صوبے کا درجہ دے کر برگیڈئیر جنرل سٹاف گھنسارا سنگھ کو اس صوبے کا گورنر تعینات کیا گیا۔ 30 جولائی کو گلگت پہنچ کر گھنسارا سنگھ نے چارج سنبھال لیا۔ اس کے ہمراہ چند جونیئر آفیسران بھی تعینات کئے گئے۔ یوں 12 برس کے بعد عملاً اس علاقے پر مہاراجہ کی عملداری قائم ہوگی۔ اس موقع پر سری نگر میں حکومت کشمیر نے جشن کا اہتمام کیا۔

معاہدہ قائمہ 1947ء (Stand Still Agreement)

12 اگست 1947ء کو ریاست جموں کشمیر کے وزیر اعظم جنگ سنگھ نے پاکستان کے انچارج ریاستی امور سردار عبدالرب نشتر کو ایک ٹیلی گرام بھیجا جس میں حکومت پاکستان سے ایک عارضی معاہدہ قائمہ کی پیشکش کی گئی۔ معاہدہ کے تحت ان انتظامات کو جو ریاست اور سبکدوش ہونے والی برطانوی حکومت کے مابین تھے، ان انتظامات کو ریاست اور پاکستان کے مابین برقرار رکھا گیا۔ حکومت کشمیر نے ہندوستان کو بھی ایسے معاہدے کی پیشکش کی لیکن ہندوستان نے کوئی فوری ردعمل ظاہر نہ کیا۔ پاکستان نے 15 اگست کو اس معاہدے پر رضامندی دے دی۔ جس کے نتیجے میں ڈاک تار، دفاع اور کرنسی کے معاملات اصولاً پاکستان کے فرائض میں آگئے چنانچہ کشمیر کے ڈاک خانوں پر پاکستان کے پرچم بھی لہرانے لگے۔ لیکن چند ہی ہفتوں بعد یہ معاہدہ بے اثر ہوگیا کیونکہ حکومت پاکستان مہاراجہ پر اعتماد نہ کرسکی۔ کشمیر میں بغاوت کے اثرات دیکھ کر پاکستان نے پنجاب سے ریاست کے لیے سپلائی کیا جانے والا سامان خورونوش اور دیگر ضروریات

زندگی روک دیں جس سے مہاراجہ اور ریاستی عوام بلبلا اٹھے۔ مجبوراً مہاراجہ کو حکومت ہندوستان سے مدد مانگنا پڑی۔ ہندوستان نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر مہاراجہ کو اپنی گود میں لے لیا۔

معاہدہ الحاقِ ہندوستان (1947ء)

کشمیر میں قبائلی دستوں کے حملے سے خوف زدہ ہو کر مہاراجہ ہری سنگھ 26,25 اکتوبر کی درمیانی رات کو دارالحکومت سرینگر سے بھاگ کر جموں چلا گیا جہاں سے اس نے 26 اکتوبر 1947ء کو بھارتی نمائندے وی پی مینن کے ہاتھ لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند کو ایک مفصل خط ارسال کیا جو حسب ذیل ہے۔

مائی ڈیئر ماؤنٹ بیٹن!

میں جناب والا کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ میری ریاست میں شدید ہنگامے برپا ہو گئے ہیں جن کے لئے مجھے فوری آپ کی مدد کی ضرورت ہے جیسا کہ جناب والا آگاہ ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر نے پاکستان یا ہندوستان کسی ایک سے بھی الحاق نہیں کیا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے میری ریاست دونوں ہی ملکوں سے ملحق ہے اور دونوں ہی کے ساتھ اس کے سیاسی اور سماجی رشتے ہیں۔ علاوہ ازیں میری ریاست کی سرحدیں روس اور چین سے بھی نظر انداز نہیں کر سکتیں۔ مجھے یہ فیصلہ کرنے کے لئے وقت درکار تھا کہ میں ہندوستان کے ساتھ الحاق کروں یا پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھوں چنانچہ میں نے دونوں مملکتوں سے جوں کا توں معاہدہ کی درخواست کی ہے، جسے پاکستان نے منظور کر لیا۔ لیکن ہندوستان نے میری حکومت کے نمائندے سے مزید گفتگو کی ضرورت محسوس کی، جس کا مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر میں انتظار نہ کر سکا۔ بہر حال اس معاہدے کی رو سے حکومت پاکستان ریاست کے تار اور ڈاک کا انتظام کر رہی ہے۔ اگرچہ ہم پاکستان کے ساتھ معاہدہ کر چکے ہیں۔ لیکن اس حکومت نے دباؤ کے تحت گلا گھونٹنا شروع کر دیا ہے۔ خصوصاً اشیائے خورد و نوش نمک اور پٹرول کی سپلائی بند کر دی ہے۔ آفریدی سادہ لباس میں ملبوس سپاہی اور جدید اسلحہ سے لیس لوگوں کو ریاست میں ٹرکوں کے ذریعہ داخلہ کی اجازت دی گئی۔ جو آغاز میں پونچھ پہنچے۔ پھر سیالکوٹ اور آخر میں ہزارہ سے ملحقہ علاقے راولاکوٹ کی جانب سے گروہ در گروہ پہنچنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محدود و شمار کی ریاستی فوج کے سپاہی تتر بتر ہو گئے۔ وحشی قوتیں، جو میری ریاست کے اندر داخل ہو گئی ہیں، میرے گرمائی دارالحکومت سرینگر کی جانب تیزی سے بڑھ رہی ہیں کہ پوری ریاست پر قبضہ کیا جا سکے۔ شمال مغربی سرحد کے دور دراز علاقوں سے قبائلیوں کی خاصی تعداد ٹرکوں کے ذریعے آ رہی ہے۔ ان کے پاس جدید قسم کا اسلحہ ہوتا ہے۔ یہ سب صوبہ سرحد اور حکومت پاکستان کے علم میں ہے۔ میں نے متعدد اپیلیں کیں مگر شنوائی نہیں

ہوئی۔ پاکستان ریڈیو نے تو ایک کہانی بھی گھڑی ہے کہ کشمیر میں ایک عارضی حکومت قائم کر لی گئی ہے۔ موجودہ صورت حال کا تقاضا ہے کہ ہندوستان سے مدد طلب کروں۔ لازمی طور پر یہ مدد مجھے اس وقت تک نہیں مل سکتی، جب تک میری ریاست ہندوستان سے الحاق کا فیصلہ نہیں کر لیتی۔ چنانچہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے اور اس خط کے ہمراہ الحاق کے کاغذات آپ کی منظوری کے لئے ارسال خدمت ہیں۔ میں جناب والا کو مطلع کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا ارادہ ہے کہ فوری طور پر عارضی حکومت قائم کر دوں اور شیخ عبداللہ سے کہوں کہ وہ میرے وزیر اعظم کے ساتھ مل کر اس ہنگامی حالت میں فوری طور پر ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اگر آپ میری ریاست کو بچانا چاہتے ہیں تو سرینگر میں فوری مدد درکار ہے۔ مسٹر مینن ساری صورت حال سے آگاہ ہیں۔ اگر مزید کسی استفسار کی ضرورت ہو تو وہ بیان کر سکتے ہیں۔ یہ تحریر بہت جلدی میں لکھی گئی ہے۔ بصد احترام۔

آپ کا مخلص

ہری سنگھ [1]

وی پی مینن یہ خط لے کر دہلی گیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن، پنڈت جواہر لعل نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل اور شیخ محمد عبداللہ نے اس الحاق کے معاملے پر غور کیا اور باہمی اتفاق سے 27 اکتوبر کو جوابی خط لکھ کر دوبارہ وی پی مینن کے ہاتھ بھیجا جس میں لکھا تھا۔

''میری حکومت نے آپ کی ریاست کا الحاق ہندوستان سے منظور کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تاہم میری حکومت چاہتی ہے کہ ریاست جموں کشمیر میں نظم و نسق کی بحالی اور ریاست سے حملہ آوروں کو نکال لینے کے بعد الحاق کا فیصلہ عوام کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے گا''۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس خط کے ساتھ ہی فوجیں سری نگر روانہ کر دیں۔ 27 اکتوبر 1947ء کو بری اور ہوائی فوج کی بھاری تعداد ریاست میں داخل ہو گئی۔

معاہدہ جنگ بندی (یکم جنوری 1949)

1948ء کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انڈیا پاکستان نے مسئلہ کشمیر کے متحارب فریقین سے بات چیت کے بعد محاذ کشمیر پر جنگ بند کر دینے کی تجویز پیش کی چنانچہ طے پایا کہ ہندوستان اور پاکستان

---

[1] ''کشمیر تاریخ کے آئینے میں'' ایم اے خان

فی الفور جنگ بند کر دیں گے اور جنگ بندی کی نگرانی کے لیے سیز فائر لائن پر اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین تعینات کئے جائیں گے۔ اس کے بعد دونوں طرف سے حالات معمولی پر لانے کے لیے فوجوں کی تعداد کم کی جائے گی اور جب حالات معمولی پر آجائیں گے تو اقوام متحدہ کی نگرانی میں رائے شماری کے ذریعے کشمیری عوام سے پوچھا جائے گا کہ وہ ہندوستان سے الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ یا پاکستان سے یا کشمیر کو آزاد اور خودمختار رکھنا چاہتے ہیں۔

UNCIP کا یہ نیا فارمولا ہندوستان اور پاکستان نے تسلیم کر لیا چنانچہ 31 دسمبر 1948ء کو رات کے 12 بجے محاذ کشمیر پر جنگ بند کر دی گئی اور یکم جنوری 1949ء کو جنگ بندی معاہدے پر فریقین نے دستخط کئے۔ چنانچہ 5 جنوری 1949ء کو اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے دونوں ملکوں کے درمیان سمجھوتے کے لیے ایک قرارداد پیش کی جس کی رو سے جنگ بندی کی نگرانی کے لیے اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین کشمیر آنا شروع ہو گئے۔

جموں کشمیر میں جنگ بندی کے سوال پر پاکستانی افواج کے بعض جرنیلوں اور وزیر اعظم لیاقت علی خاں میں اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ فوجی افسروں کا موقف یہ تھا کہ جنگ بندی یا تو تین ماہ سے پہلے اس وقت ہونی چاہیے تھی جب پونچھ اور اوڑی پاکستانی فوج کے کنٹرول میں تھے۔ ہندوستانی فوج کے جوابی حملے میں یہ علاقے پاکستان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اب جنگ بندی کا جس وقت فیصلہ ہوا تو فوجی افسران نے لیاقت علی خاں کو مشورہ دیا کہ فی الحال جنگ بندی کے معاہدے کو التواء میں رکھا جائے تاکہ دوبارہ صف بندی کر کے بہتر پوزیشن حاصل کر لی جائے۔ لیکن لیاقت علی خان نے فوجی افسروں کا یہ مشورہ مسترد کر دیا اور جنگ بندی سمجھوتے پر دستخط کر دیئے۔

معاہدہ کراچی (28 اپریل 1949ء)

28 اپریل 1949ء کو وزارت امور کشمیر حکومت پاکستان حکومت آزاد جموں کشمیر اور مسلم کانفرنس کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جسے معاہدہ کراچی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر کے درمیان تقسیم کار کی تفصیلات طے کی گئیں۔ اس معاہدے کی ایک شق کے مطابق ریاست جموں کشمیر کے علاقہ جات گلگت، بلتستان کے تمام معاملات عارضی طور پر حکومت پاکستان کے مقرر کردہ پولیٹیکل ایجنٹ کی وساطت سے حکومت پاکستان کو منتقل کر دیئے گئے۔ 28 ہزار مربع میل پر مشتمل ریاست جموں کشمیر کا یہ علاقہ اب تک حکومت پاکستان کے کنٹرول میں ہے۔ حالانکہ یہ علاقے تاریخی، ثقافتی اور آئینی طور پر پاکستان کا حصہ نہیں ہیں۔ پاکستان کے کسی بھی آئین میں

انہیں پاکستان کا حصہ ظاہر نہیں کیا گیا۔

معاہدہ کراچی کے اہم نکات حسب ذیل ہیں۔

الف۔ حکومت پاکستان کے دائرہ اختیار کے اندر معاملات:۔

۱ دفاع

۲ آزاد کشمیر کی خارجہ پالیسی

۳ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو پاک (UNCIP) کے ساتھ مذاکرت

۴۔ پاکستان اور بیرونی ممالک میں مسئلہ کشمیر کی تشہیر کے معاملات

۵۔ رائے شماری کے سلسلے میں تشہیر میں باہمی رابطہ

۶ کشمیر کے بارے میں پاکستان کے اندر مختلف اقدامات۔ جیسے خوراک کی فراہمی، سول سپلائی، ٹرانسپورٹ، مہاجرین کے کیمپوں کا قیام اور طبی امداد وغیرہ۔

۷ گلگت اور لداخ (بلتستان) کے جملہ انتظامات کا کنٹرول

ب۔ آزاد کشمیر حکومت کے زیر اختیار معاملات:۔

۱۔ آزاد کشمیر کے علاقے کی انتظامیہ کے متعلق پالیسی

۲۔ آزاد کشمیر علاقے کی انتظامیہ کی نگرانی

۳۔ آزاد کشمیر حکومت اور انتظامیہ کی کارکردگی کی تشہیر

۴۔ عزت مآب وزیر بے محکمہ (حکومت پاکستان) کو اقوام متحدہ کے کمیشن (UNCIP) سے مذاکرات کے بارے میں مشورہ۔

۵۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں اقتصادی وسائل اور ترقی کی منصوبہ بندی۔

ج۔ مسلم کانفرنس کے زیر اختیار معاملات:۔

۱ علاقہ آزاد کشمیر میں رائے شماری کے بارے میں تشہیر

۲۔ ریاست کے ہندوستانی مقبوضہ علاقے میں مسلح کارروائیاں اور تشہیر

۳ مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں سیاسی گرمیوں کو منظم کرنا

۴ رائے شماری کے بارے ابتدائی انتظامات

۵ رائے شماری کے انعقاد کو منظم کرنا

۶ پاکستان کے اندر آباد کشمیری مہاجرین میں سیاسی سرگرمیوں کی تشہیر

۷ عزت مآب وزیر بے محکمہ (حکومت پاکستان) کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاکستان و

ہندوستان (UNCIP) سے مذاکرات کے بارے میں مشاورت مہیا کرنا۔

اس معاہدے پر حکومت پاکستان کے وزیر بے محکمہ (انچارج امور کشمیر) مشتاق احمد گورمانی، چوہدری غلام عباس سپریم ہیڈ آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس نے اختلافی نوٹ لکھ کر صرف مسلم کانفرنس سے متعلق امور پر اتفاق کیا۔ صدر آزاد کشمیر سردار محمد ابراہیم خان معاہدے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے دستخط کیے بغیر مسودہ وزارت امور کشمیر کو واپس بھیج دیا۔ وزارت کے کسی اہلکار نے سردار محمد ابراہیم کی طرف سے اس پر جعلی دستخط ثبت کر دیئے۔ صدر آزاد کشمیر اور چوہدری غلام عباس نے اقتدار، مراعات اور وظیفہ چھن جانے کے خوف سے چپ سادھے رکھی اور معاہدے کی حقیقت کو کشمیری عوام پر آشکارانہ کیا۔ یوں یہ جبری معاہدہ کشمیریوں پر مسلط کر دیا۔

معاہدہ کراچی کشمیریوں کے لیے غلامی کی ایک بدترین دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے ریاست کا ایک بڑا حصہ ریاست سے کاٹ کر پاکستان نے براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ یہاں کے لاکھوں کشمیریوں کو پولیٹیکل ایجنٹ اور FCR جیسے ظالمانہ وفرسودہ نظام کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ عوام کے بنیادی حقوق غصب کر لیے گئے۔ تعلیم، علاج معالجہ، مواصلات اور تحریر وتقریر کے حقوق سلب کر لیے گئے۔

اس معاہدے کی رو سے ریاست کے 32 ہزار مربع میل آزاد علاقے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پاکستان نے عملاً تقسیم کشمیر میں پہل کی۔ یہاں مسلکی فرقہ واریت اور انتشار کو فروغ دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ آزاد کشمیر کی تمام سیاسی جماعتیں، عوام الناس اور گلگت بلتستان کے باشعور حلقے اس امر کا مطالبہ کرتے چلے آئے ہیں کہ پاکستان ریاست جموں کشمیر کے ان علاقوں سے اپنا کنٹرول ختم کرے اور انہیں آزاد کشمیر کے ساتھ ملنے کا موقع فراہم کرے تاکہ یہاں کے لوگ قومی دھارے میں شامل ہو کر اپنے وطن عزیز کی وحدت اور آزادی کے لیے جدوجہد کر سکیں۔

دہلی ایگریمنٹ (1952ء)

1952ء میں معاہدہ کراچی کی دیکھا دیکھی مقبوضہ ریاست جموں کشمیر کے نمائندگان نے نئی دہلی میں حکومت ہندوستان کے نمائندوں سے طویل مذاکرات کیے جن میں ریاست کے ہندوستان سے آئینی رشتہ کے متعلق اہم معاملات طے کیے گئے۔ اس سمجھوتے کو دہلی ایگریمنٹ کا نام دیا گیا۔ اس عہد نامہ کو شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر اسمبلی میں پیش کر کے نمائندوں سے حمایت حاصل کی۔

اس عہد نامہ میں حکومت ہند نے یہ نقطہ نظر اپنایا کہ 26 اکتوبر 1947ء کو معاہدہ الحاق ہند کے

بعد اب ریاست جموں کشمیر ہندیونین کا ایک آئینی حصہ ہے۔ ریاست جموں کشمیر کی حکومت نے یہ موقف اختیار کیا کہ ریاست اور ہندیونین کے مابین آئینی تعلقات کو آخری شکل دینے کا اختیار بطور خاص جموں کشمیر آئین ساز اسمبلی کو حاصل ہوگا۔ دفاع، کرنسی، مواصلات اور امور خارجہ کی ذمہ داری مرکزی حکومت کے سپرد ہوگی۔ باقی اندرونی معاملات میں ریاست بااختیار ہوگی۔ عہدنامے کے اہم نکات حسب ذیل ہیں۔

۱ ریاست جموں کشمیر کا ہر باشندہ ہندوستان کا شہری ہوگا۔

۲ آئین ہند میں ہندوستانی باشندوں کو جو حقوق حاصل ہیں وہ جموں کشمیر کے باشندوں کو کلی طور پر عطا نہیں کیے جائیں گے۔

۳ مقدمات کی سماعت کے لیے عدالت اعلیٰ سپریم کورٹ آف انڈیا ہوگی۔

۴ ریاست کشمیر کا اپنا الگ جھنڈا ہوگا لیکن ہندیونین کے جھنڈے کو فوقیت حاصل ہوگی۔

۵ ریاستی مجرموں کے لیے موت کی سزا کو التواء میں ڈالنے یا عمر قید میں تبدیل کرنے کا اختیار صدر ہند کو حاصل ہوگا۔

۶ صدر ریاست کا عہدہ وراثتی نہیں ہوگا۔

۷ ریاست جموں کشمیر اور ہندیونین مالی معاملات باہمی تعاون سے چلائیں گی۔

۸ ہنگامی حالات میں ریاست جموں کشمیر کا براہ راست کنٹرول مرکز اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔

پاک چین سرحدی معاہدہ (2 مارچ 1963ء)

عوامی جمہوریہ چین اور پاکستان کے مابین 2 مارچ 1963ء کو بیکنگ میں ایک معاہدہ طے پایا جسے ''پاک چین سرحدی معاہدہ'' کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے پر دونوں ممالک کے وزراء خارجہ چن یی (چین) اور ذوالفقار علی بھٹو (پاکستان) نے دستخط کئے۔ اس معاہدے میں چین کے صوبہ سنکیانگ اور ریاست جموں کشمیر کے ان علاقوں کے درمیان حد بندی لائن کا تعین کیا گیا جو اس وقت پاکستان کے زیر قبضہ ہیں اور جنہیں شمالی علاقہ جات کہا جاتا ہے۔ دونوں ممالک کی سروے ٹیموں نے باہمی اتفاق رائے اور مکمل سروے کے بعد نقشوں کی مدد سے حد بندی لائن کا تعین کیا۔ ایوب خان نے چین سے اظہار دوستی کے لیے ریاست جموں کشمیر کا 1868 مربع میل علاقہ چین کو تحفتاً پیش کر دیا۔

اس معاہدے میں ریاست جموں کشمیر کو متنازعہ علاقہ تسلیم کیا گیا اور طے پایا کہ مسئلہ کشمیر کے حتمی حل کے بعد کشمیر کے ان علاقوں (شمالی علاقہ جات) پر جس کی حکومت ہوگی یہ معاہدہ اس سے از سر نو کیا جائے گا۔ معاہدہ کا آرٹیکل نمبر 6 ہے۔

"The two parties have agreed that after the settlement of the Kashmir dispute between Pakistan and India, the sovereign authority concerned will reopen negotiations with the Government of the People's Republic of China on the boundary as described in Article. Two of the present agreement, so as to sign a formal boundary treaty to replace the present agreement, provided that in the event of the sovereign authority being Pakistan, the provisions of the present agreement and of the aforesaid protocol shall be maintained in the formal boundary treaty to be signed between the People's Republic of China and Pakistan".

پاک چین سرحدی معاہدے کے خلاف حکومت ہندوستان نے سخت احتجاج کیا۔ اس نے 16 مارچ 1963ء کو سلامتی کونسل کے صدر کے نام اپنے احتجاجی مراسلہ میں یہ موقف اختیار کیا کہ اس معاہدے سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک وہند کی قراردادوں کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔

معاہدہ تاشقند (10 جنوری 1966ء)

ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے نتیجے میں دونوں ملکوں کے مابین کشیدگی بڑھ گئی، دونوں طرف بے چینی اور رنجش کی فضا تھی۔ حالات کو معمول پر لانے اور آپس میں اتفاق واتحاد کی فضا پیدا کرنے کے لیے روس کی دعوت پر صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان اور وزیراعظم بھارت لال بہادر شاستری 3 جنوری 1966ء کو ماسکو پہنچے اور تاشقند کانفرنس میں ایک دوسرے سے ملاقات کی۔ چندروزہ مذاکرات کے بعد ایک مشترکہ اعلامیے پر 10 جنوری 1966ء کو دستخط ہوئے جسے معاہدہ تاشقند کہا جاتا ہے۔ دونوں ممالک کے سربراہوں نے نو نکاتی اعلامیہ جاری کیا جس کے اہم نکات حسب ذیل ہیں۔

۱ صدر پاکستان ایوب خان اور وزیراعظم بھارت لال بہادر شاستری نے جموں کشمیر پر بات چیت کی اور اپنا اپنا موقف بیان کیا۔

۲ دونوں ممالک کی افواج 25 فروری تک 5 اگست 1965ء والی پوزیشن پر چلی جائیں گی۔

۳ دونوں سربراہوں نے اپنے مسئلے باہمی اتفاق سے حل کرنے پر اتفاق کیا۔

۴ دونوں ممالک ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ بند کر دیں۔

۵ براہ راست ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والے معاملات حل کرنے کے لیے کانفرنسیں منعقد کی جائیں گی۔

ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔

جنگ چھڑنے سے قبل پاکستان اور ہندوستان کے حالات میں خاصی کشیدگی تھی۔ حالات سے صاف نظر آ رہا تھا کہ دونوں ممالک الجھ پڑیں گے۔ اس خطرے کو بھانپتے ہوئے روس کے سربراہ مسٹر کوسیگن نے 4 ستمبر 1965ء کو صدر ایوب خان اور وزیراعظم شاستری کو باضابطہ دعوت دی کہ اپنے باہمی معاملات کے تصفیے کے لیے مذاکرات کا راستہ اختیار کریں۔ روس ان کی بھرپور مدد کرے گا۔ ابھی یہ خط و کتابت جاری تھی کہ 6 ستمبر کو لڑائی چھڑ گئی یہی وجہ ہے کہ جنگ میں روس نے کھل کر بھارت کی حمایت نہ کی۔ جنگ جاری تھی کہ 20 ستمبر کو سلامتی کونسل نے قرارداد منظور کی جس کے تین حصے تھے، (۱) فائر بندی (۲) فوجوں کی واپسی (۳) سیاسی مسائل کے حل کی پرامن کوشش۔ 23 ستمبر کو باضابطہ جنگ بندی عمل میں آئی۔

جنگ بندی کے بعد باہمی صلح صفائی کے لیے دونوں ملکوں پر عالمی دباؤ بڑھنے لگا۔ ان کوششوں میں روس پیش پیش تھا۔ برطانیہ اور امریکہ بھی خاصی دلچسپی لے رہے تھے۔

16 نومبر کو ہندوستانی وزیر خارجہ کرشنا چاری نے روس کا دورہ کیا اور واپس آ کر روس کے صلح پسندانہ رویے کی تعریف کی۔ 23 نومبر کو پاکستانی وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کو بھی روس کا دورہ کرنا پڑا وہ بھی روس کی کوششوں کو سراہنے لگے۔ انہی دنوں صدر پاکستان ایوب خان نے امریکہ کا دورہ کیا اور واپس آ کر یہ بیان دیا کہ ''امریکی قیادت نے مجھے یقین دلایا ہے کہ اگر ہم مذاکرات کی میز پر چلے جائیں تو بھارت کشمیر کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے گا''۔ ایوب خان کی واپسی کے بعد دونوں ملکوں نے روس کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ باہمی مذاکرات کے لیے روس جانے کے لیے تیار ہیں۔ وزیراعظم بھارت شاستری نے روس جانے سے قبل کئی بار اپنے بیانات اور تقاریر میں اس بات کو دہرایا کہ ''ہم مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے روس نہیں جا رہے بلکہ جنگ کے تنازعات حل کرنے کے لیے بات کریں گے''۔

ایوب خاں کے روس جانے سے قبل پاکستانی ذرائع ابلاغ نے بڑی شد و مد سے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ معاہدہ تاشقند مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے عمل میں لایا جا رہا ہے۔ لیکن ان دعوؤں کی کلی جلد ہی کھل گئی جب ایک طرف معاہدے کی نو دفعات سامنے آئیں جن میں کشمیر کے تصفیے کا کوئی ذکر نہیں تھا اور دوسری طرف ایک خفیہ سمجھوتے کی بھی بازگشت سنائی دی جس میں پاکستان نے کشمیر سے دستبردار ہونے کا اعلان کیا اور کشمیر پر ہندوستان کے قبضے کو جائز تسلیم کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب لال بہادر شاستری کو یہ خبر سنائی گئی کہ ایوب خان نے معاہدے پر دستخط کر دیئے ہیں تو اس پر شادی مرگ طاری ہو گئی۔ یوں وہ اپنی جان دے کر بظاہر میدان میں ہاری ہوئی جنگ کو ٹیبل پر جیت گیا۔ اس موقع پر بھارتی نمائندے نے اخبار نویسوں کو جو پہلا بیان تاشقند میں دیا اس میں اس نے کہا کہ کشمیر بھارت کا داخلی معاملہ ہے اور اعلان تاشقند کے تحت

پاکستان کشمیر کی بات نہیں کرسکتا۔ معاہدہ تاشقند سے تحریک آزادی کشمیر پر جو مہلک اثرات مرتب ہوئے ان کی وجوعات حسب ذیل تھیں۔

۱ فوجوں کی واپسی کے مسئلے کو خوب اچھالا گیا جس سے مسئلہ کشمیر پس پردہ چلا گیا۔

۲ مسئلہ کشمیر تاشقند کانفرنس کے ایجنڈے پر نہیں تھا معاہدے پر دستخط ہوئے تو اس میں یہ لکھا گیا کہ دونوں ملکوں کے سربراہوں نے کشمیر پر بات کی اور اپنا اپنا موقف پیش کیا۔ (اس سے عیاں ہو گیا کہ کشمیر پر خفیہ سمجھوتہ طے پایا ہے)۔

۳ معاہدے میں پاکستان نے کشمیر کو ہندوستان کا اندرونی معاملہ تسلیم کر کے کشمیر پر ہندوستان کے فوجی قبضے کو تسلیم کر لیا۔

۴ معاہدہ تاشقند نے مسئلہ کشمیر کو عالمی سطح پر مسخ کر دیا۔ اسے ایک قوم کی آزادی کے بجائے دو ملکوں کے مابین سرحدی تنازعہ سمجھا جانے لگا۔

۵ بھارت نے پاکستان سے یہ عہد لیا کہ وہ آئندہ بھارت سے جنگ نہیں چھیڑے گا اور باہمی تنازعات گفت وشنید سے حل کیے جائیں گے۔

۶ معاہدے کی رو سے کشمیر کا بہت سا مفتوحہ علاقہ ہندوستان کو واپس کر دیا گیا۔

جنگ سے چند ماہ قبل پاکستان نے 15 ہزار تربیت یافتہ مسلح گوریلے کشمیر میں داخل کر دیئے تھے جنہیں پسپا ہو کر واپس لوٹنا پڑا۔ ہندوستان نے پاکستان پر جنگ چھیڑنے کا الزام عائد کیا اور مطالبہ کیا کہ پاکستان کشمیر سے دستبردار ہو جائے، پاکستان نے کشمیر سے گلوخلاصی کروانے کا موقعہ مناسب سمجھا اور تاشقند معاہدے پر دستخط کر کے ایک طرف روسیاہی اور جگ ہنسائی مول لی اور دوسری طرف کشمیر کی جنگ آزادی کے شہیدوں کے لہو سے غداری کا ارتکاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیریوں نے ہمیشہ تاشقند معاہدے کو پائے حقارت سے ٹھکرایا ہے۔

Text Tashkent declaration

The Prime Minister of India and the President of Pakistan, having met at Tashkent and having discussed the existing relations between India and Pakistan hereby declare their firm resolve to restore normal and peaceful relations between their countries and to promote understanding and friendly relations between their peoples. They consider the attainment of these objectives of vital importance for the welfare of the 600 million people of India and Pakistan.

(i) The Prime Minister of India and the President of Pakistan agree that both

sides will exert all efforts to create good neighbourly relations between India and Pakistan in accordance with the United Nations Charter. They reaffirm their obligation under the Charter not to have recourse to force and to settle their disputes through peaceful means. They considered that the interests of peace in their region and particularly in the Indo Pakistan subcontinent and, indeed, the interests of the peoples of India and Pakistan were not served by the continuance of tension between the two countries. It was against this background that Jammu and Kashmir was discussed, and each of the sides set forth its respective position.

(ii) The Prime Minister of India and the President of Pakistan have agreed that all armed personnel of the two countries shall be withdrawn not later than 25 February, 1966, to the position they held prior to 5 August, 1965, and both sides shall observe the ceasefire terms on the ceasefire line.

(iii) The Prime Minister of India and the President of Pakistan have agreed that relations between India and Pakistan shall be based on the principle of noninterference in the internal affairs of each other.

(iv) The Prime Minister of India and the President of Pakistan have agreed that both sides will discourage any propaganda directed against the other country and will encourage propaganda which promotes the development of friendly relations between the two countries.

(v) The Prime Minister of India and the President of Pakistan have agreed that the High Commissioner of India to Pakistan and the High Commissioner of Pakistan to India will return to their posts and that the normal functioning of diplomatic missions of both countries will be restored. Both governments shall observe the Vienna Convention of 1961 on diplomatic intercourse.

(vi) The Prime Minister of India and the President of Pakistan have agreed to consider measures towards the restoration of economic and trade relations, communications as well as cultural exchanges between India and Pakistan, and to take measures to implement the existing agreements between India and Pakistan.

(vii) The Prime Minister of India and the President of Pakistan have agreed that they will give instructions to their respective authorities to carry out the repatriation of the prisoners of war.

(viii) The Prime Minister of India and the President of Pakistan have agreed

that the two sides will continue the discussion of questions relating to the problems of refugees and evictions/illegal immigrations. They also agreed that both sides will create conditions which will prevent the exodus of people. They further agree to discuss the return of the property and assets taken over by either side in connection with the conflict.

(ix) The Prime Minister of India and the President of Pakistan have agreed that the two sides will continue meetings both at the highest and at other levels of matters of direct concern to both countries. Both sides have recognised the need to set up joint IndianPakistani bodies which will report to their governments in order to decide what further steps should be taken.

The Prime Minister of India and the President of Pakistan record their feelings, deep appreciation and gratitude to the leaders of the Soviet Union, the Soviet Government and personally to the Chairman of the Council of Ministers of the USSR for their constructive, friendly and noble part in bringing about the present meeting which has resulted in mutually satisfactory results. They also express to the government and friendly people of Uzbekistan their sincere thankfulness for their overwhelming reception and generous hospitality. They invite the Chairman of the Council of Ministers of the USSR to witness this declaration.

Prime Minister of India	*President of Pakistan*
Lal Bahadur Shastri	**Mohammad Ayub Khan**

Tashkent, 10 January 1966. ؎

شملہ معاہدہ (2 جولائی 1972ء)

1971ء کی پاک بھارت جنگ میں پاکستان کو زبردست ہزیمت اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ سقوط ڈھاکہ کے نتیجے میں 93 ہزار مسلح فوجیوں نے سپہ سالار اعلیٰ جنرل نیازی کی قیادت میں ہتھیار ڈال دیے جنہیں جنگی قیدی بنالیا گیا۔ مشرقی پاکستان کے ساڑھے پانچ ہزار مربع میل علاقے پر بھارتی فوج نے قبضہ کرلیا۔ ان جنگی قیدیوں کی واپسی، مقبوضہ علاقے کی واپسی اور باہمی تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے

؎ Source: Government Of India Publications

شملہ کے مقام پر 28 جون 1972ء سے 2 جولائی 1972ء تک سربراہی ملاقاتیں ہوئیں، گفت وشنید کے بعد 2 جولائی 1972ء کو بھارت کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اور پاکستان کے صدر ذوالفقار علی بھٹو کے مابین 6 شقوں پر مشتمل ایک معاہدہ طے پایا جسے شملہ معاہدہ کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے نے تحریک آزادی کشمیر کو زبردست نقصان پہنچایا۔ معاہدہ تاشقند کے بعد کشمیریوں نے اپنی جدوجہد آزادی کو منظم کرنے کی جو کوششیں بروئے کار لائی تھیں وہ ایک بار پھر خاک میں ملادی گئیں۔ پاکستان نے جنگی قیدیوں کے بدلے ایک کروڑ کشمیریوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہندوستان کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ نااہل اور نالائق بیوروکریسی اور بزدل جرنیلوں نے تاوان جنگ کے طور ر کشمیریوں کو ہندوستان کے حوالے کر دیا۔ بقول خان عبدالقیوم خان ''معاہدہ شملہ کے ذریعے مسٹر بھٹو نے کشمیر کے مسئلے کو تاشقند کے برف خانے سے نکال کر شملہ کے عالی شان مقبرے میں دفن کر دیا ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر کے غیور اور حریت پسند عوام نے روز اول سے ہی اس معاہدہ کو تسلیم نہیں کیا۔

شملہ معاہدے کے حسب ذیل مضمرات نے تحریک آزادی کشمیر پر منفی اثرات مرتب کئے۔

۱۔ یہ معاہدہ کشمیر کے اصل وارثوں یعنی کشمیریوں کو مسئلہ کشمیر کا فریق ہی نہیں سمجھتا۔

۲۔ یہ معاہدہ، کشمیریوں کے مسلمہ حق خودارادیت کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ مسئلہ کشمیر کو دوملکوں کے مابین سرحدی جھگڑا سمجھتا ہے۔

۳۔ یہ معاہدہ کشمیریوں کو عالمی رائے عامہ کی حمایت سے محروم کر دیتا ہے کیونکہ عالمی رائے عامہ ایک مظلوم اور محکوم قوم کے حق آزادی کی حمایت تو کرتی ہے لیکن اسے دوملکوں کے مابین علاقائی تنازعہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس لیے شملہ معاہدے کے بعد عالمی رائے عامہ نے چپ سادھ لی۔

۴۔ اس معاہدے کے تحت دونوں ملکوں نے عہد کیا کہ کنٹرول لائن کے دونوں طرف اٹھنے والی تحریکوں کو ختم کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر میں شملہ معاہدے کے بعد آزادی پسندوں کی پکڑ دھکڑ اور تعذیب وتشدد کا سلسلہ بیک وقت شروع کیا گیا۔

۵۔ پاکستان نے بھارت سے آئندہ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا جس سے کشمیریوں کو سخت مایوسی ہوئی۔

۶۔ اس معاہدے کی دفعہ 4 شق 2 کے تحت سیز فائر لائن (عارضی جنگ بندی لائن) کو کنٹرول لائن (مستقل سرحد) تسلیم کیا گیا۔ یہ الفاظ کشمیر پر بھارتی قبضے کو درست اور جائز تسلیم کرتے ہیں۔

۷۔ اس معاہدے کی رو سے تحریک آزادی کشمیر کے لیے پروپیگنڈہ بند کرنے کا فیصلہ ہوا چنانچہ پاکستان کے ذرائع ابلاغ کے لیے تحریک آزادی کشمیر شجر ممنوعہ بن گئی۔ ریڈیو آزاد کشمیر بھی خاموش کر دیا گیا۔

۸۔ اس معاہدے کی رو سے پاکستان نے مسئلہ کشمیر کو بین الاقوامی پلیٹ فارم پر نہ اٹھانے کا فیصلہ کیا چنانچہ

آج تک پاکستان نے اس معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ، غیر جانب دار تحریک، اسلامی کانفرنس یا کسی بین الاقوامی کانفرنس میں خود پیش نہ کیا۔

۹۔ شملہ معاہدہ کی آخری شق میں کہا گیا کہ جموں کشمیر کے تنازعہ کو حل کرنے لیے پاکستان اور بھارت مناسب وقت پر مذاکرات کریں گے۔ اس سے مسئلہ کشمیر دونوں ملکوں کے باہمی مذاکرات کی نذر ہو گیا۔

Text Simla Agreement

This agreement on Bilateral Relations between India and Pakistan was signed after the 1971 India-Pakistan War, in which Pakistan was defeated conclusively and which resulted in the creation of Bangladesh. India refrained from attacking or finishing off Pakistan and signed this agreement with the hope that henceforth the countries in the region would be able to live in peace with each other. The then Pakistani Prime Minister, Zulfiqar Ali Bhutto, also promised the then Indian Prime Minister, Mrs Indira Gandhi, that his country would accept the Line of Control (LOC) in the state of J&K as the de facto border and would not try ot de-stabilise it. This was not formally entered in the agreement because Bhutto said it would cause domestic problems for him at this juncture. Mrs Gandhi magnanimously accepted his promise and did not formalise that part of the agreement. But Pakistan, as later events were to prove, never kept its part of the deal.

The Government of India and the Government of Pakistan are resolved that the two countries put an end to the conflict and confrontation that have hitherto marred their relations and work for the promotion of a friendly and harmonious relationship and the establishment of durable peace in the sub-continent, so that both countries may henceforth devote their resources and energies to the pressing task of advancing the welfare of their peoples.

In order to achieve this objective, the Government of India and the Government of Pakistan have agreed as follows:

(i) That the principles and purposes off the Charter of the United Nations shall govern the relations between the countries;

(ii) That the two countries are resolved to settle their differences by peaceful means through bilateral negotiations or by any other peaceful means mutually agreed upon between them. Pending the final settlement of any of

the problems between the two countries, neither side shall unilaterally alter the situation and both shall prevent the organization, assistance or encouragement of any acts detrimental to the maintenance of peaceful and harmonious relations.

(iii) That the pre-requisite for reconciliation, good-neighborliness and durable peace between them is a commitment by both countries to peaceful co-existence, respect for each other's territorial integrity and sovereignty and non-interference in each other's internal affairs, on the basis of equality and mutual benefit;

(iv) That the basic issues and causes of conflict which have bedeviled the relations between the two countries of the last twenty-five years shall be resolved by peaceful means;

(v) That they shall always respect each other's national unity, territorial integrity, political independence and sovereign equality;

(vi) That in accordance with the Charter of the United Nations, they shall refrain from the threat or use of force against the territorial integrity or political independence of each other;

(II) Both Governments will take all steps within their power to prevent hostile propaganda directed against each other.

Both countries will encourage the dissemination of such information as would promote the development of friendly relations between them;

(III) In order progressively to restore and normalize relations between the two countries step by step, it was agreed that:

(i) Steps shall be taken to resume communications, postal, telegraphic, sea, land including border posts, and air links including over flights;

(ii) Appropriate steps shall be taken to promote travel facilities for the nationals of the other country;

(iii) Trade and co-operation in economic and other agreed fields will be resumed as far as possible;

(iv) Exchange in the fields of science and culture will be promoted.

In this connection delegations from the two countries will meet from time to time to work out the necessary details.

(IV) In order to initiate the process of the establishment of durable peace, both Governments agree that:

(i) Indian and Pakistani forces shall be withdrawn to their side of the international border;

(ii) In Jammu and Kashmir, the line of control resulting from the cease-fire of December 17, 1971 shall be respected by both sides without prejudice to the recognized position of either side. Neither side shall seek to alter it unilaterally, irrespective of mutual differences and legal interpretations. Both sides further undertake to refrain from the threat of the use of force in violation of this line;

(iii) The withdrawals shall commence upon entry into force of this Agreement and shall be completed within a period of thirty days thereof.

(V) This Agreement will be subject to ratification by both countries in accordance with their respective constitutional procedures, and will come into force with effect from the date on which the Instruments of Ratification are exchanged.

(VI) Both Governments agree that their respective Heads will meet again at a mutually convenient time in the future and that, in the meanwhile, the representatives of the two sides will meet to discuss further the modalities and arrangements for the establishment of a durable peace and normalization of relations, including the questions of repatriation of prisoners of war and civilian internees, a final settlement of Jammu and Kashmir and the resumption of diplomatic relations.

Sd/-	Sd/-
Indira Gandhi	**Zulfiqar Ali Bhutto**
Prime Minister	President
Republic of India	Islamic Republic of Pakistan[1]

کشمیر ایکارڈ (13 نومبر 1974ء)

1952ء میں ہندوستانی آئین میں دفعہ 370 کے تحت کشمیر کو ہند یونین میں منفرد حیثیت دی گئی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی راہنماؤں نے اس حیثیت کو مسخ کر دیا۔ شیخ عبداللہ جن دنوں دہلی میڈیکل انسٹیٹیوٹ میں زیر علاج تھے بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اپنے سیکرٹری پی این ہاکسر کو شیخ کے پاس بھیجا تاکہ شیخ کو اندرا گاندھی سے ملاقات پر آمادہ کیا جا سکے۔ اس ملاقات میں اندرا گاندھی نے شیخ عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا'' شیخ صاحب جو کچھ بھی ہوا ہے اس کو بھول جانے کی

---

[1] Source: Government of India, 2 July 1972

ضرورت ہے ہم پھر ایک نیا باب شروع کرنا چاہتے ہیں'' شیخ نے جواب دیا ''اگر آپ کا ارادہ ہے تو میں آگے بڑھ کر ہاتھ تھامنے کو تیار ہوں کیونکہ میں نے جو کچھ بھی سہا اور برداشت کیا ہے وہ ایک مقصد کے حصول کے لیے تھا مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں ۔ اگر ہم اب بھی صحیح سمت کی طرف گامزن ہو سکیں تو یہ خوش آئند بات ہوگی'' چنانچہ شیخ اور اندرا کی کئی ملاقاتیں ہوئیں جن میں شیخ اپنے دیرینہ موقف سے ہٹ کر اقتدار کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو گئے ۔ چنانچہ 19 جون کو شیخ عبداللہ کشمیر آیا جہاں اس کا زبردست استقبال کیا گیا ۔ اس نے لوگوں کو اندرا گاندھی کے حسن سلوک کی کہانیاں سنائیں ۔ اس جلسے میں شیخ نے اپنی طرف سے مرزا افضل بیگ کو وزیر اعظم کے نمائندے سے مذاکرات کے لیے نامزد کیا ۔ شیخ عبداللہ کو کانگریس کی ریاستی پارلیمانی پارٹی نے اپنا قائد چن لیا شیخ نے قائد ایوان منتخب ہو کر کشمیر اسمبلی میں کشمیر ایکارڈ کی تیار شدہ دستاویز منظوری کے لیے پیش کی ۔ اندرا گاندھی نے ٹیلیفون کے ذریعے شیخ کو مبارکباد دی ، شیخ کے اس شرمناک انداز سے وزیر اعلیٰ بننے اور نئی دہلی سے گٹھ جوڑ کے خلاف پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے کشمیری عوام سے ہڑتال کی اپیل کی چنانچہ 28 فروری 1975ء کو ریاست گیر ہڑتال ہوئی جس میں ''اندرا عبداللہ گٹھ جوڑ مردہ باد'' کے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے ۔

کشمیر ایکارڈ کی دستاویز حسب ذیل ہے ۔

13 نومبر 1974ء کو نئی دہلی میں مرزا محمد افضل بیگ اور مسٹر جی پارتھا سارتھی نے ''کشمیر ایکارڈ'' کی دستاویز پر دستخط کئے ۔ اس دستاویز میں فریقین جن باتوں پر متفق ہوئے وہ حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ ریاست جموں کشمیر، جو ہند یونین کا ایک جز ہے، کے یونین کے ساتھ تعلقات برابر آئین ہند کی دفعہ 370 کے تابع ہوں گے ۔

۲۔ قانون سازی سے متعلق بقایا اختیارات برابر ریاست کے دائرہ اختیار میں رہیں گے تاہم ہند کی علاقائی سالمیت اور خودمختاری کو جھٹلانے ، اس پر انگلی اٹھانے یا اس میں تفرقہ ڈالنے یا ہند کے کسی حصے کو الگ کرنے یا ہند کے کسی حصے کو یونین سے الگ کرنے یا ہند کے قومی پرچم ، قومی ترانے اور آئین کی توہین کرنے کی کارروائیوں کا تدارک کرنے سے متعلق قانون بنانے کا اختیار برابر پارلیمنٹ کو حاصل ہوگا ۔

۳۔ اگر آئین ہند کی کوئی مد ریاست جموں کشمیر پر مناسبت یا تبدیلی کے ساتھ لاگو کی گئی ہو تو ایسی مناسبت یا تبدیلی دفعہ 370 کے تحت صدر کے ایک حکم نامے کے ذریعے تبدیل یا منسوخ کی جا سکتی ہے ۔ اس سلسلے میں ہر منفرد تجویز کی افادیت پر غور کیا جائے گا ۔ لیکن آئین ہند کی جو کلازیں پہلے ہی کسی مناسبت یا تبدیلی کے بغیر ریاست جموں کشمیر پر لاگو کی گئی ہیں ان میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ۔

۴۔ ریاست جموں کشمیر کو اپنے خصوصی حالات کے موافق فلاحی اقدامات ، ثقافتی معاملات ، سماجی تحفظ ، پرسنل لاء اور ضابطہ قوانین جیسے معاملات سے متعلق اپنے قانون وضع کرنے کی آزادی کی یقین دہانی کے طور پر اس بات پر اتفاق کیا جاتا ہے کہ ریاستی حکومت کنکرنٹ لسٹ سے متعلق پارلیمنٹ کی طرف سے بنائے گئے یا ریاست پر 1953ء کے بعد لاگو کئے گئے قوانین کا از سر نو جائزہ لے سکتی ہے اور اپنی رائے کے مطابق

فیصلہ کرسکتی ہے کہ ان میں سے کن میں ترمیم یا منسوخی کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد آئین ہند کی دفعہ 254 کے تحت صحیح اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔ ایسی قانون سازی پر صدر کی منظوری کے سلسلے میں ہمدردانہ غور کیا جائے گا۔ یہی طریقہ کار اس دفعہ کے کلاز شق دو کے تحت مستقبل میں پارلیمنٹ کی طرف سے بنائے گئے قوانین کے بارے میں بھی اپنایا جائے گا۔ ایسے کسی قانون کے ریاست پر لاگو کرنے کے بارے میں ریاستی حکومت سے مشورہ کیا جائے گا اور ریاستی حکومت کے خیالات پر پورا غور کیا جائے گا۔

۵۔ دفعہ 368، کے تحت جو کچھ طے پایا گیا ہے۔ اس کے باہمی انتظام کے لیے ریاست پر لاگو شدہ اس دفعہ میں صدارتی حکم نامے کے تحت موزوں تبدیلی کی جانی چاہیے، کہ ایسا کوئی قانون جو ریاست جموں کشمیر قانون سازیہ نے مندرجہ ذیل معاملات سے متعلق ریاست جموں کشمیر کے آئین کی کسی بھی شق میں تبدیلی لانے کی غرض سے بنایا ہو۔ اس وقت تک مئوثر نہیں ہوگا۔ جب تک وہ بل جسے صدر کی منظوری کے لیے مخصوص رکھا گیا ہو، صدر کی منظوری حاصل نہیں کرتا۔

یہ معاملات ہیں:

(ا) گورنر کی تقرری، اختیارات، خدمات، فرائض، استحقاق اور استشناء۔

(ب) انتخابات سے متعلق مندرجہ ذیل معاملات جن کے نام ہیں:۔ ہند کے الیکشن کمیشن کی طرف سے انتخابات کی دیکھ بھال، ہدایت اور کنٹرول بلا لحاظ امتیاز انتخابی فہرستوں میں اندراج کی اہلیت بالغ رائے دہی اور قانون ساز کونسل کی تشکیل۔ یہ معاملات ریاست جموں کشمیر کے آئین کی دفعات 138، 139، 140 اور 50 میں درج ہیں۔

۶ گورنر اور وزیر اعلیٰ کے ناموں پر کوئی تصفیہ نہیں ہوسکا ہے۔ لہذا یہ معاملہ سربراہوں کے سپرد کیا جاتا ہے۔

دستخط
مرزا محمد افضل بیگ
بتاریخ 13 نومبر 1974ء

دستخط
جی، پارتھا سارتھی
13 نومبر 1974ء

مناسب وقت پر غور کرنے کے لیے مخصوص کئے گئے معاملات:۔

مندرجہ ذیل مخصوص سوالات مزید غور کرنے کے لیے الگ رکھے گئے۔

۱ ریاست کے آئین کے تحت گورنر کی تقرری پر ریاستی حکومت کے ساتھ تبادلہ خیال کے لیے کیا قول و قرار ہونا چاہیے؟

۲ کیا ریاست پر آل انڈیا سروسز سکیم کے اطلاق کی توسیع میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے؟

دستخط
مرزا محمد افضل بیگ
بتاریخ 13 نومبر 1974ء

دستخط
جی، پارتھا سارتھی
13 نومبر 1974ء

باب ہشتم

جموں کشمیر

منتخب مضامین

کشمیر میں اشاعتِ اسلام

آٹھویں صدی ہجری کے وسط تک ایران، افغانستان، وسط ایشیا اور ہندوستان میں نورِ اسلام کا اجالا پھیل چکا تھا۔ خطِ کشمیر ابھی تک اسلام کی اس روشنی سے آشنا نہیں ہوا تھا۔ اسلام کی آمد سے پہلے کشمیر میں ناگ مت، ہندو مت، بدھ مت اور شیو مت کے مذہبی و روحانی تصورات عروج پر رہے۔ برہمنوں اور ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں نے لوگوں کو ذات پات، اونچ نیچ اور رنگ و نسل کے امتیازات میں الجھا کر ان کی راہ زیست کو ناہموار کر دیا تھا۔ پنڈت کلہن اپنی تصنیف راج ترنگنی میں لکھتا ہے کہ کشمیر کا چپہ چپہ مندروں سے بھرا پڑا تھا۔ ان مندروں میں دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی۔ شیو، وشنو، لکشمی اور سرسوتی دیوی کا راج تھا۔ اس راج نے خلق خدا کو ظلمت و جہالت کی تاریک وادیوں میں دھکیل دیا تھا۔

کشمیر میں یہی برہمنی طرز زندگی رائج تھا کہ ترکستان سے ایک بزرگ سید عبدالرحمن عرف بلبل شاہ کشمیر تشریف لائے۔ اس وقت یہاں شہزادہ رنچن کی حکومت تھی جو بدھ مت کا پیروکار تھا۔ اس کی بیوی ہندو مت کی پیروکار تھی۔ رنچن بدھ مت اور ہندو مت کے تصورات سے نالاں رہتا۔ وہ کسی سچے اور سیدھے سادھے مذہب کی تلاش میں تھا۔ اس نے اپنی تشویش سے اپنے ایک وزیر شاہ میر کو بھی آگاہ کیا۔ شاہ میر نے اسے حوصلہ دیا اور امن و سکون کی تلاش جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ ایک صبح رنچن چہل قدمی کے لیے جہلم کے کنارے نکلا، کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص نہایت خشوع و خضوع سے کسی عبادت میں مشغول ہے۔ وہ کھڑا دیکھتا رہا۔ بزرگ جب عبادت سے فارغ ہوئے تو اس نے قریب آ کر دریافت کیا کہ آپ کون ہیں اور کیا کر رہے تھے؟ آپ نے بتایا ''میں مسلمان ہوں، میرا مذہب اسلام ہے۔ نماز اسلام کا ستون ہے۔ میں نماز ادا کر رہا تھا''۔ رنچن آپ کو اپنے ہمراہ شاہی محل لے گیا اور اسلام سے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اسلام کی باتیں سن کر رنچن کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ وہ آپ کے دستِ حق پر ایمان لے آیا۔ حضرت بلبل شاہ نے اس کا اسلامی نام صدرالدین رکھا۔ صدرالدین کشمیر میں پہلا مسلمان حکمران تھا۔

رنچن کے قبول اسلام سے رعایا بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگی۔ بلبل شاہ کے بعد ایک اور ولی کامل حضرت سید حسین سمنانی کشمیر تشریف لائے اور اننت ناگ میں دریائے وشیو کے کنارے رونق افروز ہوئے۔ وہ روحانی کمالات سے بڑی سے بڑی بیماری کا علاج کر لیتے تھے۔ آپ نے مہلک مرض میں مبتلا کشتواڑ کے ایک شخص سلر سنز کو تعویز دیا وہ صحت یاب ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ آپ نے اس کا نام سالارالدین رکھا۔ آپ نے سالارالدین کا نکاح سدرہ موج نامی ایک بیوہ سے کر دیا اور اسے بشارت

دی کہ تیرے بطن سے ایک ولی بچہ پیدا ہوگا۔ آپ نے اس کا نام نورالدین رکھ دیا اور فرمایا ''ہمارے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد یہ بچہ پیدا ہوگا اور دین اسلام کو روشن کرے گا''۔ یہ بشارت شیخ نورالدین ولیؒ کے بارے تھی۔ آپ 779ھ میں کیموہ گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ انہی ایام میں للہ عارفہ نامی عورت نے شہرت حاصل کی۔ وہ ایک درویش منش عورت تھی جو لوگوں کو وحدت، اخوت اور محبت کا درس دیتی۔

774ھ میں ایران کے ایک بزرگ سید علی ہمدانی وادی کشمیر میں داخل ہوئے، ان کے ہمراہ پانچ رفقاء تھے۔ آپ نے روحانی کمال سے ایک ظالم جوگی کا مقابلہ کیا جو مسافروں کو تنگ کرتا تھا۔ آپ نے 6 ماہ قیام کیا اور پھر بدخشاں سے ہوتے ہوئے ختلان چلے گئے۔ آپ تین بار کشمیر تشریف لائے اور ہزاروں لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ شاہ میریوں کے عہد میں کشمیر کے گوشے گوشے تک اسلام پھیل گیا۔ علماء اور صوفیا کے ساتھ ساتھ نیک صف سلاطین نے بھی اشاعتِ اسلام کے لیے کام کیا۔

کشمیر کو اولیا اور صوفیا کا مسکن کہا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ یہاں ایک لاکھ سے زیادہ صوفیا گزرے ہیں، ان صوفیوں نے لوگوں کو صرف نماز روزے کی ہدایت نہیں کی بلکہ انہیں علم و ادب، فن و حکمت، تہذیب و معاشرت اور انداز زیست بھی سکھائے۔ کشمیر کے نامور اولیا، میں شیخ حمزہ مخدوم، سید احمد کرمانی، شیخ یعقوب صرفی، ملا محسن فانی، خواجہ محمد طاہر رفیقی، مخدوم حاجی احمد قادری، حضرت شیخ نورالدین ولی، حضرت بابا بام الدین رشی، حضرت بابا پیام الدین، حضرت محمد حصار، حضرت بابا ضیاء الدین، اور میاں محمد بخش مشہور ہیں۔

رابرٹ تھارپ (ROBERT THORPE)

1822ء میں سکھوں کے عہد حکومت میں ایک برطانوی سیاح کرنل تھارپ خطہ کشمیر کی سیاحت کے لیے آیا۔ یہ ایک خوشحال اور تعلیم یافتہ گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ اس کا باپ برطانیہ کی عدالت العالیہ میں چیف جسٹس کے عہدے پر فائز تھا۔ وادی کشمیر کے ایک خوبصورت اور دلکش خطے توشہ میدان کی سیر کرتے ہوئے کرنل تھارپ نے ایک مقامی دوشیزہ ''جانی'' کو دیکھا تو پہلی نظر میں ہی وہ اس کے دام الفت کا اسیر ہوگیا۔ جانی کشتواڑ کے شاہی خاندان کے ایک فرد راجہ دائم راٹھور کی صاحبزادی تھی۔ جانی اور کرنل تھارپ کی محبت نہایت راز داری سے نامہ و پیام کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے یہاں تک جا پہنچی کہ کرنل تھروپ نے جانی کے والدین کو شادی کا پیغام بھجوا دیا۔ یہ پیغام کرنل تھارپ نے ریاستی فوج کے ایک کرنل حبیب اللہ خان کی وساطت سے پہنچایا۔ حبیب اللہ خان راجہ دائم راٹھور کا ماموں زاد بھائی تھا۔ جانی کے والدین اس شرط پر رشتہ دینے کے لیے آمادہ ہوئے کہ کرنل تھارپ عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرلے۔ کرنل تھارپ نے جانی کی خاطر یہ شرط قبول کرلی

۔سری نگر میں اس نے اسلام قبول کیا اور جانی سے عقد کر لیا۔کرنل تھارپ جانی کو شریک حیات بنا کر اپنے وطن انگلستان لے گیا۔جانی کے بطن سے تین بچے پیدا ہوئے۔ایک بیٹا رابرٹ تھارپ اور دو بیٹیاں این اور ہیرٹ۔

خطہ کشمیر کے ایک معمولی گاؤں سوگن کی رہنے والی جانی اگر چہ انگلستان جیسے تعیش اور آسودہ حال معاشرے میں جا بسی لیکن اسے اپنے وطن کی خستہ حالی اور ظلم و جبر کی آغوش میں پلنے والے ہم وطنوں کی یاد پل پل ستاتی رہی ۔ جانی جہاں ایک طرف اپنے وطن عزیز خطہ کشمیر کے قدرتی حسن و جمال اور دلکش و دلفریب فضاؤں اور ہواؤں کے قصے اپنے بچوں کو سناتی رہی ۔ وہاں اس نے اپنے وطن کی خستہ حالی ، بے بسی اور بے کسی کی المناک کہانیاں بھی سنائیں ۔ جانی کا بیٹا رابرٹ تھارپ اپنی ماں کی زبانی یہ قصے اور کہانیاں سنتا رہا۔ یقینا اس کے دل میں بچپن یا لڑکپن سے ہی اپنی ماں کے وطن جنت ارضی کشمیر کو دیکھنے کی خواہش انگڑائیاں لیتی رہی لیکن اسے موقع میسر نہ آیا۔شائد بچپن میں کبھی اس کی ماں اسے اپنے وطن کی سیر کرانے لائی ہوگی لیکن تاریخ میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر اس کے کشمیر آنے کا ذکر کرتے ہوئے رشید تاثیر لکھتے ہیں۔

''رابرٹ نے لندن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور ننھیال سے لگاؤ اور کشش نے اس کو افریقہ کے گرد چکر کاٹنے اور ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھنے پر مجبور کیا ۔ کچھ عرصہ بمبئی اور دہلی کی سیاحت کے بعد وہ 1865ء میں لاہور سے ہوتے ہوئے سری نگر پہنچا۔''[1]

1865ء میں جب رابرٹ تھارپ کشمیر آیا۔اس وقت کشمیر میں مہاراجہ رنبیر سنگھ حکمران تھا۔ ڈوگرہ عہد حکومت میں اگر چہ رنبیر سنگھ کا عہد تعمیر و ترقی اور اصلاحات کے حوالے سے ایک یادگار عہد ہے لیکن قبل ازیں لگ بھگ تین سو برس کے غیر ملکی تسلط کے سبب کشمیر تباہ و برباد اور خستہ حال ہو چکا تھا۔ بطور خاص افغانوں اور سکھوں نے تو مسلسل ایک صدی سے زائد عرصہ تک وہ لوٹ مار مچائی تھی کہ کشمیر کی آبادی کا ایک بڑا حصہ نقل مکانی کر کے پنجاب اور اس سے ملحقہ علاقوں کی طرف ہجرت کر گیا تھا۔ حسن فطرت سے مالا مال خطہ کشمیر کی یہ تباہ حالی اور مفلوک الحالی کا منظر دیکھ کر رابرٹ تھارپ تلملا اٹھا۔ وہ سب سے پہلے اپنے ننھیالی گاؤں سوگن پہنچا۔ جہاں اس کے ننھیال والے اسے خندہ پیشانی سے ملے لیکن ان کے ہاں قیام کے چند ہی روز میں اس نے لوگوں کی جو حالت زار دیکھی اس کو دنیا کے سامنے طشت از بام کرنے کے لیے اس نے قلم و قرطاس اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت ریاست جموں کشمیر میں داخل ہونے والے غیر ملکی باشندوں کو خصوصی اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا اور اس کی معیاد صرف دو ماہ ہوتی تھی ۔ چونکہ رابرٹ تھارپ بھی ایک سیاح کی حیثیت سے آیا تھا اس لیے اسے بھی متعینہ مدت کے بعد واپس جانا تھا۔ لیکن جب اس نے ہندوستان اور انگلستان کے اخبارات میں کشمیریوں

---

[1] رشید تاثیر: مضمون ''رابرٹ تھارپ'' مشاہیر کشمیر جلد اول ص 78

کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی زندگی کی محرومیوں بھری داستانیں اور مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تو اس نے یہاں زیادہ عرصہ تک ٹھہرنے کا تہیہ کر لیا۔ حکومت وقت کو جب اس کی سرگرمیوں کا علم ہوا تو اسے ریاست سے نکل جانے کا حکم ملا۔ جب اس نے اس حکم کو خاطر میں نہ لایا تو اسے زبردستی ریاست بدر کیا گیا۔ وہ کچھ عرصہ ہندوستان میں ٹھہر کر دوبارہ چوری چھپے ریاست میں داخل ہو گیا۔ اس وقت تک ہندوستان اور انگلستان کے اخبارات میں اس کے بہت سے مضامین اور رپورٹیں شائع ہو چکی تھیں جن سے عیاں ہوتا تھا کہ کشمیر میں شخصی حکومت کے سبب عوام کا جینا کتنا مشکل ہو چکا ہے۔ اس نے اپنی ڈائریوں میں کسانوں، مزدوروں، کاریگروں، محنت کشوں اور ملاحوں کی خستہ حالی کی تصویر کشی کی اور دوسری طرف حکمرانوں تحصیلداروں، جاگیرداروں، تھانیداروں اور دیگر سرکاری حکام کی چیرہ دستیوں کے واقعات قلم بند کیے۔ اس کے کشمیر میں دوبارہ داخل ہونے سے حکومت کشمیر بے خبر نہیں تھی۔ اس کا راستہ روکنے کے لیے حکومت نے اسے خفیہ طور پر ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کیا چنانچہ 22 نومبر 1868ء کو یخ بستہ موسم میں رابرٹ تھارپ کی لاش تخت سلیمان کے قریب پڑی ہوئی ملی۔

رابرٹ تھارپ کی موت ایک معمہ بن گئی۔ حکومتی سطح پر اس کی موت کی تحقیقات کروائی گئی لیکن انکوائری رپورٹ کو کسی مصلحت کے پیش نظر منظر عام پر نہ لایا گیا۔ برطانوی حکومت نے بھی اس قتل پر چپ سادھ لی۔ اس کی موت کی خبر سن کر لوگوں نے احتجاج کیا اور اسے شیخ باغ سری نگر کے عیسائی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ اس کی قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

Robert Thorpe

Age 30 Years

Who laid down his

life for Kashmir

on22nd November 1868

رابرٹ تھارپ کے قتل کے کئی برس بعد کلکتہ کے ایک اخبار ''فرینڈز آف انڈیا'' نے 11 مئی 1875ء کی اشاعت میں اس کی موت کے حوالے سے تذکرہ کرتے ہوئے لکھا۔

''یہی قیاس عام ہے کہ اسے زہر دیا گیا لیکن سرجن Keley نے جو موقع پر موجود تھا۔ اس کی لاش کا ملاحظہ کرنے کے بعد بتایا کہ اس کا دل پھٹ گیا ہے جو شاید اس بات کا نتیجہ ہے کہ کچھ لوگ اس کے سینے پر بیٹھ گئے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اسے شنکر اچاریہ (کوہ سلیمان) کے ٹیلے کے نزدیک زبردستی مارا گیا''۔ [1]

---

[1] بحوالہ رشید تاثیر مضمون ''رابرٹ تھارپ'' مشاہیر کشمیر جلد اول ص 84

ایک عیسائی مشنری ٹنڈل بسکو جس نے کشمیر میں فروغ تعلیم کے لیے بہت کام کیا اس نے اپنی کتاب "Kashmir in sun light and shade" میں رابرٹ تھارپ کا ذکر کرتے ہوئے اس کی موت کو زہر خوری کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ بسکو رابرٹ تھارپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

ترجمہ:۔ "شیخ باغ سری نگر کے عیسائی قبرستان میں ایک قبر واقع ہے جس کے سامنے سے میں اپنی ٹوپی احترام میں اتارے بغیر نہیں گزرتا۔ یہاں لیفٹیننٹ رابرٹ تھارپ دفن ہے۔ جس نے کشمیریوں کے لیے اپنی زندگی نثار کی۔ تھارپ باقی یورپیوں کی طرح کشمیر شکار کی غرض سے آیا لیکن وہ یہاں کے عوام کی زبوں حالی سے متاثر ہوا اور اس نے کشمیریوں کی حالت زار کے متعلق اطلاعات فراہم کرنا شروع کر دیں۔ اس نے یورپ کے اخبارات میں کشمیر کی عکاسی کی۔" "بحوالہ مشاہیر کشمیر"

مورخ کشمیر رشید تاثیر لکھتے ہیں۔ "رابرٹ تھارپ کشمیر کا وہ پہلا غیر ملکی ہمدرد اور دوست ہے جس نے اپنی ماں کی چیختی چلاتی اور سسکیاں بھرتی ہوئی سرزمین کی پکار کو نو آبادیاتی حکمرانوں کے کانوں تک پہنچانے کے لیے وہ سب کچھ کیا جو ایک انسان دوست کر سکتا ہے۔"[1] سید سلیم گردیزی اپنے ایک مضمون میں رابرٹ تھارپ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

"کشمیریوں کا یہ مونس و غم خوار۔۔۔۔۔۔۔ ان کا بے باک ترجمان۔۔۔۔۔۔۔ کشمیری ماں کے دودھ کے ایک ایک قطرے کا حق ادا کرنے والا یہ بطل حریت 22 نومبر 1868ء کو اس جنت ارضی پر قربان ہو گیا۔ رابرٹ تھارپ وہ پہلا غیر ملکی باشندہ ہے جس نے کشمیری باشندوں کی حالت زار کو اس شرح و بسط سے بیان کیا اور اسی پاداش میں جام شہادت نوش کر گیا۔ اگرچہ اسے مکمل طور پر غیر کشمیری قرار نہیں دیا جا سکتا کہ کشمیر کے ساتھ اس کا تعلق ننھیال کا تھا اور اس اعتبار سے کشمیر اس کا اپنا گھر بھی تھا۔ اپنا ننھیال تھا۔۔۔۔۔۔۔ کشمیریوں کا یہ محسن شیخ باغ سری نگر میں چنار کے ایک گھنے درخت کے نیچے آسودہ خاک ہے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طنیت را۔"[2]

پروفیسر محمد رفیق بھٹی اپنی تصنیف "محسنین کشمیر" میں رابرٹ تھارپ کی جدوجہد اور اس کی قربانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"رابرٹ تھارپ نے کشمیریوں کے استحصال کے خلاف آواز بلند کی۔ کشمیریوں میں انقلابی شعور بیدار کیا۔ انھیں اپنے معاشی حقوق کا احساس دلایا۔ لوٹ کھسوٹ کے خلاف فکری و عملی میدان میں کشمیریوں کی

---

[1] رشید تاثیر مضمون "رابرٹ تھارپ" مشاہیر کشمیر جلد اول ص 82

[2] سہ ماہی پربت والیم 4 فروری 2001ء باغ آزاد کشمیر

آئندہ نسلوں کو اپنے حقوق کے لیے صف آراء ہونے کی ترغیب دی۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز سے کشمیر میں تحریک آزادی نے جو رنگ اختیار کیا اس میں رابرٹ تھارپ کے خون جگر کا اثر بھی شامل ہے۔ کشمیر اور کشمیریوں سے دلی وابستگی رکھنے والے اہل فکر ونظر ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کو رابرٹ تھارپ جیسے محسنوں کے کارناموں پر توجہ دینی چاہیے تاکہ ان گم نام مجاہدوں، محسنوں اور شہیدوں کا حق ادا کیا جا سکے جن کی قربانیوں کے باعث سیاسی تحریک زندہ و پائندہ ہے۔ [1]

کشمیر، بدنظم حکومت "Cashmere Misgovernment"

رابرٹ تھارپ نے انگلستان اور ہندوستان کے اخبارات و رسائل میں کشمیر میں بدنظمی، انسانی حقوق کی پامالی، بددیانتی، بدعنوانی اور شخصی راج کی خرابیوں اور خامیوں کو پیش نظر رکھ کر جو مضامین یا ڈائریاں لکھیں وہ اس کی وفات کے دو برس بعد لندن سے Cashmere Misgovernment (کشمیر میں بدانتظام حکومت) کے عنوان سے شائع ہوئی۔ ڈوگرہ حکومت کو اس کتاب کی اشاعت بہت ناگوار گزری۔ چنانچہ حکومت نے ریاست میں اس کتاب کی خرید وفروخت پر پابندی عائد کر دی۔ اس کتاب نے بلاشبہ ہندوستان اور ریاست جموں کشمیر میں ہلچل مچا دی۔ 90 برس کے طویل عرصے بعد یہ کتاب 1980ء میں دوبارہ "Misgovernment in Kashmir" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے۔

"ان کے لیے جو انسانوں پر ظلم و استبداد کو ناپسند کرتے ہیں اور ان کے لیے جو اخلاقی، مذہبی اور سماجی اعتبار سے اعلیٰ ہیں۔ جبر پسند نہیں کرتے۔ ان کی اطلاع کے لیے لکھ رہا ہوں" کشمیر میں انیسویں صدی کے آخیر اور بیسویں صدی کے آغاز میں جن محرکات کے سبب کشمیری عوام میں سیاسی بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔ اس میں رابرٹ تھارپ کی قربانی اور اس کی مذکورہ بالا کتاب نے اہم کردار ادا کیا۔

"مس گورنمنٹ ان کشمیر" کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے "کشمیر ڈائری" کا ایڈیٹر لکھتا ہے۔

"Robert Thorpe's book was published after his death. British government in India was forced to review the situation in Kashmir and steps were taken to better the conditions of the Kashmiris. As a result, British officers were appointed in the state. The intervention of the British helped in easing the

[1] پروفیسر محمد رفیق بھٹی "محسنین کشمیر" ص 86.85 مطبوعہ 2001.

situation to some extent. "ل

ریشم خانے کی بغاوت

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنے دور حکومت کے آخری ایام میں سرینگر میں ریشم سازی کا ایک کارخانہ قائم کیا۔ چند ہی برسوں میں یہ ریشم خانہ ریاست کے سب سے بڑے صنعتی ادارے کی حیثیت اختیار کر گیا جہاں پانچ ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ان مزدوروں کو ساڑھے چار آنے یومیہ اجرت ملتی۔مزدوروں کی اکثریت مسلمان تھی جبکہ کارخانے کا انتظام وانصرام ہندو افسروں کے ہاتھ میں تھا۔ یہ افسر ایک طرف تو مسلمان مزدوروں سے ناروا سلوک کرتے اور دوسری طرف ملی بھگت سے کارخانے کی آمدن میں خرد برد کرتے۔ مسلمان مزدوروں نے ان افسروں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جس کی پاداش میں 21 جولائی 1924ء کو 21 سرکردہ مزدور لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اگلے روز اس کے ردعمل میں کارخانے کے مزدوروں نے اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ جلوس نکالا اور مزدور ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ ان دنوں پرتاب سنگھ گدی نشین تھا اس نے گورنر کشمیر پنڈت اننت رام کو خصوصی ہدایات جاری کیں کہ مزدوروں کے جلوس کو بزور طاقت روکا جائے۔ چنانچہ گورنر کشمیر اپنی نگرانی میں فوج کی بھاری نفری لے کر آیا اور مزدوروں کے خلاف کارروائی کا حکم دیا۔ چنانچہ پولیس کی مسلح نفری نے مزدوروں پر لاٹھی چارج کیا ان پر گھوڑے دوڑائے۔ پولیس کی لاٹھیوں اور گھوڑوں کی بھگدڑ سے سیکڑوں مظاہرین بری طرح زخمی ہو گئے۔ سرینگر میں صرف ایک محلہ تھا جس کا کوئی شخص مظاہرے میں زخمی نہ ہوا باقی سارا سرینگر زخمی ہو گیا۔اس سانحہ کے خلاف ریاست میں اور ہندوستان بھر میں ڈوگرہ راج کے خلاف زبردست احتجاج ہوا۔مزدوروں کے احتجاج کی تحقیقات شروع ہوئی تو ڈائریکٹر کامرس اینڈ انڈسٹریز مسٹر نگر کنی جو کہ کارخانے کا ڈائریکٹر بھی تھا اس نے اقرار کیا کہ ''مزدوروں کے مطالبات درست تھے۔ بہت سے مزدور کارخانے سے فارغ کیے جانے کا پلان بن چکا ہے لیکن ان کے حق روزگار کے لیے حکومت نے کوئی پالیسی نہیں بنائی''۔

ریشم خانے کی بغاوت کا واقعہ تحریک آزادی کشمیر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔اس سے ایک طرف عوام کو اپنے حقوق کا شعور حاصل ہوا اور دوسری طرف ڈوگرہ راج کے خلاف زبردست نفرت پھیل گئی۔احتجاج کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مزدوروں کو چھ پیسے یومیہ مزدوری ملنے لگی۔

بریشم قبا خواجہ از محنتِ او نصیب تنش جامۂ تار تارے

ل Kashmir Diary P# 70 VIII-1995-1996 Los Angeles U.S.A

میمورنڈم

14 اکتوبر 1924ء کو پرتاب سنگھ کے عہد میں وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ سیاحت کے لیے سرینگر آیا تو وہاں کے چند سرکردہ مسلمانوں خواجہ سعد الدین شال، خواجہ نور شاہ نقشبندی، خواجہ مقبول پنڈت ،خواجہ حسن شاہ نقشبندی، مولوی غلام احمد ہمدانی، میر واعظ مولانا احمد اللہ شاہ اور خواجہ حسن شاہ جلالی وغیرہ نے وائسرائے کو مسلمانوں کی مشکلات سے آگاہ کرنے کے لیے ایک یادداشت پیش کرنے کا منصوبہ بنایا چنانچہ آغا حیدر نے اس کا ڈرافٹ تیار کیا اور مسودہ ٹائپ کروالیا۔ وائسرائے جب سرینگر میں دستکاریوں کی ایک دکان پر آیا تو اسے یہ میمورنڈم کسی نامعلوم ہاتھ سے پیش کر دیا گیا۔

یہ میمورنڈم سترہ نکات پر مشتمل تھا۔ چند اہم نکات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ کسانوں کو زمینوں پر حق ملکیت دیا جائے۔

۲۔ ملازمتوں میں مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے حصہ دیا جائے۔

۳۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مسلمان طلباء کو وظائف دیے جائیں۔

۴۔ بیگار کو ختم کیا جائے۔

۵۔ مساجد اور دیگر مذہبی مقامات واگزار کئے جائیں۔

وائسرائے نے کارروائی کے لیے یہ یادداشت پرتاب سنگھ کے پاس بھیج دی چنانچہ مشیر مال رائے بہادر کرنل جنک سنگھ، گورنر کشمیر چوہدری خوشی محمد ناظر اور ممبر مالیات و پولیس، مسٹر گلینسی پر مشتمل تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا گیا۔ کمیشن نے مسلمانوں کی شکایات کو بے بنیاد قرار دیا۔ چنانچہ یادداشت پیش کرنے والے ممبران کے خلاف انتقامی کارروائی شروع ہوئی۔ کچھ دستخط کنندگان نے مارے خوف کے معافی مانگ لی۔ 15 مارچ 1925ء کو خواجہ سعد الدین شال اور نور شاہ نقشبندی کی جائیدادیں ضبط کر کے انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ یہ لوگ چند ماہ تک لاہور میں میاں امیر الدین کی حویلی میں قیام پذیر رہے۔

اس یادداشت کے پیش کئے جانے پر ڈوگرہ حکومت نے جو ہتھکنڈے استعمال کیے ان کی اندرون ریاست اور بیرون ریاست پرزور مذمت کی گئی نیز مسلمانوں کو اپنے حقوق کے حصول کے لیے منظم ہو کر جدوجہد کرنے کی ترغیب ملی۔

13 جولائی ۔۔۔۔۔۔۔۔ یوم شہدائے کشمیر

پس منظر، 13 جولائی کا سانحہ، اہمیت و افادیت

13 جولائی 1931ء کا دن تحریکِ حریت کشمیر میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یوں تو تاریخ کشمیر میں ایسے بیشمار واقعات ملتے ہیں جب ریاستی عوام نے غیر ملکی تسلط کے خلاف یا پھر اپنے ہی ہم وطنوں کے ظلم و جبر کے خلاف صدائے حریت بلند کی اور پھر اس جرم کی پاداش میں اُنہیں قید و بند کی صعوبتیں یا جان و مال کی قربانی پیش کرنا پڑی۔ 13 جولائی 1931ء کا واقعہ بھی ایسے ہی سرفروشوں کی یادگار ہے جنہوں نے دینی غیرت و حمیت اور ملی جذبے سے سرشار ہو کر دیوانہ وار جانوں کے نذرانے پیش کیے اور تحریک حریت کشمیر میں اپنا لہو شامل کر کے اس داستان آزادی کو لہو سے رقم کر گئے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیری قوم ہر سال 13 جولائی کا دن "یوم شہدائے کشمیر" کے حوالے سے مناتی ہے اور 1931ء کے 22 شہیدوں کو بالخصوص اور لاکھوں شہیدوں کو بالعموم خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس عزم کا اعادہ کرتی ہے کہ جب تک ظلم، جبر، استحصال اور غلامی سے پاک ایک آزادانہ، منصفانہ اور فلاحی معاشرے کا قیام عمل میں نہیں آجاتا اس وقت تک کشمیری عوام کی یہ جدوجہد جاری رہے گی۔

آیئے 13 جولائی 1931ء کے اس خونین واقعہ کی تفصیلات اور تحریک حریت کشمیر میں اس کی اہمیت و افادیت یا اثرات و نتائج کا جائزہ لینے سے پہلے ذرا اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ عظیم سانحہ کیوں پیش آیا یا اس کے پس منظر میں کونسے محرکات کارفرما تھے۔

پس منظر:

ریاست جموں کشمیر میں سال 1931ء کے اوائل میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے جن کے نتیجے میں مسلمانانِ ریاست کی دینی و ملی غیرت کو سخت دھچکا لگا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ جب تک وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے یا خوابِ غفلت میں ڈوبے رہیں گے، ان کے سیاسی، مذہبی اور معاشرتی حقوق آئے روز پامال ہوتے رہیں گے اور ان کا ضامن کوئی نہیں ہوگا۔ 1931ء کا سال مسلمانانِ کشمیر کیلئے سیاسی بیداری کا سال بھی کہلاتا ہے۔ اس سال جولائی سے قبل پیش آمدہ واقعات اس بیداری کا سبب بنے۔ چند نمایاں واقعات حسب ذیل ہیں:

بندشِ خطبہ: 29 اپریل 1931ء کو عید الاضحیٰ کا دن تھا۔ جموں کے مسلمان نماز عید کی ادائیگی کیلئے میونسپل کمیٹی باغ میں جمع تھے۔ مفتی محمد اسحٰق خطبہ دے رہے تھے۔ دورانِ خطبہ جب اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ

السلام اور فرعون مصر کے کردار کا ذکر چھیڑا تو ڈیوٹی پر موجود پولیس انسپکٹر لالہ کھیم چند اشتعال میں آ گیا اور اُس نے آگے بڑھ کر مفتی صاحب کو خطبہ روک دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ امام صاحب نے خطبہ روک دیا۔ عیدگاہ میں موجود مسلمانوں میں اشتعال پھیل گیا۔ مسلمانوں نے نہایت بے چینی سے نماز ادا کی۔ نماز عید کی ادائیگی کے بعد مسلمان سراپائے احتجاج بن گئے۔ اسی روز ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن جموں کے زیر اہتمام جامع مسجد میں بندشِ خطبہ کے اس واقعہ کے خلاف احتجاجی جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسے کی صدارت میر حسین بخش نے کی۔ سردار گوہر رحمن خان، شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ، چوہدری غلام عباس اور دیگر مقررین نے جلسے سے خطاب کیا اور حکومت پر کڑی تنقید کی۔ جلسے میں قراردادیں پیش کی گئیں، جن میں مطالبہ کیا گیا کہ حکومت مداخلت فی الدین سے باز رہے اور کھیم چند پر توہین مذہب کا مقدمہ چلایا جائے۔ بندشِ خطبہ کی یہ خبر جب ریاست کے دیگر علاقوں میں پہنچی تو وہاں بھی مسلمانوں کو دکھ اور صدمہ پہنچا۔

ڈگھور میں تصادم: جموں کی تحصیل سانبہ کے گاؤں ڈگھور میں ہندو اور مسلمان ایک ہی تالاب سے پانی بھرتے تھے۔ عید کے روز ہندوؤں اور مسلمانوں میں تصادم ہو گیا اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو تالاب سے پانی بھرنے سے منع کر دیا۔ پولیس نے مداخلت کی اور مسلمانوں کو تالاب سے پانی لینے سے روک دیا اور تالاب سے متصل جگہ میں نماز عید کی ادائیگی سے بھی روک دیا۔ اس واقعہ کے خلاف جموں میں ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن اور انجمن اسلامیہ جموں نے احتجاجی مظاہرے کیے۔

توہین قرآن کا پہلا واقعہ: 4 جون 1931ء کو سنٹرل جیل جموں میں میرپور سے تعلق رکھنے والا ایک مسلمان کانسٹیبل فضل داد خان ڈیوٹی کے اوقات میں اپنے بستر پر بیٹھا پنج سورہ کی تلاوت کر رہا تھا۔ سب انسپکٹر لبھو رام آیا تو اُس نے فضل داد کو برا بھلا کہا اور اس کا سرہانہ کھینچ کر فرش پر دے مارا۔ اس سے پنج سورہ بھی زمین پر جا گرا۔ فضل داد نے اپنے سینئر حکام کے پاس لبھو رام کے خلاف شکایت کی، لیکن جب اس کی کوئی شنوائی نہ ہوئی تو اُس نے ایک تحریری درخواست ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن جموں کو پیش کی۔ 6 جون کو ایسوسی ایشن کی اپیل پر جموں شہر میں مسلمانوں نے ہڑتال کی۔ شام کو تالاب کھٹیکاں میں ایک احتجاجی جلسہ ہوا، جس میں توہین قرآن کے اس واقعہ کی شدید مذمت کی گئی۔ جموں میں اس واقعہ کیخلاف کئی روز تک جلسے جلوس ہوتے رہے۔ اس واقعہ کی اطلاع جب ریاست کے دوسرے حصوں میں پہنچی تو وہاں بھی مسلمانوں نے احتجاج کیا۔

توہینِ قرآن کا دوسرا واقعہ: توہینِ قرآن کا دوسرا واقعہ 20 جون کو سرینگر میں پیش آیا۔ قرآن پاک کے مقدس اوراق ایک پبلک لیٹرین سے ملے۔ اس واقعہ کے خلاف وادی میں مسلمانوں نے سخت احتجاج کیا۔ میر واعظ مولانا یوسف شاہ اور ریڈنگ روم کے نوجوانوں نے احتجاجی مظاہرے کیے اور واقعہ کی

تحقیقات کا مطالبہ کیا۔

توہین مذہب کے مذکورہ بالا پے در پے واقعات نے مسلمانانِ ریاست جموں کشمیر کی دینی و ملی غیرت کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ ان واقعات کے نتیجے میں جموں، میر پور، پونچھ اور سرینگر میں حکومت مخالف احتجاجی مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ریاستی تاریخ میں ایسے مظاہروں کی مثال کبھی نہیں ملتی۔ پنجاب میں مسلم اخبارات و رسائل اور مسلم قائدین بھی ان واقعات سے پوری طرح باخبر تھے۔ مسلمانوں کے ترجمان اخبارات ''انقلاب''، ''سیاست'' اور ''مسلم آؤٹ لک'' وغیرہ نے ان خبروں کو شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا اور مسلمانوں کے ردِ عمل کو ہندوستان بھر سے منظرِ عام پر لایا۔ اس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ مسلمانانِ کشمیر کی تائید و حمایت میں ہندوستان کے کچھ حصوں میں بھی جلسے جلوس ہوئے۔

صوبہ جموں میں بگڑتی ہوتی صورتحال کا جائزہ لینے کیلئے وزیر اعظم ویک فیلڈ جموں آیا، وہاں اس نے مسلم نمائندگان کے وفد سے 9 جون کو ملاقات کی۔ اس وفد میں چوہدری غلام عباس، اے آر ساغر اور دیگر راہنما شامل تھے۔ ان راہنماؤں نے وزیر اعظم کو اپنے مطالبات پیش کیے۔ وزیر اعظم نے ان مطالبات کو بغور سنا اور مسلمانوں کو ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ اس نے مسلمان راہنماؤں کو یہ مشورہ بھی دیا کہ ان کا ایک نمائندہ وفد مہاراجہ ہری سنگھ سے بھی ملاقات کرے۔

صوبہ کشمیر میں بھی ان واقعات کے خلاف سخت غم و غصہ پایا جاتا تھا۔ ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن کی سرینگر شاخ اور ریڈنگ روم فتح کدل سے وابستہ نوجوانوں نے متحرک کردار ادا کیا۔ ایسوسی ایشن نے سیالکوٹ سے اشتہارات شائع کروا کر لائے جنہیں شیخ محمد عبداللہ، مولوی عبدالرحیم اور غلام نبی گلکار نے رات کی تاریکی میں شہر میں چسپاں کیا۔ دوسرے روز تحریک کا ایک کارکن محمد اسمٰعیل دن کے وقت اشتہار چسپاں کر رہا تھا کہ اسے ریاستی پولیس نے گرفتار کر لیا۔ محمد اسمٰعیل کی گرفتاری کے خلاف شیخ عبداللہ کی قیادت میں ایک عظیم الشان احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے پولیس نے محمد اسمٰعیل کو رہا کر دیا۔ یہی محمد اسمٰعیل تحریک حریت کشمیر کا پہلا سیاسی قیدی کہلاتا ہے۔

وادی میں دو ممتاز مذہبی شخصیات میر واعظ مولانا یوسف شاہ اور میر واعظ احمد اللہ ہمدانی عوامی حلقوں میں گہرا اثر رکھتے تھے۔ اس احتجاجی تحریک میں جب یہ حضرات بھی شامل ہو گئے تو تحریک نے ایک طوفانی رخ اختیار کر لیا۔ اسی اثناء میں شیخ محمد عبداللہ کو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیا گیا، کیونکہ وہ بڑھ چڑھ کر اس تحریک میں حصہ لے رہے تھے۔ ان کی ملازمت سے برطرفی اس تحریک کیلئے جلتی پر تیل کا کام کر گئی۔ شیخ صاحب کھل کر میدان عمل میں کود پڑے۔

خانقاہ معلیٰ میں اجتماع: 21 جون 1931ء کو خانقاہ معلیٰ میں مسلمانانِ کشمیر کا ایک عظیم الشان

اجتماع منعقد ہوا۔ اس تحریک کا یہ پہلا جلسہ تھا، جس میں 50 ہزار افراد شریک ہوئے۔ اس اجتماع میں بچے اور عورتیں بھی بڑی تعداد میں شامل تھیں۔ اس اجتماع کی صدارت میرواعظ مولانا یوسف شاہ اور احمد اللہ ہمدانی نے کی، جبکہ مفتی جلال الدین، شیخ محمد عبداللہ، خواجہ غلام احمد عشائی، مولوی عبدالرحیم اور خواجہ غلام نبی گلکار نے تقاریر کیں۔ اس موقع پر شیخ عبداللہ نے نہایت جذباتی تقریر کی اور قرآن پاک ہاتھ میں اُٹھا کر تحریک سے وفادار رہنے کا حلف بھی اُٹھایا۔ آخر میں مہاراجہ ہری سنگھ سے مجوزہ ملاقات کیلئے سات رکنی وفد کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ اس میں خواجہ سعد الدین شال، میرواعظ مولانا یوسف شاہ، میرواعظ احمد اللہ ہمدانی، آغا سید حسین شاہ جلالی، خواجہ غلام احمد عشائی، مفتی شہاب الدین اور شیخ محمد عبداللہ شامل کیے گئے۔ جموں سے چار مسلم نمائندے پہلے ہی اس وفد کے لئے منتخب ہو چکے تھے۔ ان میں مستری یعقوب علی، سردار گوہر رحمن، چوہدری غلام عباس اور شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ شامل تھے۔

جونہی یہ جلسہ ختم ہوا۔ تمام مسلمان راہنما چائے پینے چلے گئے۔ لوگ ابھی منتشر نہیں ہوئے تھے کہ ایک اجنبی نوجوان سٹیج پر چڑھا اور تقریر کرنے لگا۔ اس کی تقریر کا لب لباب یہ تھا:

''مسلمانو! اب وقت آ گیا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے، یادداشتوں اور گزارشوں سے، ظلم وستم میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور نہ ہی توہینِ قرآن کا مسئلہ حل ہوگا۔ تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ اور ظلم کے خلاف ڈٹ جاؤ''۔ اس نے راج محل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''اس محل کی اینٹ سے اینٹ بجادو''۔

اس اجنبی کی تقریر جذبات سے بھری ہوئی تھی، جس سے مسلمانوں میں بے پناہ جوش وجذبہ پیدا ہو گیا۔ یہ نوجوان تقریر ختم کر کے فوراً وہاں سے روپوش ہوگیا۔ شام کے وقت پولیس نے اسے بغاوت یا انتشار پھیلانے کے الزام میں نسیم باغ کے ایک ہاؤس بوٹ سے گرفتار کرلیا۔[1]

عبدالقدیر کی اصلیت سے کوئی آدمی آگاہ نہیں تھا۔ وہ بظاہر مسلمان تھا اور اس نے مسلمانوں کی ہمدردی کی بات کی تھی، اس لئے جب اس کی گرفتاری کی خبر مسلمانوں نے سنی تو انہیں شدید دکھ ہوا۔ مسلمان رہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ عبدالقدیر کے مقدمے کی پیروی وہ خود کریں گے۔ اس سلسلے میں مولوی محمد عبداللہ ایڈووکیٹ، پیر قمر الدین اور مسٹر غلام محمد پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی گئی۔ عبدالقدیر کی رہائی کے لئے احتجاجی جلسے بھی

---

[1] دوران تحقیقات یہ بات سامنے آئی کہ اس اجنبی نوجوان کا نام عبدالقدیر ہے اور یہ امروہہ یوپی کا رہنے والا پٹھان ہے۔ یہ ایک انگریز فوجی آفیسر میجر Butt کے ساتھ خانساماں کے روپ میں سرینگر آیا ہوا تھا۔ مکمل تحقیقات کے بعد ثابت ہوا کہ عبدالقدیر برٹش انٹیلی جنس کا ایک اہلکار تھا، جسے اشتعال دینے یا بغاوت پھیلانے کی تربیت دے کر انگریز آفیسر کے ہمراہ سرینگر بھیجا گیا تھا کیونکہ ان دنوں سرینگر کا ماحول خاصا گرم تھا۔

شروع ہو گئے۔ چونکہ ریاست میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا سیاسی مقدمہ تھا، اس لئے لوگوں کی اس میں دلچسپی بہت بڑھ گئی۔ عبدالقدیر کو جب جیل سے عدالت میں لایا جاتا تو لوگوں کا جم غفیر اس کے ساتھ چلتا اور پولیس کی حفاظت میں بھی اس کے ہاتھ اور کپڑے چوم چوم کر اس سے اظہار ہمدردی کرتے۔

انہی دنوں مہاراجہ ہری سنگھ گول میز کانفرنس سے واپس وطن پہنچا۔ اُس نے اپنی غیر موجودگی میں پیش آمدہ حالات و واقعات پر سخت غم و غصے اور افسوس کا اظہار کیا۔ اس نے مذکورہ بالا افسوسناک واقعات کا ذمہ دار حکومت کے بجائے متعلقہ افراد کو ٹھہرایا اور اُنہیں سزا کا مستحق قرار دیا۔ اس نے 9 جولائی کو ایک اعلان جاری کیا۔ ''میرا مذہب انصاف ہے، میرے رعایا کے ادنیٰ سے ادنیٰ انسان میرے پاس براہ راست آزادی سے آ سکتے ہیں اور میری رعیا کو جو شکایات ہوں وہ میرے پاس پیش کر سکتے ہیں''۔ مہاراجہ نے مسلمانوں کی جاری کردہ تحریک، کو بیرونی مداخلت کا نتیجہ قرار دیا اور کہا ''میری بالکل خواہش نہیں ہے کہ اپنی رعایا کی جائز معروضات اور آواز کو چاہے وہ تحریری ہو یا زبانی، روکا جائے'' اس نے ان شرائط کی پابندی لازمی قرار دی۔

۱۔ سیاسی تحریک چلاتے وقت ملکی قانون کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

۲۔ بیرونی مداخلت کو کسی قسم کا موقع نہ دیا جائے۔

مہاراجہ نے بیرونی عناصر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا '' آپ لوگ میری ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کریں، جیسا کہ میں آپ کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرتا''۔

12 جولائی کو گاؤ کدل میں ایک جلسۂ عام ہوا، جس میں مقررین نے عبدالقدیر کے خلاف ہونے والی کارروائی کی مذمت کی اور مطالبہ کیا کہ عبدالقدیر کے مقدمے کی سماعت جیل کے بند کمرے میں نہ کی جائے بلکہ یہ سماعت عدالت کے کھلے احاطے میں کی جائے۔ اگلے روز یعنی 13 جولائی کو عبدالقدیر کے کیس کی سماعت تھی، چنانچہ مقررین نے عوام سے درخواست کی کہ وہ کل صبح سنٹرل جیل کے باہر پہنچ جائیں۔ یہ جلسہ رات بارہ بجے اختتام پذیر ہوا۔

جولائی 1931ء کا دن:

13 جولائی 1931ء کو صبح سویرے سیکڑوں مسلمان سنٹرل جیل سرینگر کے باہر جمع ہو گئے۔ یہ جیل میں عبدالقدیر کے مقدمے کی سماعت کا پہلا دن تھا۔ جونہی سیشن جج پنڈت کرشن لال کچلو جیل کے دروازے پر پہنچا، بہت سے لوگ اس کی گاڑی کے ساتھ جیل میں داخل ہو گئے۔ جج نے عبدالقدیر کے وکیل مولوی عبداللہ کو ہدایت کی کہ وہ لوگوں کو پر امن رہنے کی تلقین کریں اور اُنہیں کہیں کہ وہ جیل کے احاطے سے نکل جائیں۔ چنانچہ لوگ جیل کے احاطے سے نکل کر جیل کے صدر دروازے کے باہر جمع ہو گئے اور عدالتی کارروائی کا انتظار کرنے لگے۔ دن کے ایک بجے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر ترلوک چند موقع پر پہنچ گیا۔ اس نے آتے ہی پولیس کو حکم دیا کہ جن لوگوں نے جیل میں داخل ہونے کی کوشش کی ہے اُنہیں

فوراً گرفتار کرلیا جائے۔ یہ حکم ملتے ہی پولیس نے کچھ لوگوں کو گرفتار کرلیا۔ پولیس کی اس کارروائی کیخلاف لوگ مشتعل ہو گئے اور عبدالقدیر کے حق میں اور حکومت کے خلاف نعرے لگانے لگے۔ لوگ مشتعل ہو کر قیدیوں کو چھڑانے کیلئے دوبارہ جیل کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہونیکی کوشش کرنے لگے۔ پولیس نے آناً فاناً فائرنگ شروع کر دی، جس کے نتیجے میں 17 افراد موقع پر دم توڑ گئے۔ جبکہ چالیس افراد شدید زخمی ہو گئے۔ زخمیوں میں سے 5 افراد بعدازاں جامع مسجد میں دم توڑ گئے۔ اس طرح اس واقعہ میں کل 22 افراد شہید ہوئے۔

شہدا کی فہرست حسب ذیل ہے:

نمبر شمار	نام	عمر	رہائش
۱	غلام محمد حلوائی	۲۵ سال	جامع مسجد
۲	عبدالخالق شورہ	۳۳ سال	وازہ پورہ
۳	غلام نبی کلوال	۲۷ سال	پاندان
۴	غلام محمد صوفی	۲۰ سال	دھری بل
۵	غلام قادر بٹ	۲۲ سال	محلہ بہاں دین
۶	محمد رمضان	۱۹ سال	خانیار
۷	محمد عثمان	۲۰ سال	کلاشپورہ
۸	غلام محمد نقشبندی	۲۲ سال	کانی کدل
۹	غلام رسول درزی	۲۳ سال	احمدا کدل
۱۰	امیر جو	۲۷ سال	گوجوارہ
۱۱	عبدالاحد	۲۳ سال	گاؤ کدل
۱۲	غلام احمد قال باف	۳۲ سال	فتح کدل
۱۳	امیر جو مکائی	۳۵ سال	نوا کدل
۱۴	شعبان جو مکائی	۶۰ سال	نوا کدل
۱۵	سبحان خان	۲۲ سال	نواب بازار
۱۶	عبدالخالق	۳۰ سال	واتل کدل
۱۷	محمد اکبر	۳۳ سال	ذال دگر

۱۸	عبدالقادر	۲۶سال	بہاؤالدین
۱۹	غلام رسول ڈورا	۲۷سال	گوناپورہ
۲۰	احمد راتھر	۳۰سال	نوشادرہ
۲۱	احمد ڈار	۳۰سال	نوشادرہ
۲۲	ولی رانی	۵۰سال	بٹہ پورہ [1]

13 جولائی کو سنٹرل جیل کے باہر جب مجمع عام پر گولی چلائی گئی، اس وقت سیکڑوں لوگ وہاں موجود تھے، لیکن کوئی بھی نمایاں لیڈر اُس روز وہاں نہ آیا۔ مشتعل ہجوم نے پولیس کے رہائشی کوارٹرز کو آگ لگادی۔ اُنہوں نے آس پاس سے چارپائیاں اکٹھی کیں اور شہدا اور زخمیوں کو ان پر ڈال کر ان کے خون آلود کپڑوں کو لہراتے ہوئے ایک جلوس کی شکل اختیار کر لی۔ یہ جلوس آہ وفریاد کرتے ہوئے اور قرآن پاک کی آیات کا ورد کرتے ہوئے جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا، لوگ اُمڈ اُمڈ کر اس کے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد سارا سرینگر آہوں اور سسکیوں میں ڈوب گیا۔ چوہدری غلام عباس جو اس سانحہ کے وقت سرینگر شہر میں ہی تھے، لیکن جائے وقوعہ پر موجود نہیں تھے، اپنی سوانح عمری ''کشمکش'' میں لکھتے ہیں:

> ''13 جولائی 1931ء دن کے دو بجے کے قریب میں ایک دوست کے ساتھ امیر اکدل کے بازار میں کھڑا تھا۔ ہم یوں ہی اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھے۔ مجھ پر کچھ پژمردگی اور اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں کے اندر ساری فضا غبار آلود ہوگئی اور اندھیرا چھا گیا۔ پہلے تو فضا کا یہ رنگ دیکھ کر گمان ہوا کہ موسلا دھار بارش ہونے والی ہے۔ میں قیام گاہ کی طرف جانے ہی والا تھا کہ اچانک آندھیاں گھر گھر کر آ گئیں۔ ساری فضا زمین سے لے کر آسمان تک گرد وغبار کا ایک تودۂ مجسم بن گئی۔ کیفیت یہ ہوگئی کہ میں اپنے ساتھی کو بھی جو مجھ سے ڈیڑھ دو فٹ کے فاصلے پر تھا دیکھ نہ سکتا تھا۔۔۔۔۔۔'' [2]

شہدا کا یہ جلوس مختلف راستوں سے ہوتا ہوا جامع مسجد سرینگر پہنچا۔ اس وقت تک تقریباً سارا سرینگر شہر اس جلوس میں شامل ہو چکا تھا۔ شیخ عبداللہ، چوہدری غلام عباس اور دیگر مسلمان راہنما واقع کی اطلاع ملتے ہی جامع مسجد پہنچ آئے، جہاں تمام شہدا کی لاشیں رکھی گئی تھیں۔ حکومت نے شہر میں کرفیو لگا دیا اور جگہ جگہ فوج تعینات کر دی۔ شیخ عبداللہ اور چوہدری غلام عباس سمیت تمام مسلمان راہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ کل 326 لوگ

---

[1] جسٹس محمد یوسف صراف ''Kashmiri's Fight for Freedom'' جلد اوّل صفحہ 278، 279

[2] چوہدری غلام عباس ''کشمکش'' صفحہ 60

گرفتار کیے گئے ۔شہر میں خوف وہراس کا یہ عالم تھا کہ دوسرے روز بھی شہدا کی لاشوں کی تدفین نہ ہو سکی ۔ بالآخر 15 جولائی کو قبرستان نقشبند میں ان شہدا کو ایک ہی احاطے میں دفن کیا گیا اور اس کا نام ''مزار شہدا'' رکھا گیا۔وادیٔ کشمیر میں اس واقعہ کے خلاف 17 روز ہڑتال رہی ،جس سے تمام کاروبار حکومت معطل ہو کر رہ گیا۔دفاتر بند ہو گئے ، ٹرانسپورٹ رک گئی اور گلیاں ،بازار سنسان ہو گئے ۔جموں سرینگر شاہراہ کئی روز تک سنسان رہی ۔

13 جولائی -اہمیت وافادیت

13 جولائی کا واقعہ تحریک آزادیٔ کشمیر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔اس واقعہ کو تحریک آزادیٔ کشمیر میں وہی اہمیت حاصل ہے جو ہندوستان کی تحریک میں جلیانوالہ باغ کے واقعہ کو حاصل ہے۔اس واقعہ کو تحریک آزادیٔ کشمیر کا نقطہ آغاز بھی کہا جاتا ہے۔کیونکہ اس واقعہ سے پہلے تحریک آزادی سہمی سہمی اور خوفزادہ تھی۔اس کے گرد مصلحتوں اور مفادات کے پہرے لگے ہوئے تھے۔یہ یاداشتوں اور گذارشوں کی حد تک محدود تھی ،لیکن اب اس میں نئی جان اور نئی روح پیدا ہوگئی تھی اور یہ نئے عزم وولوے کے ساتھ اٹھی تھی۔اب یہ تحریک آہ وفغاں اور نالہ وفریاد کے دور سے نکل کر سرفروش وسر بکف ہوگئی تھی۔ایک ایسی قوم جس کی کم ہمتی اور بزدلی مثال بنتی جارہی تھی ۔اس نے اس تاثر کو آن واحد میں جھٹک دیا اور سروں پر کفن باندھ کر شہادت کے رجز گانے لگی۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھ لیں گے، زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی ظالمانہ اور جابرانہ نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اور عزت و آزادی کی صبح بہاراں کا منظر دیکھنے کے لئے لہو کے نذرانے دینا پڑتے ہیں اور سروں کی فصل کٹانا پڑتی ہے۔وطن اور قوم کی خاطر دی گئی یہ قربانیاں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں ،بشرطیکہ ان قربانیوں کا تسلسل جاری رکھنے والے اور شہیدوں کے مشن کے حقیقی وارث زندہ ہوں ۔13 جولائی کے عظیم سانحے میں دم توڑتے ہوئے ایک مجاہد نے شیخ محمد عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہی پیغام دیا تھا۔

''شیخ عبداللہ !ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اب آگے بڑھنا آپ کا کام ہے''

شیخ عبداللہ اپنی سوانح عمری ''آتش چنار'' میں لکھتے ہیں:

''13 جولائی کو کشمیری عوام پر فائرنگ ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ ہر گولی نے میری چھاتی میں سوراخ کر دیا ہے۔اس فائرنگ کے بعد ہی میری عملی سیاسی زندگی کا آغاز ہو گیا۔اس فائرنگ میں بیشمار افراد زخمی ہو گئے ۔ میں ایک زخمی کو سنبھال رہا تھا کہ اس نے دم توڑتی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا۔عبداللہ ! میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔اب آگے بڑھو اور میں آگے بڑھنے لگا'' ۔[1]

---

[1] شیخ محمد عبداللہ ''آتش چنار'' صفحہ 56

13 جولائی کے ان 22 شہیدوں نے عزم و ہمت اور جرأت و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریک آزادیٔ کشمیر کے لئے جو تابندہ روایت قائم کی تھی۔ اس کی ایک گواہی اس وقت کے ریاستی وزیراعظم مسٹر ویکفیلڈ نے شہیدوں کا معائنہ کرنے کے بعد یوں دی تھی۔

''ان جوانوں کی بہادری پر مجھے حیرت ہوئی ہے۔ گولیاں سب نے سینوں پر کھائی ہیں۔ پشت پر کسی آدمی نے بھی گولی نہیں کھائی''۔[1]

پنڈت پریم ناتھ بزاز 13 جولائی کے واقعہ کی تاریخی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Historically and politically the 13th July, 1931, is the most important day in the annals of contemporary Kashmir. From this day the struggle for independence and freedom in the most modern sense started openly. Doubtless in 1931, the struggle was aggressively communal outwardly but those who had not kept their eyes shut could see that it was in essence the struggle of a victimized and enslaved people against the despotic rule. It was sooner or later bound to proceed on the right track.[2]

پنڈت پریم ناتھ بزاز اپنی دوسری تصنیف میں لکھتے ہیں:

''13 جولائی کا واقعہ سیاسی اور تاریخی اعتبار سے تاریخ کشمیر کا ایک عظیم ترین سانحہ ہے۔ تنگ نظر اور فرقہ پرست ہندوؤں نے اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے، مگر اس مظاہرے کا پس منظر ثابت کرتا ہے کہ اس عوامی شورش کی تہہ میں جو جذبہ کام کر رہا تھا، وہ آزادی کی تڑپ اور ڈوگرہ سامراج کے خلاف نفرت تھی۔ لہٰذا ہجوم نے جیل پر شورش کی۔ اسے ہندوؤں پر حملہ ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مظاہرین اگرچہ سارے کے سارے مسلمان تھے، مگر اس کی روح سراسر غیر فرقہ وارانہ تھی۔ یہ مظاہرہ ظالم کے خلاف مظلوم کا اعلانِ جنگ تھا اور زیر استبداد کا جابر و غاصب

---

[1] ویکفیلڈ "Recollections"

[2] پنڈت پریم ناتھ بزاز "The History of Struggle for Freedom in Kashmir" صفحہ 154

کے خلاف نعرۂ بغاوت تھا''۔ ۱؎ (ترجمہ)

اس عظیم سانحہ نے کشمیر کی تحریک آزادی پر دوررس نتائج مرتب کیے۔ قربانی کا جو تسلسل اس روز سے شروع ہوا تھا، وہ تحریک کے مستقبل کے لئے نشانِ راہ یا روشن ستارہ ثابت ہوا۔

چوہدری غلام عباس اپنی سوانح عمری میں لکھتے ہیں:

''ایسا دن اگر کیلنڈر میں موجود نہ ہوتا تو یقیناً ریاست کشمیر کی سیاسی تاریخ جو 1931ء سے لے کر آج تک مرتب ہو رہی ہے اور آئندہ بھی مرتب ہوتی رہے گی، بالکل مختلف ہوتی''۔ ۲؎

ڈاکٹر سلام الدین نیاز کی رائے ہے:

''13 جولائی 1931ء کا دن کشمیر کی سیاسی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اس دن تحریک حریت کی ابتداء خونِ شہدا سے ہوئی اور یہ پہلا قطرۂ ناحق تھا، جس نے تحریک حریت کی داستاں کو رنگین بنایا اور شخصی حکومت وحکمرانی کو ہمیشہ معتوب ومغضوب کر کے دفن کر دیا''۔ ۳؎

13 جولائی 1931ء کے خونچکاں سانحہ نے ڈوگرہ شاہی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا اور حکومت یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ اگر اس نے مسلمانوں کی شکایات مسائل کو اہمیت نہ دی اور انہیں نظر انداز کیا تو آئندہ بھی ایسے سانحات رونما ہو سکتے ہیں۔

25 جولائی کو مہاراجہ ہری سنگھ نے وزیر اعظم مسٹر ویکفیلڈ کو برطرف کر دیا۔ اس کی جگہ پنڈت ہری کشن کول کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ پی کے واتل کو بھی برطرف کر دیا گیا۔ مہاراجہ نے اس واقعہ کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر برجور دلال کی سربراہی میں قائم کیا۔ مسلمان راہنماؤں کو اس کمیشن کا ممبر بننے کی دعوت دی گئی، لیکن مسلمانوں نے اس کا بائیکاٹ کیا اور ممبر بننے سے انکار کر دیا، چنانچہ یہ کمیشن کام نہ کر سکا۔ بعد ازاں مہاراجہ ہری سنگھ نے برطانوی حکومت ہند کے ایک آفیسر مسٹر بی جے گلانسی کی سربراہی میں دوسرا کمیشن مقرر کیا۔ اس کے تقرر پر مسلمانوں نے خوشی کا اظہار کیا، جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمائندگی بھی تھی، چنانچہ اس کمیشن نے تحقیقات کے بعد جو سفارشات حکومت کو پیش کیں ان کے نتیجے میں مسلمانوں کو آئینی طور پر خاطر خواہ کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

۱؎ (پنڈت پریم ناتھ بزاز ''Inside Kashmir'')

۲؎ چوہدری غلام عباس ''کشمکش'' صفحہ 60

۳؎ ڈاکٹر سلام الدین نیاز ''ان کہی داستانِ کشمیر'' صفحہ 172

مسئلہ کشمیر، پس منظر، حالات و واقعات، منصفانہ حل

پس منظر

برعظیم ہند اور سنٹرل ایشیاء کے سنگم پر واقع خطہء کشمیر ہزار ہا سال سے ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے اپنی جداگانہ شناخت اور تشخص رکھتا ہے۔ یہ ملک مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا مسکن ہے۔ اپنے فطری حسن و جمال اور وسائل سے مالا مال ہونے کے سبب پڑوسی مملکتوں اور بیرونی حملہ آوروں نے اسے کئی بار اپنی ہوسِ ملک گیری اور جارحیت کا نشانہ بنایا۔ مغلوں کے عہد سے پہلے یہ ایک آزاد اور خوشحال ملک تھا لیکن مغلوں، افغانوں اور سکھوں نے یکے بعد دیگرے اس پر قبضہ کر کے ایک طرف اس کی آزاد حیثیت ختم کر دی اور دوسری طرف یہاں لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ 16 مارچ 1846 کو ایسٹ انڈیا کمپنی اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے مابین طے پانے والے معاہدہ امرتسر کی رو سے اس ریاست کا اقتدار اعلیٰ جموں کے ڈوگرہ خاندان کے پاس آ گیا۔ ڈوگرہ عہد میں کشمیری عوام نے اپنے حقوق کے حصول کے لیے لازوال جدوجہد کی جس کے نتیجے میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ عہد 1846 سے 1947 تک محیط ہے۔ آئینی حقوق کی جدوجہد، سیاسی شعور کی بیداری کے نتیجے میں ریاست میں جو عوامی تحریکیں اٹھیں اُن کے سبب ریاست میں سیاسی جماعتیں قائم ہوئیں۔ 1934 میں کشمیر اسمبلی کا قیام عمل میں آیا۔ ہندوستان بھر کی شخصی ریاستوں میں ریاست جموں کشمیر کو تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے منفرد حیثیت حاصل تھی۔

دوسری جنگ عظیم (1939-1945) میں معاشی طور پر مفلوج ہونے کے سبب جب انگریز سامراج نے برعظیم کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا تو 3 جون 1947 کو ایک منصوبہ طے پایا جس کے مطابق وائسرائے ہند کے زیر قبضہ برطانوی ہند کو دو قومی نظریے کی بنیاد پر تقسیم کیا جانا تھا جبکہ تاج برطانیہ کے ماتحت 565 دیسی ریاستوں کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہو جائیں یا آزاد و خود مختار رہیں۔ کشمیر، حیدر آباد اور جونا گڑھ کی ریاستوں نے آزاد رہنے کا فیصلہ کیا۔ باقی تمام ریاستیں برضا و رغبت یا معروضی حالات کے سبب ہندوستان و پاکستان کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ والیانِ ریاست کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ 15 اگست 1947 سے پہلے پہلے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لیں۔ مذکورہ بالا تینوں ریاستوں نے فیصلہ کرنے میں تاخیر کر دی۔ 15،14 اگست 1947 کو ہندوستان کی تقسیم کے سبب پاکستان اور بھارت الگ الگ ملک کے طور پر آزاد ہوئے اور تاج برطانیہ کا اقتدار ختم ہو گیا۔

حالات وواقعات

تقسیم ہند کے وقت ریاست جموں کشمیر پر مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت تھی۔ مہاراجہ اپنی ریاست کو آزاد و خودمختار رکھنا چاہتا تھا اسی لیے اس نے دونوں نو آزاد مملکتوں میں سے کسی ایک ساتھ الحاق کے بجائے دونوں کو دوستی اور تعلقات کے ایک معائدے کی پیش کش کی جسے معائدہ قائمہ (Stand Still Agreement) کہا جاتا ہے۔ پاکستان نے اس معاہدے کو تسلیم کر لیا جبکہ ہندوستان نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

ابھی معائدہ قائمہ کی سیاہی خشک نہیں ہوئی تھی کہ 22 اکتوبر 1947 کو پاکستان کے صوبہ سرحد کے ہزاروں مسلح قبائل نے ریاست جموں کشمیر پر حملہ کر کے ریاست میں قتل و غارت، لوٹ مار اور اغواء کا بازار گرم کر دیا۔ یہ وحشی قبائل خون کی ہولی کھیلتے ہوئے سرینگر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ 26 اکتوبر کو اس صورت حال سے خوف زدہ ہو کر مہاراجہ ہری سنگھ دارالحکومت سرینگر سے بھاگ کر جموں چلا گیا۔ اس نے اپنی ریاست اور عوام کو قبائیلیوں سے بچانے کے لیے ہندوستان سے فوجی مدد طلب کی۔ ہندوستان نے فوجی مدد کو ریاست کے الحاق سے مشروط کیا۔ مجبوراً مہاراجہ سے ایک الحاق نامے پر دستخط لیے گئے اور 27 اکتوبر 1947 کو ریاستی دارالحکومت سرینگر کے ہوائی اڈے پر ہندوستانی تربیت یافتہ فوج اُترنا شروع ہوگئی۔ پاکستانی فوج بھی اعلانیہ طور پر ریاست میں داخل ہوگئی۔ دونوں ممالک کی افواج آمنے سامنے ہوئیں تو محاذ کشمیر پر زبردست جنگ چھڑ گئی۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے یکم جنوری 1948 کو ہندوستان مسئلہ کشمیر کو UNO میں لے گیا۔ UNO میں ہندوستان نے شکایت کی کہ پاکستان نے ریاست جموں کشمیر پر قبضہ کرنے کے لیے قبائیلیوں سے حملہ کروایا ہے۔ لہذا پاکستان کو کشمیر سے باہر نکالا جائے۔ سلامتی کونسل نے پاکستان کا موقف بھی سنا اور اس مسئلہ پر متفقہ قراردادیں پاس کیں۔ اقوام متحدہ نے ایک خصوصی کمیشن UNCK (یونائیڈ نیشن کمیشن فار کشمیر) تشکیل دیا جسے بعدازاں پاکستان اور ہندوستان کی درخواست پر بدل کر UNCIP (یونائیڈ نیشن کمیشن فار انڈیا اینڈ پاکستان) کر دیا گیا۔ اس کمیشن نے تمام صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد بہت سی قراردادیں پاس کیں جن میں سے دو قراردادوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ پہلی قرارداد 13 اگست 1948 کو پاس کی گئی۔ جبکہ دوسری قرارداد 5 جنوری 1949 کو پاس ہوئی۔ (تفصیل اسی کتاب کے باب ششم میں ملاحظہ فرمائیں)۔ فریقین کی رضامندی سے طے پایا کہ مسئلہ کشمیر تین مراحل میں حل کیا جائیگا۔

۱۔ جنگ بندی ۲۔ فوجوں کی واپسی ۳۔ رائے شماری

طے شدہ فارمولے کے تحت یکم جنوری 1949 کو سلامتی کونسل کی اپیل پر جنگ بندی کے معاہدے پر عمل کرتے ہوئے دونوں ممالک نے جنگ بند کر دی۔ 27 جولائی1949 کو دونوں ممالک کی افواج کے مابین ایک جنگ بندی لائن کا تعین کیا گیا اور فریقین کو پابند کیا گیا کہ وہ اس لائن کو عبور نہ کریں۔ پہلا مرحلہ مکمل ہونے پر دوسرے مرحلے یعنی فوجوں کی واپسی پر عمل درآمد کے لیے کئی کمیشن مقرر کیے گئے اور ناظم رائے شماری کا تقرر ہوا۔ یکے بعد دیگرے جنرل نمٹز، جنرل میگناٹن، سراوون ڈکسن، ڈاکٹر فرینک پی گراہم وغیرہ مصالحت کنندہ کی حیثیت سے ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کو کشمیر سے فوجوں کے انخلاء کے لیے رضامند کرنے کے لیے کوشش کرتے رہے۔ لیکن دونوں ممالک نے حیلہ سازی اور ٹال مٹول سے کام لیتے ہوئے فوجوں کے انخلاء پر عمل درآمد نہ کیا جس کے سبب ریاست میں رائے شماری کی نوبت ہی نہ آسکی۔ حالات و واقعات اس امر کے گواہ ہیں کہ کشمیر پر قبضہ کرنے والے دونوں ممالک فوجوں کے انخلاء اور رائے شماری کے حق میں نہیں تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی نیت کا فتور پھیلتا چلا گیا اور انہوں نے مستقل طور پر کشمیر پر قبضہ جمانے کی حکمت عملی اختیار کر لی۔ اس مسئلے کی آڑ میں کبھی جنگ نے تباہ کاریاں مچائیں، کبھی مذاکرات کی بساط بچھائی گئی اور کبھی دوستی اور اعتماد کی بحالی کے ڈرامے رچائے گئے۔ تاشقند، شملہ، لاہور، واشنگٹن اور اسلام آباد کے ایوانوں میں کشمیر کی بندر بانٹ کے منصوبے بنے لیکن یہ سب کوششیں کشمیری عوام کو ان کے پیدائشی حق آزادی اور رائے شماری کے حق سے دست بردار نہ کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر کے نہتے اور مظلوم عوام نے بے سروسامانی کے عالم میں بھی گزشتہ 6 دھائیوں سے اپنی جدوجہد آزادی جاری رکھی ہوئی ہے۔

مسئلہ کشمیر کا مستقل، دیرپا اور منصفانہ حل

مسئلہ کشمیر کا مستقل بنیادوں پر دیرپا، قابلِ قبول، منصفانہ اور جمہوری حل انتہائی ضروری ہے۔ دونوں قابض ممالک اس مسئلے کو حل نہ کر کے کئی طرح کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل کا شکار ہیں۔ سیاسی سطح پر عالمی برادری میں ان کی ساکھ بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ ایک سادہ اور عام فہم مسئلے کو حل نہ کر کے دونوں ممالک کے قائدین اور سیاسی راہنماؤں نے اپنی قابلیت و صلاحیت پر ایک سوالیہ نشان چھوڑ دیا ہے۔ سماجی سطح پر اس مسئلے نے دونوں ممالک کے عوام کو احساسِ شکست اور احساسِ ندامت سے دوچار کر رکھا ہے۔ سنجیدہ اور باشعور حلقوں میں سخت بے چینی اور مایوسی چھائی ہوئی ہے۔ وہ اس مسئلے کے حل نہ ہونے کا ذمہ دار اپنی لیڈرشپ کو ٹھہراتے ہیں۔

مسئلہ کشمیر نے دونوں ممالک کی اقتصادیات کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے۔ اپنے وسائل اور آمدن کا ایک بڑا حصہ جو ان ممالک کے عوام کی غربت، بھوک، بیماری، تعلیم اور روزگار کے لیے خرچ ہونا چاہیے تھا وہ فوجی جنتا کشمیر فتح کرنے کی آڑ میں اپنی ذاتی عیاشیوں اور بے پناہ جنگی ساز وسامان پر خرچ کرتی رہی ہے۔ حالانکہ اگر یہ بے حساب دولت ملکی تعمیر وترقی کے لیے خرچ کی جاتی تو آج ہندوستان اور پاکستان دنیا کی بڑی اقتصادی طاقتوں کی صف میں کھڑے ہوتے۔

کشمیری عوام کے نقطہ ونظر سے بھی اس کا حل نہایت ضروری ہے کشمیر کے عوام بلاتمیز مذہب، رنگ ونسل اور علاقہ اس مسئلے کا ایک قابلِ قبول اور آبرومندانہ حل چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس مسئلے کی وجہ سے کشمیری قوم کی چار نسلیں بری طرح متاثر ہوئی ہیں لوگ سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اقتصادی سطح پر بے شمار مسائل کا شکار ہیں۔

ان حالات میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس دیرینہ تنازع کو کیسے حل کیا جائے تاکہ مسئلہ کے تینوں فریق، کشمیری عوام، بھارت اور پاکستان سکھ اور امن کا سانس لے سکیں۔

مسئلہ کشمیر کا پُرامن، جمہوری اور منصفانہ حل یہ ہے کہ دونوں قابض فریق اس بات پر آمادہ ہوں یا عالمی برادری انہیں آمادہ کرے کہ مسئلہ جہاں سے بگڑا تھا وہیں سے اس کو سلجھانے کا آغاز کیا جائے۔ ہندوستان اور پاکستان کے اعلانِ آزادی کے وقت یعنی 14، 15 اگست 1947ء کو ریاست جموں کشمیر کی جو آئینی، قانونی اور انتظامی حیثیت تھی اُسے بحال کر دیا جائے۔ اُس وقت تک ریاست جموں کشمیر دونوں نئے آزاد ہونے والے ممالک میں سے کسی ایک کا بھی حصہ نہ تھی۔ ریاست کے عوام نے رائے شماری کے ذریعے اپنے مستقبل کا ابھی تعین کرنا تھا۔ اس دیرینہ تنازع کے حل کے لیے حسب ذیل اقدامات بروئے کار لانا ہوں گے۔

1۔ تقسیم ہند کے وقت کی آئینی پوزیشن بحال کرنے کے لیے ریاست جموں کشمیر سے چین، بھارت اور پاکستان کی تمام مسلح اور غیر ریاستی سول انتظامیہ فی الفور نکل جائے۔

2۔ ریاست جموں کشمیر جو جنگ وجدل کی وجہ سے جبراً تقسیم کی گئی ہے اس کے تمام انتظامی یونٹ (بھارتی مقبوضہ کشمیر، آزاد کشمیر، گلگت بلتستان اور اقصائی چن) ایک مرکز کے تابع لائے جائیں اور جنگ بندی لائن کا خاتمہ کر کے 84,471 مربع میل پر مشتمل ریاست کی جغرافیائی وحدت بحال کر دی جائے۔

3۔ ریاستی وحدت بحال ہونے پر ریاستی سیاسی جماعتوں اور آزادی پسند گروہوں کی مشاورت سے ایک عبوری انتظامیہ تین سال کے لیے قائم کی جائے جو حسب ذیل فرائض سرانجام دے۔

ا۔ مقامی نظم ونسق کی بحالی۔

ii۔ ریاست سے ترک سکونت کرنے والوں کی واپسی اور آبادکاری۔

iii۔ ریاست کی جغرافیائی سرحدوں کی نگرانی۔

iv۔ رائے شماری کے انعقاد میں UNO کی معاونت۔

4۔ اقوام متحدہ اپنی زیر نگرانی ریاست جموں کشمیر میں معروف اصولوں کے تحت حق خودارادیت کے حصول کے لیے رائے شماری کروائے۔ اس رائے شماری میں ریاستی عوام ہر طرح کے خوف، ڈر، لالچ، دباؤ اور بیرونی اثر ورسوخ سے ماوراء ہو کر اپنی مرضی اور خوشی سے آزادانہ فیصلہ کریں کہ وہ ریاست جموں کشمیر کو مکمل طور پر آزاد رکھنا چاہتے ہیں یا ہندوستان و پاکستان میں سے کسی کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔

5۔ رائے شماری کے ذریعے جو بھی اکثریتی فیصلہ سامنے آئے اُسے کشمیر کے تمام فریق صدق دل سے تسلیم کریں۔ مسئلہ کشمیر کا دیرپا، جمہوری اور آبرومندانہ حل یہی ہے۔

چارہ گروں کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ ہمیں جو دکھ تھے، بہت لادوانہ تھے

فیصلہ کن حل۔سول سوسائٹی فریڈم مارچ

مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں اقوام متحدہ کے مایوس کُن کردار، اقوامِ عالم کی سرد مہری اور پاکستان اور ہندوستان کے سامراجی عزائم کے نتیجے میں کوئی واضح پیش رفت نہیں ہو سکی۔ 65 برس گزر گئے ہیں۔ کشمیریوں کی چوتھی نسل اب اس قضیئے کے دہانے پر آن کھڑی ہوئی ہے لیکن لیلائے وطن کی آزادی کے عظیم جذبے نے کشمیریوں کے دلوں سے آزادی کا جوش اور ولولہ ٹھنڈا نہیں ہونے دیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بے پناہ قربانیوں کے باوجود دونوں قابض ممالک کی شاطرانہ چالوں اور بدعہدیوں کے سبب جب کوئی نتیجہ سامنے نہیں آرہا تو بے چارے کشمیری کب تک اقوام متحدہ پر تکیہ کیے رہیں گے؟ اور مزید کتنا وقت وہ اس انتظار میں گزار دیں گے انہیں قابض قوتیں حقِ خودارادیت کا موقع فراہم کریں؟

راقم الحروف کی دوٹوک رائے ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے سیاست دان، جرنیل اور پالیسی ساز مسئلہ کشمیر کا حل قطعاً نہیں چاہتے کیونکہ ان کا مفاد اسی سے وابستہ ہے کہ کشمیر کا مسئلہ الجھا رہے اور وہ اس مسئلے کی آڑ میں اپنی دکانداریاں چمکاتے رہیں۔ بے شک وہ اس کشمکش میں اپنے وجود سے ہی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ وہ مٹ جائیں گے، ذلیل ورسوا ہو جائیں گے لیکن کشمیری عوام کو حقِ خودارادیت دینے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔

اقوام متحدہ، جس پر کشمیری تکیہ کیے ہوئے تھے اب مکمل طور پر امریکہ کی لونڈی بن چکا ہے۔ لہذا اس سے کوئی توقع رکھنا اب عبث اور بے کار ہی دکھائی دے رہا ہے۔ عالمِ اسلام کے راہنما یہود و ہنود کی

خوشنودی اور تابعداری میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی دوڑ میں لگے ہیں۔ مذکورہ بالا ساری صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے بالآخر مسئلہ کشمیر کو سلجھانے کی ایک ہی صورت بنتی ہے اور ایک ہی حل نظر آتا ہے کہ ریاست جموں کشمیر کے آر پار محب وطن سیاسی جماعتیں، آزادی پسند گروہ، باشعور افراد، شہداء کے حقیقی وارث، آزادی کے متوالے مرد عورتیں، بچے، بوڑھے مزدور، کسان، طالب علم اور زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لاکھوں انسان ''سول سوسائٹی فریڈم مارچ'' کا اہتمام کریں۔ اس فریڈم مارچ میں لاکھوں انسان سروں پر کفن باندھ کر پاکستانی مقبوضہ کشمیر سے ہندوستانی مقبوضہ کشمیر کی طرف ایک طے شدہ وقت پر رواں دواں ہوں اسی طرح بھارتی مقبوضہ کشمیر سے پاکستانی مقبوضہ کشمیر کی طرف بھی لاکھوں انسان کفن بدوش ہو کر ڈنڈے اور کلہاڑیاں ہاتھوں میں اٹھائے گھروں سے نکلیں اور منحوس خونی لکیر کو اور اس لکیر کی حفاظت پر مامور ناپاک وردی پوشوں کو اٹھا کر اپنے وطن سے باہر پھینک دیں۔ سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک جب مل جائیں گے تو دنیا کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوگی کہ کشمیری عوام کیا چاہتے ہیں اور کون کون غاصب ان کے حق آزادی پر پہرے لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔

کشمیری عوام کی آزادی کا یقینی اور مختصر راستہ یہی ہے۔ آزادی پسند کشمیریوں کو اس پر غور کرنا ہوگا۔

و ماعلینا الی البلاغ

(محمد سعید اسعد)

سیاچن گلیشیر

ریاست جموں کشمیر کے شمالی علاقہ جات گلگت بلتستان کو فطرت نے جہاں دلکش نظاروں اور دلآویز سبزہ زاروں سے نوازا ہے وہاں ایسے بلند و بالا پہاڑ اور چوٹیاں بھی ایستادہ کی ہیں جو ناقابل تسخیر ہیں۔ کشمیر کے اس خطے میں دنیا کے سب سے زیادہ گلیشیرز پائے جاتے ہیں۔ یہ جنگ و جدل، لوٹ مار اور ظلم و استحصال سے الگ تھلگ امن اور سکون کے گہوارے تھے لیکن حضرت انسان جب ظلم استحصال اور جبر جیسی مکروہ حرکات پر اتر آتا ہے تو امن کے ان گہواروں کو بھی جنگ و جدل کا میدان بنالیتا ہے۔

کشمیریوں کی پر امن جدو جہد کو سبوتاژ کر کے 1947ء میں پاکستان اور ہندوستان نے ریاست جموں کشمیر میں اپنی فوجیں بھیج کر ریاست پر غاصبانہ تسلط جمالیا۔ 1949ء کو ریاست کا 28 ہزار مربع میل پر مشتمل علاقہ گلگت بلتستان پاکستان نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ سیاچن گلیشیر اسی خطے میں واقع ہے۔ کشمیر پر جابرانہ تسلط کے لیے ہندوستان اور پاکستان نے جو جنگ چھیڑ رکھی ہے وہ سیاچن گلیشیر پر بھی لڑی جارہی ہے۔ اس جنگ نے دنیا کے

دوردراز گوشوں سے آنے والے کوہ پیماؤں کی اس بلند و بالا منزل مقصود کو دنیا کا سب سے اونچا میدان جنگ بنا دیا ہے۔ اب یہاں گولیاں چلتی ہیں، توپیں دندناتی ہیں، بجلی کا پٹر پھٹتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان ریاست جموں کشمیر کے اس عظیم گلیشیر پر قبضہ جمانے کے لیے جس احمقانہ جنگ میں الجھے ہوئے ہیں اس کا مختصر جائزہ حسب ذیل ہے۔

سیاچن بلتی زبان کے دو الفاظ سیا (جنگلی گلاب) اور چن (بکثرت) سے بنا ہے۔ سیاچن ایک جھاڑی نما پودا ہے جو 8000 فٹ سے بلندی پر پایا جاتا ہے۔ اس کے پھول سفید، پیلے اور گلابی رنگ کے ہوتے ہیں۔ سیاچن گلیشیر کے مشرقی دہانے پر یہ جنگلی گلاب بکثرت پائے جاتے ہیں۔ انہی جنگلی گلابوں کی نسبت سے یہ گلیشیر سیاچن گلیشیر کہلاتا ہے۔ اسے (Rose Glacier) بھی کہا جاتا ہے۔

سیاچن گلیشیر کشمیر کے سلسلہ قراقرم میں واقع ہے۔ اسکردو کے شمال میں 140 میل کے فاصلے پر یہ وادی نسپلو میں ایستادہ ہے۔ وادی نسپلو کوہ قراقرم کے دامن میں دریائے شیوق، سلتورو، کندوس اور ہوشے کی وادیوں پر مشتمل ہے۔ اس کی لمبائی 74 کلومیٹر اور چوڑائی 5 سے 7 کلومیٹر ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 20000 فٹ ہے۔ یہ طاقتور برفانی لاوا جب حرکت میں آتا ہے تو اس کے گردونواح کی زمین کانپ اٹھتی ہے۔ یہ دنیا کا دوسرا بڑا گلیشیر ہے۔

ماضی بعید میں کشمیر اور بلتستان کے لوگ اسی راستے چین اور وسطی ایشیا کو جاتے تھے۔ کشمیر کے عظیم روحانی پیشوا سید علی ہمدانی اسی راستے ترکستان (تاجکستان) گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ گلیشیر بڑھتے چلے گئے اور انسانی راستے مسدود ہوتے گئے۔ سیاچن گلیشیر پر انسانی آبادیوں کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔ 1938ء میں اطالوی پروفیسر ''جوتو ڈائی نیلی'' نے یہ نشانات ملاحظہ کیے۔

سیاچن گلیشیر کے مشرق میں ریاست جموں کشمیر کا لداخ ڈویژن واقع ہے۔ لداخ سے سیاچن آتے ہوئے وادی نوبرا سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے شمال میں عوامی جمہوریہ چین کا صوبہ سنکیانگ ہے۔ جنوب میں اسکردو اور مغرب میں پامیر واقع ہیں۔

تنازعہ سیاچن: تقسیم ہندوستان کے ساتھ ہی بھارت اور پاکستان نے کشمیر پر قبضہ کرنے کے لیے مسلح جارحیت شروع کر دی۔ اس میں پہل پاکستان نے کی۔ 20 ہزار مسلح قبائلی دستے مظفر آباد کے راستے کشمیر میں داخل ہوئے اور بلاتمیز مسلم و غیر مسلم قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ مسلح قبائلیوں کی یورش سے گھبرا کر مہاراجہ ہری سنگھ نے بھارت کو مدد کے لیے پکارا۔ بھارت نے 27 اکتوبر 1947ء کو اپنی منظم اور مسلح افواج کی بھاری تعداد ریاست میں بھیج دی۔ بعد ازاں پاکستان نے بھی اپنی باقاعدہ فوج ریاست میں بھیج دی۔ پاکستانی فوج کے مسلح دستے پہلے ہی ریاست میں داخل ہو چکے تھے۔ یوں دونوں ملکوں کی افواج ریاست کو میدان جنگ بنا کر گتھم گتھا ہوگئیں۔ چودہ ماہ بعد یکم جنوری 1949ء کو اقوام متحدہ کی مداخلت پر دونوں ملک جنگ بندی پر رضامند

ہو گئے۔ فوجیں جہاں جہاں تھیں وہیں روک دی گئیں۔ 27 جولائی 1949ء کو دونوں ممالک نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جسے ''معاہدہ جنگ بندی'' کہتے ہیں۔ اس معاہدے کی رو سے کشمیر کے محاذ پر جنگ بندی لائن کی تفصیل اور فوجی دستوں کے تعین پر بات چیت ہوئی۔ جنگ بندی لائن کی نگرانی کے لیے اقوام متحدہ کے مبصر تعینات ہوئے۔ جنگ بندی کے نقشوں پر دونوں ملکوں کے نمائندوں نے دستخط کیے۔ جنگ بندی لائن کی آخری حد بلتستان کی وادی شیوق میں فوجی نقشوں کے مطابق پوائنٹ NJ,980420 پر مقرر کی گئی۔ یہ طے پایا کہ اس سے آگے جنگ بندی لائن کا تعین دونوں ملکوں کے فوجی نمائندے باہمی صلاح مشورے سے بعد میں کر لیں گے۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ (ا) دشوار گزار گلیشیر کا علاقہ (۲) وقت کی قلت۔ اس سے آگے فوجیں تعینات نہ تھیں۔ اس لیے دونوں ملکوں کے نمائندوں نے NJ,980420 پر جنگ بندی لائن قبول کر لی۔

1963ء میں پاک چین سرحدی معاہدہ ہوا جس میں پاکستان نے سیاچن کو اپنی ملکیت ظاہر کیا۔ 1965ء اور 1971ء کی جنگوں میں دونوں ملک کشمیر پر اپنے فوجی قبضے کو برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے رہے۔ 1984ء میں ہندوستان نے سیالا (18300 فٹ) اور بلافون لا (18200 فٹ) پر خاموشی سے اپنی فوجیں اتار دیں اور پختہ بنکر بنا لیے۔ پاکستان کو اس وقت علم ہوا جب ہندوستان پاؤں جما چکا تھا۔ اس وقت پاکستان میں ایک فوجی جرنیل ضیاء برسر اقتدار تھا۔ اس نے جب سیاچن پر بھارت کے قبضے کی خبر سنی تو کہنے لگا۔ ''سیاچن کے لیے ہم کیوں لڑیں اس پر تو گھاس کی پتی بھی نہیں اگتی'' بعد ازاں پاکستان نے بھی آگے بڑھ کر سیاچن کے بچے کھچے حصہ میں اپنے مورچے بنا لیے۔ بھارت اور پاکستان سیاچن پر اپنا تسلط جمانے کے لیے گزشتہ کئی برس سے ایک احمقانہ جنگ میں الجھے ہوئے ہیں جس میں بے پناہ مالی و جانی وسائل جھونک رہے ہیں۔

کشمیری عوام کا موقف یہ ہے کہ سیاچن گلیشیر چونکہ کشمیر کا حصہ ہے اس لیے ایک ایسے علاقے پر قبضہ جمانے کے لیے لڑنا جس کی ساری ریاست متنازعہ ہو فضول اور احمقانہ اقدام ہے۔ بھارت اور پاکستان کو چاہیے کہ وہ نہ صرف سیاچن بلکہ پورے جموں کشمیر سے اپنا ناجائز فوجی قبضہ ختم کریں تاکہ کشمیری قوم اپنے وطن میں امن اور خوشحالی سے زندگی گزار سکے۔

آپریشن جبرالٹر

ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ سے چند ماہ قبل (وسط مئی میں) پاک فوج کے 12 ڈویژن ہیڈ کوارٹر مری میں صدر پاکستان محمد ایوب خان اور آرمی کے چند سینئر افسران کا ایک اجلاس ہوا جس میں بری فوج کے کمانڈر انچیف جنرل موسیٰ خان، جنرل شیر بہادر، جنرل اختر ملک، بریگیڈیئر گل حسن اور بریگیڈیئر ارشاد وغیرہ نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں مقبوضہ کشمیر کو فوجی آپریشن کے ذریعے آزاد کروانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ جنرل موسیٰ نے

نے اس منصوبے سے اتفاق نہ کیا لیکن ایوب خاں کا کہنا تھا کہ دفتر خارجہ نے انہیں یقین دلایا ہے کہ اس آپریشن کے ردعمل میں بھارت ہم پر جوابی حملہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

چنانچہ پاکستان آرمی، آزاد کشمیر ریگولر فورسز اور سول رضا کاروں کے تقریباً 25 ہزار مسلح جوان جنگ بندی لائن کے مختلف راستوں سے وادی کشمیر میں داخل ہو گئے۔ یہ گوریلے ناقص حکمت عملی اور بے یقینی کی کیفیت میں چند ماہ تک چھپ کر جنگلوں میں گوریلہ کارروائیاں کرتے رہے لیکن جلد ہی ہندوستانی فوج کو ان کی سرگرمیوں کا علم ہو گیا چنانچہ ہندوستانی فوج نے بڑے منظم انداز سے ان دستوں کو تلپٹ کر دیا۔ ہندوستان نے جب وادی کشمیر سے ان نام نہاد گوریلوں کو مار بھگایا تو 6 ستمبر 1965ء کو علی الصبح پاکستان پر جوابی حملہ کر دیا۔

اپریشن جبرالٹر بظاہر کشمیر کی آزادی کے لیے شروع کیا گیا تھا لیکن درحقیقت اس کا مقصد ایوب خان کو اقتدار سے ہٹانا اور پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر بدنام کرنا تھا۔ اس منصوبے میں ذوالفقار علی بھٹو اور چند قادیانی افسروں کا ذہن کارفرما تھا۔ بھٹو ایوب خاں کو اقتدار سے ہٹا کر خود اقتدار پر قابض ہونا چاہتے تھے اور یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک فوج کی بنیادیں نہ ہلائی جائیں۔ اس امر کی بعد از اں بھٹو نے خود تصدیق کی تھی۔

اپریشن جبرالٹر کی ناکامی کا بڑا سبب یہ تھا کہ آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے قائدین یا عوام کو مطلقاً اعتماد میں نہ لیا گیا۔ اس کے باوجود مقبوضہ کشمیر کے عوام نے پاکستانی گوریلوں کی بھرپور مدد کی اور عظیم قربانیاں دیں۔ اپریشن کی ناکامی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ پولیس کے ذریعے زبردستی لوگ بھرتی کیے گئے جو لوگ رشوت دے کر جان نہ چھڑا سکے وہ دھر لیے گئے۔ گوریلوں کو صرف تین ہفتے کی ٹریننگ دی گئی جو ناکافی تھی انہیں جو ہتھیار اور گولہ بارود دیا گیا وہ ناقص اور پرانا تھا۔ اپریشن میں شمولیت کرنے والوں کی اکثریت ان پڑھ اور جہادی جذبے سے عاری تھی، ان میں نظم و نسق کی بھی کمی تھی۔ انہی وجوہات کی بناء پر یہ اپریشن ناکام ہوا۔

ممتاز کشمیری راہنما امان اللہ خان اپریشن جبرالٹر کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنی کتاب "پاکستان کی حماقتوں بھری کشمیر پالیسی" میں لکھتے ہیں۔ "آپریشن جبرالٹر کے تین اہم کرداروں صدر ایوب خان، وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور آپریشن کے فوجی سربراہ جنرل اختر حسین ملک کے اپنے اپنے مقاصد تھے۔ گو تینوں ظاہراً آزادی کشمیر کے لیے سرگرم عمل تھے ان میں سے کسی ایک کا بھی اصل مقصد کشمیریوں کی آزادی نہیں تھا۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان تینوں اور ان کی لابیوں کے سوا باقی تمام لوگ خلوص نیت سے آزادی کشمیر اور دفاع پاکستان کے لیے لڑے۔

آپریشن جبرالٹر کی حماقت کے انتہائی سنگین نتائج کے بارے میں اس کے ذمہ داران نے آخر میں یہ کہنا شروع کیا کہ ان کا منصوبہ مقبوضہ کشمیر کے عوام کی غداری کی وجہ سے ناکام ہوا۔ یہ الزام ایسا کرنے والوں کے اخلاقی دیوالیہ پن کا واضح ثبوت تھا۔ اگر کشمیری عوام ان دسیوں ہزار پاکستانی "مجاہدوں" کو تحفظ، پناہ اور راہنمائی نہ دیتے تو ان میں سے ایک بھی زندہ واپس نہیں آ سکتا تھا جبکہ تقریباً سب واپس آ گئے۔ کشمیریوں نے تو ان کے تحفظ کی پاداش میں

بھارتیوں کے طرح طرح کے غیر انسانی مظالم برداشت کیے جس میں ،، بٹمالو سرینگر کا پورا محلہ نذر آتش کیا جانا بھی شامل ہے۔ حکومت پاکستان نے تو کسی کشمیری لیڈر کو اعتماد میں لیے بغیر اپنے کمانڈو وہاں بھیجے تھے۔ اس نے کشمیری لیڈروں سے پوچھے بغیر ہی تین نفری ،انقلابی کونسل، کے قیام کا اعلان کیا تو اس ،انقلابی کونسل کے سربراہ مرحوم چوہدری غلام عباس نے دوسرے ہی دن اخبارات کے ذریعہ اعلان کیا کہ نہ تو انقلابی کونسل کے قیام اور مجھے اس کا سربراہ بنانے سے پہلے یا اس سلسلے میں مجھے اعتماد میں لیا گیا ہے نہ ہی میں ایسے اداروں کا سربراہ بننا پسند کرتا ہوں۔ اس لیے میرا انقلابی کونسل سے کوئی تعلق نہیں۔ سرینگر میں کشمیری لیڈر مولانا محمد سعید مسعودی کو کشمیر میں ہزاروں پاکستانی کمانڈوز کی موجودگی کی اطلاع مقبوضہ کشمیر گورنمنٹ کے ایک افسر نے دی جسے کشمیر کابینہ کے چند اہم وزیروں کی خفیہ میٹنگ کے ایجنڈے سے اس کے بارے میں معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ جنوبی بھارت میں نظر بند تھے۔ میر واعظ محمد فاروق کو کمانڈوز کے بارے میں پہلی اطلاع مولانا مسعودی نے دی۔ ان تلخ حقائق کے پیش نظر اپنی حماقتوں کے بھیانک نتائج کی ذمہ داری کشمیریوں پر ڈالنا ان سے بھی بڑی حماقت اور اخلاقی دیوالیہ پن نہیں تو اور کیا ہے''۔

الطاف گوہر لکھتے ہیں: ''1965ء کی جنگ بھٹو کی جنگ تھی۔ اگرچہ وہ تمام اقدامات کی منصوبہ بندی جنگ سے پہلے نہ کر سکے تاہم حالات وواقعات کے دھارے پر وہ فیصلہ کن طور پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔ سب سے بڑھ کر بھٹو ہی نے ایوب خان کو کشمیر میں فوجی کارروائی کی ترغیب دلائی تھی۔ اس کارروائی کا خفیہ فوجی نام آپریشن جبرالٹر رکھا گیا۔ یہ کارروائی حرفِ آغاز سے ہی تباہ کن تھی۔ یوں تو اسے ایک خاص مقام تک محدود رکھنے کا خیال تھا مگر یہ کارروائی پھیل کر بھرپور جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔ ذہین وفطین وزیرِ خارجہ نے ملک کو ناقابلِ تلافی صورتِ حال سے دوچار کر دیا۔ بھارت نے بھرپور جوابی کارروائی کی اور پاکستان کا حملہ جلد ہی ناکام ہو گیا۔ حکومت کے اندر بھٹو پر سخت تنقید ہوئی اور انہیں حکومت کو گمراہ کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ بھٹو کے آنسو بہہ نکلے اور وہ کئی منٹ تک دھاڑے مار مار کر روتے رہے اور پھر ان کے منہ سے یہ الفاظ سن کر ہر شخص حیران رہ گیا "میرا سیاسی کیریئر ختم ہو گیا ہے"۔ جنگ میں کیسے شکست ہوئی؟ بھٹو کو تو نہیں۔ وہ تو سلامتی کونسل میں بھارت پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ فوجی جرنیلوں کو بھی نہیں۔ ان سب نے اپنے اپنے سیکٹروں پر فتوحات حاصل کی تھیں۔ پاکستان کی ایک ایک کمپنی نے بھارت کے پورے پورے بریگیڈ پر غلبہ پایا تھا۔ شکست تو ایوب خان کو ہوئی تھی، کیونکہ یہی وہ واحد شخص تھا جس نے کامیابی کا کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ ستمبر 65 کی فائر بندی کے بعد کے ایام بڑے تکلیف دہ تھے۔ ایوب خان مہینوں خاموشی اختیار کیے رہے''۔[1]

ممتاز پاکستانی دانشور اور تجزیہ نگار نذیر ناجی لکھتے ہیں۔ '' آپریشن جبرالٹر بھارت سے پنگا لے کر پاکستان کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ مگر نام نہاد نظریہ پاکستان کے سرپرست اس بے مقصد مداخلت کی بڑھ چڑھ

---

[1] سیارہ ڈائجسٹ ستمبر 1986ء ص 41 مضمون '' زوالِ صدر سے پہلے '' سے اقتباس۔ الطاف گوہر

کر حمایت کر رہے تھے۔ اس کے نتیجے میں پاکستان پر حملہ ہوا۔ بلاشبہ پاک فوج نے بہادری اور جرات سے اس کی مزاحمت کی۔ ایک ایسی جنگ جسے خود ہم نے آگے بڑھ کر اپنے اوپر مسلط کیا تھا۔ اُس کی تباہی کا نشانہ بن کر اب ہم یوم دفاع مناتے ہیں۔ اس وقت کی فوج کو مقبوضہ کشمیر میں مداخلت کار داخل کر کے مظلوم کشمیریوں پر بھارتی فوج کے مظالم کے دروازے کھولنے پر کسی نے آواز نہ اٹھائی''۔ [1]

اس آپریشن سے تحریک آزادی کشمیر پر حسب ذیل منفی اثرات مرتب ہوئے۔

۱۔ بین الاقوامی سطح پر یہ تاثر ابھرا کہ پاکستان کشمیر کو اپنا حصہ سمجھتا ہے اور اس پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا ہے۔
۲۔ ہندوستان نے کشمیریوں پر مظالم کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔
۳۔ جنگ بندی لائن پر بے جا سختیاں اور پابندیاں عائد ہو گئیں۔ جس سے عوام کی مشکلات میں اضافہ ہوا۔
۴۔ کشمیر دو ملکوں کے درمیان علاقائی تنازعہ سمجھا جانے لگا۔
۵۔ بین الاقوامی سطح پر ہندوستان نے پاکستان کو خوب بدنام کیا۔
۶۔ تحریک آزادی کشمیر کی اصل روح ''حق خودارادیت'' کو دھچکا لگا۔

وہ وقت بھی دیکھا ہے تاریخ کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

گنگا کا اغواء

جموں کشمیر قومی محاذ آزادی کے بھارتی مقبوضہ کشمیر سے تعلق رکھنے والے دو نوجوانوں اشرف قریشی اور ہاشم قریشی (عمریں 16 تا 20 سال) نے 30 جنوری 1971 کو بھارتی مسافر بردار طیارہ گنگا دوران پرواز اغوا کر لیا۔ یہ جہاز سری نگر سے دہلی جا رہا تھا۔ برعظیم پاک و ہند اور کشمیر کی تاریخ میں یہ پہلا جہاز تھا جو اغواء کیا گیا۔ کشمیری ہائی جیکر جہاز کو لاہور لے آئے۔ طیارے کے اغواء کی خبر دنیا بھر میں آناً فاناً پھیل گئی۔ پاکستان اور کشمیری عوام نے ان حریت پسندوں کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ پیپلز پارٹی کے راہنما ذوالفقار علی بھٹو سمیت دیگر راہنماؤں نے بھی حریت پسندوں کے جذبے کی تعریف کی۔ حکومت پاکستان کے اعلیٰ حکام نے حریت پسندوں سے مذاکرت کیے۔ سواریوں کو بحفاظت جہاز سے اتار لیا گیا اور پھر پاکستانی حکام کے اصرار پر 2 فروری کو طیارے کو آگ لگا دی گئی۔ اشرف قریشی طیارے کو آگ لگنے کے سبب بری طرح جھلس گئے۔ آزاد کشمیر کے صدر اور نقلی مجاہد قیوم خان نے ہاشم اور اشرف قریشی کو پیغام بھیجا کہ وہ اگر اپنے آپ کو ''الجاہد فورس'' کے نمائندے ظاہر کریں تو انہیں حکومت آزاد کشمیر

---

[1] ''سویرے سویرے'' روزنامہ جنگ 16 جولائی 2008ء

ہر ممکن مدد فراہم کرے گی لیکن حریت پسندوں نے اس پیش کش کو ٹھکرا کر اپنے آپ کو محاذ آزادی کے مجاہد قرار دیا۔
قیوم خان نے مایوس ہو کر حریت پسندوں کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ ہائی جیکروں اور محاذ آزادی کے
راہنماؤں کا لاہور سمیت پاکستان کے دیگر شہروں اور آزاد کشمیر میں زبردست استقبال کیا گیا۔ ان استقبالی
پروگراموں کی وجہ سے اور عوامی جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے بھارتی حکومت بوکھلا اٹھی۔ اس نے کشمیر کو ہاتھ سے نکلتے
ہوئے دیکھ کر حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ وہ ہائی جیکروں کو گرفتار کرے اور ان پر اغوا کا مقدمہ قائم کرے۔ چنانچہ
یحییٰ خان کی آمرانہ حکومت بھارتی دباؤ میں آکر اسی ڈگر پر چل پڑی۔ ہائی جیکروں اور محاذ آزادی سے تعلق رکھنے
والے سینکڑوں کارکنوں کو سارے پاکستان اور آزاد کشمیر سے چن چن کر گرفتار کرنے کا سلسلہ 15 اپریل کو شروع ہوا۔
پریس آمرانہ نظام کے سبب سخت پابندیوں کا شکار تھا۔ چنانچہ ذرائع ابلاغ میں یکطرفہ طور پر یہ گھناؤنا پراپیگنڈہ شروع
کر دیا گیا کہ گنگا جہاز کے ہائی جیکر بھارتی ایجنٹ ہیں اور انہوں نے پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے جہاز اغوا کیا
ہے۔ حکومت نے ایک یک نفری تحقیقاتی کمیشن کراچی ہائی کورٹ کے ایک جج نور العارفین پر مشتمل ''نور العارفین
کمیشن'' قائم کیا جس نے ابتدائی عبوری رپورٹ پیش کی چنانچہ 15 اپریل 1971 کو باقاعدہ گرفتاریاں شروع
کر دی گئیں جو پورا ایک برس تک جاری رہیں۔ اس دوران سینکڑوں بے گناہ کشمیریوں کو پکڑ پکڑ کر پاکستان اور
آزاد کشمیر کے تشدد خانوں میں بے پناہ اور انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے۔

محاذ رائے شماری اور اس کے عسکری ونگ NLF کے راہنماؤں اور کارکنوں پر ان انسانیت سوز مظالم کی
چیخیں تشدد خانوں کے در و دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر دم توڑتی رہیں۔ پاکستانی پریس نے مکمل طور پر ان حالات سے آنکھیں
بند کر رکھی تھیں۔ چنانچہ محاذ کے وہ کارکن جو گرفتاریوں سے بچ گئے تھے انہوں نے لاہور میں گنگا ہائی جیکنگ ڈیفنس
کمیٹی قائم کر کے بروشر، پمفلٹ اور اشتہارات شائع کرنے شروع کیے تو تشدد خانوں سے باہر دنیا کو ان مظالم کی حقیقت معلوم ہوئی۔

یحییٰ خان نے مقامی اور بین الاقوامی سطح پر اٹھنے والے دباؤ کے نتیجے میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے
جج جسٹس یعقوب علی اور سندھ ہائی کورٹ کے جج عبدالقادر شیخ پر مشتمل دو رکنی خصوصی بنچ تشکیل دیا۔ کئی سو
گرفتار شدگان میں سے چھ افراد اشرف قریشی، ہاشم قریشی، محمد مقبول بٹ، جی ایم لون، میر عبدالقیوم اور میر عبدالمنان
پر مقدمہ قائم ہوا۔ دوسرے سینکڑوں افراد کو بغیر مقدمہ چلائے تفتیشی مراکز اور جیلوں میں بند رکھا گیا۔

پولیس نے محاذ کے ایک سرگرم راہنما ڈاکٹر فاروق حیدر کو بے پناہ تشدد کر کے وعدہ معاف گواہ بنا لیا۔

ڈاکٹر فاروق حیدر نے حریت پسندوں کے خلاف گواہی دی اس گواہی کو مقدمے کی بنیاد بنایا گیا تھا۔

17 مئی 1973 کو خصوصی عدالت نے 407 صفحات پر مشتمل فیصلہ سنایا۔ یحییٰ خان کا آمرانہ دور ختم ہو چکا
تھا۔ پاکستان دو لخت ہو کر بنگلہ دیش اور مغربی پاکستان میں بٹ چکا تھا۔

مقبول بٹ، جی ایم لون، میر عبدالقیوم اور میر عبدالمنان کو باقی تمام الزامات سے بری کر دیا گیا البتہ

انہیں اسلحہ خرید کر مقبوضہ کشمیر بھیجنے کے الزام میں تابر خاست عدالت سزا دی گئی۔ اور اسی روز رہا کر دیا۔ اشرف قریشی کو عظیم آزادی پسند قرار دے کر بری کر دیا گیا۔ البتہ ہاشم قریشی کو 14 سال کی سزا سنائی گئی اور اسے سپریم کورٹ میں اپیل کا حق دیا گیا۔ سات سال بعد سپریم کورٹ میں اپیل کی سماعت کی باری آئی تو سپریم کورٹ نے 1980 میں ہاشم قریشی کو بھی رہا کر دیا۔ 407 صفحات پر مشتمل اس تاریخی فیصلے میں لکھا تھا

"The Tribunal declared that both the Jammu and Kashmir Plebiscite front and the Jammu and Kashmir National Liberation front were patriotic organizations which were working for the liberation of the people of Jammu and Kashmir.

Neither of the two organizations was set up either at the instance of the Indian Intelligence or of the officials of the Indian High Commission nor was any monetary assistance received by the accused from any foreign source"[1]

کشمیر پراپرٹی

جموں کے ڈوگرہ خاندان کا نامور سپوت مہاراجہ گلاب سنگھ اور اس کے دو حقیقی بھائی دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ لاہور دربار کے کرتا دھرتا تھے۔ والی پنجاب رنجیت سنگھ نے ان تینوں بھائیوں کو وفاداری اور اعلیٰ خدمات کے صلے میں نہ صرف ریاست جموں کشمیر میں بلکہ پنجاب میں مختلف مقامات پر جاگیریں عطا کی تھیں۔ ان جاگیروں پر ان کو نسلاً بعد نسلاً حق ملکیت عطا کیا گیا تھا۔ سکھ دربار سے وابستہ ریاست جموں کشمیر کی کچھ دیگر سرکردہ شخصیات کو بھی یہ جاگیریں عطا کی گئی تھیں۔ علاوہ ازیں ان ریاستی باشندوں نے اپنی محنت ومشقت سے بھی پنجاب کے مختلف شہروں میں جائیدادیں اور جاگیریں بنا رکھی تھیں۔ معاہدہ امرتسر کے نتیجے میں جب ریاست جموں کشمیر کا اقتدار اعلیٰ گلاب سنگھ کو تفویض کیا گیا تو چند ہی برس بعد پنجاب کی سکھ سلطنت کا چراغ گل ہو گیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے پنجاب پر بھی اپنا تسلط قائم کر لیا۔ پنجاب پر برطانوی سلطنت کا قبضہ ہو جانے کے بعد تاج برطانیہ نے ریاستی جاگیرداروں اور جائیداد کے مالکوں کا حق ملکیت محفوظ رکھا۔ گلاب سنگھ کی وفات کے بعد جب اس کا بیٹا رنبیر سنگھ برسر اقتدار آیا تو اس نے ایک شاہی فرمان کے ذریعے ایسی تمام جائیدادوں اور جاگیروں کو جو شاہی خاندان کے افراد کے پاس پنجاب کے مختلف شہروں مثلاً امرتسر، لاہور، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، گجرات، جہلم، راولپنڈی وغیرہ میں تھیں ان کو ریاستی ملکیت قرار دے دیا گیا اور ایسے زرعی رقبوں، کاروباری مراکز، عمارتوں اور باغات وغیرہ کی آمدن کا معقول حصہ برطانوی

1. Supreme Court of Paksitan "Judgement of Ganga"

سرکار ریاست جموں کشمیر کے خزانے میں جمع کرواتی تھی۔ ریاست کا محکمہ دھرم ارتھ اس آمدن کا حساب کتاب رکھتا تھا اور یہ آمدن تمام ریاستی مذاہب کی عبادت گاہوں، مندروں، مساجد، اور مدارس وغیرہ نیز رفاہ عامہ کے لیے خرچ کی جاتی تھی۔ سرکاری سطح پر تعینات مسلمان مفتیوں اور آئمہ کو بھی اس رقم سے وظائف دیے جاتے تھے۔ مسلم اور غیر مسلم طلباء کو تعلیمی وظائف بھی اسی آمدن سے دیے جاتے۔ ڈوگرہ عہد حکومت میں کشمیر پراپرٹی کے انتظام وانصرام کے لیے آفیسر اور دیگر عملہ مقرر تھا جنہوں نے دھیان سنگھ کی حویلی واقع لاہور میں اپنا صدر دفتر قائم کیا ہوا تھا۔

1947 میں ریاست جموں کشمیر پر ہندوستان اور پاکستان کی طرف سے مسلح جارحیت کے نتیجے میں جب ریاست تقسیم ہوگئی تو اس کشمیر پراپرٹی کا حق ملکیت حکومت آزاد کشمیر کو تفویض ہوگیا۔ چند سالوں تک یہ انتظام چلتا رہا۔ 1962 میں وزارت امور کشمیر نے ایک خودساختہ نوٹیفکیشن کے ذریعے اس پراپرٹی کو اپنے کنٹرول میں لے لیا اربوں کھربوں روپے کی یہ سٹیٹ پراپرٹی وزارت امور کشمیر کے کنٹرول میں چلی گئی۔ تادم تحریر پراپرٹی حکومت پاکستان کے کنٹرول میں ہے۔ اس جائیداد سے حاصل ہونے والی تمام آمدن پر حکومت پاکستان کو براہ راست کنٹرول حاصل ہے۔ ریاست جموں کشمیر کو اس آمدن سے ایک پائی بھی نہیں مل رہی۔ آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتیں اور ذمہ دار حلقے ہمیشہ کشمیر پراپرٹی کو حکومت آزاد کشمیر کی تحویل میں دینے کا مطالبہ کرتے رہے ہیں لیکن حکومت پاکستان نے اس مطالبے پر کوئی کان نہیں دھرے۔ طویل وقت گزرنے کے بعد اس کشمیر پراپرٹی کا بڑا حصہ وزارت امور کشمیر نے خرد برد کر کے ذاتی جاگیروں میں تبدیل کر دیا ہے۔ ریاستی وسائل پر پاکستان کے جابرانہ تسلط کی یہ انوکھی مثال ہے۔

پاکستان میں کشمیر پراپرٹی کے چند اہم مقامات حسب ذیل ہیں۔

لاہور: ریلوے سٹیشن، لنڈا بازار، انارکلی، ہیرا منڈی، رقبہ چوبرجی، 17 گاؤں نزد واقع میاں میر ٹاؤن

سیالکوٹ: کئی عمارتیں اور مارکیٹیں،

راولپنڈی: راجہ بازار، گنج منڈی، پونچھ ہاؤس

علاوہ ازیں شیخوپورہ، گوجرانوالہ، گجرات اور جہلم میں بھی کشمیر پراپرٹی موجود ہے۔

بوئنگ 737 کا اغواء

10 ستمبر 1976 کو دہلی کے پالم ایئر پورٹ سے بھارتی مسافر بردار طیارہ بوئنگ 737 دوران پرواز ایک حریت پسند مجاہد سید عبدالحمید دیوانی اور اس کے پانچ ساتھیوں عبدالرشید ملک، محمد اسلم راتھر، محمد رفیق، غلام رسول شاہین اور غلام نبی نے اغواء کر لیا۔ یہ حریت پسند فروٹ مرچنٹ کے روپ میں جہاز میں سوار ہوئے تھے۔ پائلٹ اور مسافروں پر قابو پانے کے بعد ان حریت پسندوں نے پائلٹ کو حکم دیا کہ وہ طیارے کو لیبیا لے چلے یا ایران۔ یہ طیارہ بھارتی شہر بمبئی جا رہا تھا لہٰذا ممکن نہیں تھا کہ لیبیا تک پرواز کر سکے۔ جب طیارے کے پائلٹ نے بتایا کہ

طیارہ بمشکل لاہور تک جا سکتا ہے تو مجبوراً طیارے کو لاہور ائیر پورٹ کے رن وے نمبر ۳ پر اتار لیا گیا۔ لاہور ائیر پورٹ پر اترنے کے بعد پاکستانی حکام نے جب اغواء کاروں سے بات چیت کی اور ان کی شناخت اور اغواء کا مقصد جاننا چاہا تو ان حریت پسندوں نے بتایا کہ وہ کشمیری ہیں اور تحریک آزادی کشمیر کو عالمی سطح پر اجاگر کرنے کے لیے انہوں نے طیارہ اغوا کیا ہے انہوں نے اپنے حسب ذیل مطالبات پیش کیے۔

۱۔ بھارت کی قید میں ڈالے گئے ممتاز کشمیری راہنما مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کیا جائے۔

۲۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کشمیر کے حوالے سے منظور کردہ قراردادوں کی فائل لے کر ہمارے پاس آئیں۔

۳۔ اندرا عبداللہ خفیہ سمجھوتہ فی الفور ختم کیا جائے۔

۴۔ کشمیر میں ہنگامی صورت حال ختم کی جائے۔

کئی گھنٹے تک مذاکرات جاری رہے۔ پاکستانی حکام صادق قریشی وزیر اعلیٰ پنجاب، اعتزاز احسن اور شاہ نواز بھٹو نے قرآن پاک پر اغواء کاروں کو حلف دے کر یقین دلایا کہ ان کے ساتھ دھوکہ نہیں کیا جائے گا۔ مذاکرات سنجیدگی اور خلوص نیت سے کیے جائیں گے۔ کشمیری حریت پسندوں کو ہمدردی کا یقین دلا کر جب انہیں کھانا پیش کیا گیا تو اس میں نشہ آور دوا ملی ہوئی تھی۔ کھانا کھاتے ہی یہ حریت پسند بے ہوش ہو گئے چنانچہ پاکستانی حکام نے اغوا کاروں پر قابو پالیا اور طیارے کو بمعہ مسافروں کے بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔ اس طیارے میں راجستھان کے وزیر اعلیٰ گلاب سنگھ اور چار صوبائی وزرا بھی سوار تھے۔ پاکستانی حکام نے گرفتاری کے بعد کشمیری حریت پسندوں کو قید و بند میں ڈال کر نہایت انسانیت سوز مظالم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حکومت پاکستان نے ان حریت پسندوں پر مقدمہ قائم کیا۔ بالآخر قید و بند کی طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد یہ حریت پسند 1979 میں رہا کر دیے گئے۔ حریت پسندوں کے کمانڈر سید عبدالحمید دیوانی نے اپنے مقدمے کی پیروی کرتے ہوئے پاکستان کی عدالت العالیہ میں جو تاریخی بیان دیا وہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اس بیان میں انہوں نے یہ شعر خصوصیت سے پڑھا تھا۔

نشہ پلا کر گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

آپریشن کارگل

آپریشن کارگل پاکستان کی خفیہ ایجنسی ISI اور پاکستانی فوج کا مشترکہ منصوبہ تھا۔ 1997 میں آئی ایس آئی نے BAT کے نام سے کشمیر کی جنگ بندی لائن پر گوریلہ کارروائیوں کا آغاز کیا۔ ان کارروائیوں میں پاکستانی فوج کے گوریلہ کمانڈرز تربیت یافتہ سول جنگجوؤں کے دستوں کی کمان کرتے ہوئے جنگ بندی لائن پر مورچہ زن بھارتی فوج پر حملہ آور ہوتے اور شب خون مارتے۔ وقفے وقفے سے ایسی کارروائیاں ہوتی رہیں جن کے جواب میں بھارتی فوج کی

جنگ بندی لائن پر سول آبادی، جنگجوؤں اور پاکستانی فوج کے خلاف کارروائیاں کرتی رہی۔ ایسی کارروائیوں میں سب سے زیادہ نقصان عوام کے جان و مال اور املاک کو پہنچا۔ ان کارروائیوں میں حصہ لینے والے سول جنگجوؤں کو بھی بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس پر جہادی تنظیموں نے آئی ایس آئی سے سخت احتجاج کیا اور ایسی کارروائیوں میں حصہ لینے سے معذرت کر لی۔ ISI نے ایسی جہادی تنظیموں پر بھارت کا ایجنٹ ہونے کا الزام عائد کیا اور سرکردہ جہادی راہنماؤں کو قید و بند میں ڈال دیا۔ جہادی تنظیموں کے مشترکہ پلیٹ فارم متحدہ جہاد کونسل نے آئی ایس آئی کو ایک تحریری یادداشت ارسال کی اور جہادی کارکنوں پر جبر و تشدد کے خلاف احتجاج کیا۔ ذرائع ابلاغ میں ایسی خبروں کے مشتہر ہونے کے نتیجے میں ISI نے تمام گرفتار کمانڈروں کو رہا کر دیا۔

ISI نے پینترا بدلتے ہوئے متحدہ جہاد کونسل کو مذاکرات کی دعوت دی۔ اتحاد میں شامل تمام عسکری جماعتوں کی ٹاپ لیڈرشپ کو جنوری، فروری 1999ء میں 32 روز تک جنوبی پنجاب کے ایک صحرائی کیمپ میں ذہنی و جسمانی تربیت دی گئی اور انہیں باور کروایا گیا کہ ہندوستان سے کشمیر حاصل کرنے کا یہ آخری موقع ہے لہٰذا اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ پاکستان آرمی کے سینئر جرنیل بھی ان کیمپوں میں آکر کشمیری عسکریت پسندوں سے ملاقاتیں کرتے رہے اور انہیں اپریشن BAT کو کامیابی کی یقین دہانی کرواتے رہے۔

ایک ماہ تک جاری رہنے والے مذاکرات اور تربیتی مراحل میں یہ بات طے پائی کہ پاکستانی فوج جنگ بندی لائن کے کسی بھی سیکٹر سے ہندوستان پر ایک بڑا حملہ کرے گی۔ اس حملے کی ذمہ داری متحدہ جہاد کونسل اور دیگر تمام کشمیری عسکری تنظیمیں اپنے ذمہ لیں گی۔

طے شدہ منصوبے کے مطابق 8 مئی 1999 میں کارگل کے محاذ پر پاکستان آرمی نے جنگ بندی لائن کے قریب بھارتی فوج کی (بوجہ شدید سردی) خالی کردہ چند فوجی چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔ جب بھارتی فوج کو اس کارروائی کا علم ہوا تو انہوں نے جوابی حملہ کر دیا۔ کئی ہفتوں تک زبردست معرکہ آرائی اور خون ریز جھڑپیں ہوئیں جن میں دونوں طرف بے حساب جانی و مالی نقصان ہوا۔ شروع میں پاکستانی ذرائع ابلاغ نے یہ تاثر دیا کہ یہ کارروائی کشمیری عسکریت پسندوں نے کی ہے اور اس کا مقصد کشمیر کو بھارت سے آزاد کروانا ہے۔ متحدہ جہاد کونسل کے سربراہ صلاح الدین اور آل پارٹیز حریت کانفرنس کے وظیفہ خور لیڈروں نے پریس کانفرنسوں کے ذریعے جھوٹ بول بول کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ یہ کارنامہ کشمیری مجاہدین نے سرانجام دیا ہے۔ لیکن جب محاذ جنگ سے ٹرکوں میں بھری ہوئی لاشیں واپس آنے لگیں تو کراچی سے خیبر تک کہرام مچ گیا۔ ساری دنیا کو پتہ چل گیا کہ یہ لاشیں پاکستانی فوجیوں کی ہیں۔ گلگت بلتستان کی مقامی ملیشیا NLI کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا کیونکہ اگلی صفوں میں اسی فورس کو تعینات کیا گیا تھا۔ این ایل آئی کے کئی ہزار نوجوان مارے گئے اور سیکڑوں زخمی اور ناکارہ ہوئے۔ ڈیڑھ ہزار نوجوانوں کی لاشیں ان کے ورثا تک نہ پہنچنے دی گئیں۔ راقم الحروف کو مظفر آباد کے ایک مزدہ ٹرک کے مالک نے بتایا کہ اسے بھی ہزاروں دوسرے ٹرک مالکان کی طرح

زبردستی یہاں سے پکڑ کر کارگل لے جایا گیا جہاں سول ٹرکوں کے ذریعے محاذ جنگ پر اسلحہ اور ضروری ساز وسامان پہنچایا جا رہا تھا اور وہاں اگلے مورچوں سے ٹرکوں میں لاشیں اس طرح بھر کر لائی جا رہی تھیں جس طرح جنگل سے لکڑیاں لوڈ کر کے لائی جاتی ہیں۔ یہ لاشیں ایک فوجی کیمپ میں اتاری جاتی تھیں۔ جہاں ان کی شناخت کی جاتی اور پھر انہیں ٹھکانے لگایا جاتا"۔

کئی ہفتوں کے کشت وخون کے بعد بالآخر امریکہ اور عالمی طاقتوں کے دباؤ کے نتیجے میں جنگ بندی عمل میں آئی۔ ہندوستان نے اپنے مفتوحہ مورچے واپس لے لیے اور فوجیں "جوں کی توں" پوزیشن پر واپس آ گئیں۔ آپریشن جبرالٹر کی طرح آپریشن کارگل بھی پاکستان کے فوجی افسروں کی ایک احمقانہ حرکت تھی اس سے ایک طرف پاکستان کی ساکھ اور سالمیت کو زبردست دھچکا لگا اور دوسری طرف کشمیر کی تحریک آزادی کو نقصان پہنچا۔ آپریشن کارگل کے حسب ذیل نتائج وثمرات سامنے آئے۔

۱۔ فروری 1999 میں لاہور میں بھارتی وزیراعظم مسٹر اٹل بہاری واجپائی اور وزیراعظم پاکستان مسٹر نواز شریف کے مابین اعتماد سازی اور دوستانہ تعلقات کو پروان چڑھانے کے لیے اعلان لاہور کے نام سے جو معاہدہ ہوا وہ سبوتاژ ہوا اور ہندوستانی قیادت نے اس امر کا اظہار کیا کہ ایک طرف ہم سے دوستی کا ہاتھ ملایا جا رہا ہے اور دوسری طرف ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپا جا رہا ہے۔ یہ کیسی منافقانہ پالیسی ہے۔ یوں پاکستان کی دوہری پالیسی بے نقاب ہوگئی اور پاکستان مخالف عناصر نے پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دیے جانے کی مہم تیز کر دی۔

۲۔ کارگل اپریشن کے نتیجے میں پاکستان ساری دنیا میں تنقید کا نشانہ بنا جبکہ بھارت کو غیر مشروط حمایت اور ہمدردی ملی۔ اس سے تحریک آزادی کشمیر کی ساکھ بری طرح متاثر ہوئی۔

۳۔ کارگل اپریشن کے نتیجے میں بھارتی مقبوضہ کشمیر میں برسرپیکار آزادی پسند کشمیریوں کی صفوں میں سخت مایوسی پھیل گئی۔ کلنٹن، واجپائی اور نواز شریف کے پتلے نذر آتش کیے گئے۔ کشمیری ایک بار پھر محسوس کرنے لگے کہ پاکستان کی حماقتوں بھری کشمیری پالیسی نے ان کی منزل غارت کر دی ہے۔ کشمیر کی مکمل آزادی اور خودمختاری کے حامی تو کھل کر پاکستان کی منافقانہ پالیسی کو حدف تنقید بنانے لگے۔ اور الحاق پاکستان کے حامی عناصر بھی سخت مایوسی اور صدمے سے دوچار ہوئے۔

۴۔ کشمیر کی تحریک آزادی کے لیے برسرپیکار سیاسی وعسکری تنظیموں کو عالمی سطح پر سخت تنقید اور دباؤ کا نشانہ بنایا گیا۔ اور یہ تاثر ابھر کر سامنے آیا کہ بظاہر آزادی کشمیر کا ڈھنڈورا پیٹنے والے یہ عناصر درحقیقت پاکستانی فوج اور ایجنسیوں کے وظیفہ خور اور ٹاؤٹ ہیں جن کی اپنی کوئی سوچ اور پروگرام نہیں۔ یہ محض "چوری کھانے والے میاں مٹھو" یا "کرائے کے قاتل" ہیں۔

۵۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے پاک بھارت وزراء اعظم کو ایک خط لکھا جس میں انہیں جنگ سے بچنے اور اعتماد سازی کے عمل کو جاری رکھنے کی ہدایت کی نیز پاکستانی فوج کی اس کارروائی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کو ایسے اقدامات سے باز رہنے کی ہدایت کی۔

۶۔ کارگل آپریشن کے نتیجے میں پاکستان آرمی کے خلاف بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں Rogue Army (بدمعاش فوج) کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ اس فوج کے لیے باغی، خودسر، منحرف، بدکردار اور بدقماش کے لفظ بھی استعمال کیے گئے۔

باب نہم

جموں کشمیر، چند عظیم شخصیات

1	للتہ دتیہ
2	پنڈت کلہن
3	سلطان شہاب الدین
4	سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ
5	شیخ نورالدین ولیؒ
6	سید علی ہمدانیؒ
7	غنی کاشمیریؒ
8	میاں محمد بخشؒ
9	علامہ انور شاہ کاشمیریؒ
10	منشی محمد دین فوق
11	عبدالاحد آزاد
12	راجہ اکبر خان
13	کے ایچ خورشیدؒ
14	مقبول بٹ شہیدؒ
15	کرنل مرزا حسن خان
16	رانی جیشومتی
17	کوٹہ رانی
18	للہ عارفہ
19	حبہ خاتون
20	ارنی مال

1.... للتادتیہ (695 تا 732)

تاریخ کشمیر کے ہندو راجاؤں کے عہد میں للتہ دتیہ کو سب سے زیادہ شہرت وعظمت حاصل ہے۔ للتادتیہ کو مکتا پیڈ بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے 37 برس تک سلطنتِ کشمیر پر حکومت کی اور آس پاس کی سلطنتوں پر اپنی ہیبت وحکمرانی کے جھنڈے لہرائے۔ وہ بہادری، فہم وفراست اور انتظامی صلاحیتوں کے اعتبار سے یکتائے روزگار تھا۔ اُس نے تخت پر بیٹھتے ہی سابقہ حکمرانوں کی پھیلائی ہوئی خرابیوں اور بدنظمیوں کا قلع قمع کر دیا اور مملکت کشمیر میں امن وامان، خوشحالی، علم وہنر اور تعمیر وترقی کا عظیم انقلاب برپا کیا۔ اس نے نئے شہر اور نئی بستیاں آباد کیں، رعایا کی جان و مال اور عزت وآبرو کو تحفظ فراہم کرنے کا ہر ممکن بندوبست کیا۔ اس نے زراعت کی طرف بطور خاص توجہ دی۔ زمینوں کو قابلِ کاشت بنانے کے لیے رعایا کو سہولتیں فراہم کیں، کنویں، نہریں اور بند تعمیر کروائے۔ گھریلو صنعتوں اور تجارت کو فروغ دیا۔ ملکی نظم ونسق کے لیے اس نے نئے محکمے قائم کیے۔ حاجبِ اعلیٰ (ڈیوڑھی آفیسر) وزیر خارجہ، داروغہ اصطبل، مہتمم خزانہ، مہتمم تعمیرات اور کوتوال اعلیٰ کے عہدے قائم کیے۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں ''للتادتیہ تعمیرات کا بڑا شائق اور ماہر تھا۔ وہ جہاں بھی گیا اس نے قصبے اور شہر آباد کیے۔ مختلف دیوی، دیوتاؤں سے منسوب مندر تعمیر کروائے۔ اپنی مہم کے کامیاب اختتام پر وہ یا تو نئے شہروں کا سنگ بنیاد رکھتا یا مندر بنواتا۔ وہ عقیدے کے لحاظ سے شو بھگت تھا مگر بدھ مت کے لیے بھی اس کے دل میں ویسا ہی احترام موجود تھا''[1]

ملکی نظم ونسق کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے بعد وہ جہانگیری وجہاں بانی کی طرف متوجہ ہوا۔ مورخ کشمیر ڈاکٹر جی ایم ڈی صوفی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "Kasheer" میں للتادتیہ کو تاریخ کشمیر کا سب سے عظیم حکمران لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں

''وہ اپنے ملک کو عروج کی اتنی بلندیوں پر لے گیا جہاں یہ پہلے کبھی نہیں پہنچ سکا تھا۔ آج بھی اننت ناگ (اسلام آباد) سے پانچ میل دور مارتنڈ کے مندر اور سرینگر سے چودہ میل کے فاصلے پر اس کے بنائے ہوئے شہر ''پری ہاس پورہ'' کے کھنڈر اس کی عظمت رفتہ کی شہادت دے رہے ہیں۔''[2]

1۔ تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر صفحہ 38

2۔ کشیر جلد اول ص 52

پنڈت پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں'' جب ملک دیر پا نظم ونسق کی بدولت خاصا خوشحال اور ترقی یافتہ ہو گیا تو للتا دتیہ نے ایک لشکر جرار تیار کیا اور اسے بیرون کشمیر جنگیں لڑنے کے لیے خوب تربیت یافتہ کر کے ایک لمبی مہم پر روانہ ہو گیا۔ 720ء میں اس نے شمال مشرقی اور وسطی ہند پر حملہ کیا، کئی والیان ملک مطیع کر لیے۔ ان میں کانیہ کبجہ (قنوج) کا راجہ یشووھرمن بھی تھا۔ دوسرے مشرقی راجاؤں سے خراج وصول کیا اور ''انتر ویدی'' یعنی گنگا اور جمنا کے درمیانی علاقے میں اپنی فتوحات کی یاد میں رسم دستار بندی پوری کی۔ جمنا کے کناروں سے لے کر کالکہ کے کناروں تک قنوج کا جتنا علاقہ تھا اس نے اپنی علمداری میں اس طرح شامل کر لیا گویا یہ اس کے محل سرا کے آگے کوئی صحن ہو۔ تھوڑے عرصہ بعد وہ گوڈوں کی مملکت (بنگال) پر حملہ آور ہوا اور وہاں کے سارے ہاتھی پکڑ کر لے گیا۔ جزیرہ نمائے ہند کے جنوبی علاقوں کو بھی اس نے یکے بعد دیگرے فتح کر لیا۔ اُن میں سات ''کونکن'' اور مغربی سمت کے علاقے بھی شامل تھے۔ سارے بھارت ورش کو اپنے جھنڈے تلے لانے کے بعد للتا دتیہ نے شمال مغربی سرحدات کشمیر پر واقع ماورائے ہند کے خطوں کا رخ کیا اور بہت جلدی پرش پور (پشاور) ٹیکسلا اور گندھار (قندھار) کو ایک دوسرے کے بعد فتح کر لیا۔ پھر وہ اس کے بھی آگے یعنی بخارا اور ترکستان تک جا پہنچا۔ جہاں اس نے چھوٹے اور بڑے والیان ملک کو شکست دی اور واپسی پر شمالی راستے دردستان (موجودہ گلگت) اور بلتستان کے راجاؤں کو مطیع کرتا ہوا کشمیر پہنچا۔ اس کے بعد کشمیر کے دوسرے ہمسایہ علاقے مثلاً جموں ''کاشت وات'' (کشتواڑ) ''پرنوت سا'' (پونچھ) اور راجا پوری (راجوری) کو للتا دتیہ نے اپنی سلطنت کے ساتھ شامل کر لیا اور باقی کئی ممالک سے صرف اپنی بالا دستی کے اقرار پر اکتفا کر لیا۔ للتا دتیہ صرف ایک عظیم اور نیک دل حکمران ہی نہ تھا بلکہ اس میں ایک زیرک اور فیاض فاتح کے اوصاف بھی تھے۔ عموماً اس نے مفتوح حکمرانوں سے شفقت کا سلوک کیا۔ سرکشی یا نمک حرامی کے جرم کے سوا اس نے انہیں کبھی ذلیل وخوار کرنے کی کوشش نہیں کی''[1]

اسد اللہ قریشی اپنے مضمون ''کشمیر بہادروں اور مجاہدوں کی سرزمین'' میں لکھتے ہیں۔

''للتا دتیہ کی فوجوں کی جواں مردی، شجاعت اور دبدبے نے ان سارے علاقوں میں اپنی طاقت وشجاعت کا لوہا منوایا اور تمام وسط ایشیا میں افواج کشمیر کی دھاک بیٹھ گئی اور بادشاہ اپنے ہمراہ بے پناہ دولت کشمیر لایا۔ گیارہ کروڑ دینار رعایا میں خیرات کے طور پر بانٹ دیئے گئے۔ اس کی فوج 60 ہزار سواروں اور 50 ہزار

---

1. تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر ص 36

پیادوں پر مشتمل تھی۔ پنڈت کلہن کے بقول اس کی فوج میں جنگی ہاتھیوں کی بھی بڑی تعداد موجود تھی۔[1]
پنڈت کلہن نے اپنی تصنیف راج ترنگنی میں للتا دتیہ کا تذکرہ نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے
''یہ راجہ جس کی فتوحات دور دور تک پھیل گئی تھیں اپنے جوش کو صرف اُسی وقت مدھم کرتا تھا جب مخالف راجہ اس کے فاتحانہ حملے کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ یورش کے وقت اس کے نقاروں کی آواز سے خوف زدہ باشندے اپنے مکانات کو چھوڑ کر اس طرح بھاگ جاتے تھے جس طرح عورتوں کے رحم سے ان کا حمل گر جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ یہ راجہ جو فتوحات کا خواہشمند تھا اپنا وقت زیادہ تر دشمنوں پر حملہ کرنے میں ہی گزارتا تھا''[2]

مورخین نے لکھا ہے کہ للتا دتیہ ساری دنیا کو فتح کرنے کی غرض سے بہت دور دراز کی سلطنتوں تک جا پہنچا جہاں تک اس سے پہلے کوئی فاتح نہیں پہنچ سکا تھا۔ ان مہمات کے دوران اس کے نائب امور مملکت کو اس کی دی ہوئی ہدایات کے عین مطابق چلاتے رہے اور اس کی غیر موجودگی میں نظام حکومت بطریق احسن چلتا رہا۔ اس کا سہرا اُس کے قابل اعتماد وزیر خاص ''چنکن'' کے سر تھا جس نے کمال حکمت سے یا جادو کی طاقت سے خزانہ اس قدر بھر دیا تھا کہ ہر طرف آسودگی اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ رعایا خوشحال اور مطمئن تھی۔ وہ اپنے بادشاہ کو دل و جان سے زیادہ عزیز سمجھنے لگی۔ بادشاہ علم و ہنر کا بڑا قدر دان تھا۔ جن علاقوں میں اس نے فتوحات حاصل کیں ان علاقوں اور مملکتوں سے وہ عالموں، فاضلوں، ہنرمندوں اور کاریگروں کو اپنے ہمراہ کشمیر لے آتا اور ان کے علم و فن سے استفادہ کرتا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام تک للتا دتیہ نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب وہ مسلسل کئی برس تک بیرونی مہمات میں مصروف رہا اور وطن واپس آنے کی اُسے فرصت نہ ملی تو اس کے نائبین نے ایک قاصد بادشاہ کی طرف اس غرض سے بھیجا کہ بادشاہ کو واپس آنے کی دعوت دی جائے تو بادشاہ نے اس قاصد کے ہاتھ جو نصیحت نامہ لکھ کر بھیجا اس کے مندرجات پنڈت کلہن نے تفصیلاً راج ترنگنی میں لکھے ہیں۔ چند حسب ذیل ہیں۔
''یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جب میں اس ملک میں پہنچ آیا ہوں تو تمہارے جیسے لوگ میرے جلد واپس آنے کے خواہش مند ہیں۔ تمہیں میرے لیے اور کونسا کام نظر آتا ہے جو میں اپنی سلطنت میں واپس آ کر کروں اور ہر روز نت نئی فتوحات حاصل کرنے کے کام سے دست بردار ہو جاؤں۔ دریاؤں کا انتہائی مقام جو اپنے مقام ابتداء کو چھوڑ کر چلتے ہیں، سمندر ہے۔ لیکن جو حقیقی فاتح بننا چاہیں ان کی منزل کہیں ختم

1۔ ادبی دنیا کشمیر نمبر ص 161
2۔ راج ترنگنی، اردو ترجمہ ص 11-310

نہیں ہوتی۔ اس لیے میں اپنے ملک کی حکومت کے متعلق تمہیں تمام اصول خلاصتاً لکھتا ہوں۔ اگر تم ان پر عمل کرو گے تو بغیر کسی رکاوٹ کے سلطنت کا کاروبار چلا سکو گے اور تم سے کوئی خطا سرزد نہ ہوگی''

''جو لوگ اس ملک میں طاقتور بننا چاہیں انہیں اندرونی فسادات سے محفوظ رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔۔۔''

''جو لوگ ایسے پہاڑوں میں رہتے ہیں جن تک رسائی حاصل کرنا مشکل ہے خواہ وہ کچھ بھی قصور نہ کریں تا ہم انہیں سزا دیتے رہنا چاہیے کیونکہ اپنے قلعوں میں محفوظ ہونے کے باعث ان کے جتھے کو اس وقت توڑنا مشکل ہوگا جب وہ دولت جمع کر لیں گے''

''جب دیہاتی لوگ کپڑے، عورتیں، اونی کمبل، اشیائے خوردنی، زیورات، گھوڑے اور مکانات اس قسم کے حاصل کر لیں جیسے شہر والوں کے لائق ہوتے ہیں۔ جب راجہ دیوانہ پن کی حالت میں ان مضبوط مکانات سے غافل ہوجائے جن کی نگرانی ضروری ہے۔ جب نوکر بے سمجھی اور عاقبت نااندیشی کے آثار ظاہر کرنے لگیں۔ جب خاص فوجیں ایک ہی علاقے سے بھرتی کی جائیں۔ جب مختلف سرکاری افسروں میں ایک دوسرے سے شادی کے تعلقات قائم ہوں۔ جب راجہ خود محرروں کی طرح دفاتر کی نگرانی کرے تو اس وقت جان لینا چاہیے کہ رعایا کی بدقسمتی کے آثار نمودار ہو رہے ہیں''

''جیاپیڈ کو جو میرے پوتوں میں سب سے چھوٹا ہے اور ابھی بچہ ہی ہے، ہمیشہ کہتے رہنا کہ وہ اپنے دادا کی مانند بنے''[1]

بادشاہ کی نصیحت لے کر جب قاصد واپس آیا تو بادشاہ کے وزیر خاص چنکن نے تمام رعایا کو جمع کر کے یہ وصیت نامہ درد بھرے انداز میں سنایا تو رعایا آہ و بکا کرنے لگی اور لوگ سمجھ گئے کہ اب ہمارا محبوب بادشاہ شاید ہمیں نہ مل سکے۔ چنانچہ راجہ کے بڑے بیٹے کولیہ دتیہ کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ یہ نصیحت بھی بادشاہ کے نصیحت نامے میں شامل تھی۔

مورخین نے للتادتیہ کی وفات کے متعلق مختلف روایات بیان کی ہیں۔ زیادہ تر مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ ملک آریانک (تبت یا فارس) کی فتح سے واپس لوٹتے ہوئے راستے میں برف باری کے باعث اس عظیم فاتح حکمران کی افواج برفانی طوفان میں پھنس کر تباہ ہوگئیں۔ بادشاہ بھی اسی طوفان میں ہلاک ہوگیا۔

* للتادتیہ کے تخت نشین ہونے سے لے کر اس کے بیٹے کولیہ دتیہ کے تخت نشین ہونے تک 36 سال

[1] راج ترنگنی، اردو ترجمہ ص 47-343

7 ماہ اور 11 دن کا عرصہ بنتا ہے۔ تاریخ کشمیر میں اس عہد کو خاص مقام حاصل ہے۔ اس عہد کا علمبردار اپنی مملکت کی سرحدوں کو پھیلاتے ہوئے اور اپنی جرات و بہادری کے جھنڈے دور دور تک گاڑتے ہوئے بظاہر طوفان بادوباراں کی نذر ہو گیا لیکن درحقیقت رہتی دنیا تک کشمیری قوم کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا۔ آج بھی صدیاں گزر جانے کے باوجود اس عظیم حکمران کے عہد حکومت کو یاد کرتے ہوئے کشمیری قوم بلا تفریق اسے خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔

گیارھویں صدی عیسوی میں کشمیر آنے والے مؤرخ البیرونی نے لکھا ہے کہ ''اس زمانے کے کشمیری لوگ للتادتیہ کی فتوحات کی یاد میں ہر سال تہوار کے طور پر ایک خاص دن مناتے ہیں''۔

****

2..... پنڈت کلہن

پنڈت کلہن کا شمار کشمیر کے اولین اور نامور مؤرخین میں سرفہرست آتا ہے۔ اُس کے آباؤ اجداد کشمیر کے شاہی دربار میں اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ کلہن 12 ویں صدی عیسوی کے اوائل میں للتادتیہ کے آباد کردہ شہر پری ہاس پور میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام چنپک تھا جو والیء کشمیر راجہ ہرش (1089ء۔ 1101ء) کا دوار پتی، یعنی درّوں کا محافظ وزیر تھا۔ چن پک کا بڑا بھائی کنک تھا جو نامور موسیقار تھا۔ راجہ ہرش فنِ موسیقی میں کنک کا شاگرد تھا۔ پنڈت کلہن ہمہ جہت شخصیت کا مالک تھا۔ اُسے علم و ادب، شاعری، موسیقی اور حکمت سے گہرا لگاؤ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے ان علوم وفنون میں گہری دسترس حاصل کی اور شہرت وعظمت کی بلندیوں تک جا پہنچا۔ وہ بیک وقت مؤرخ، محقق، شاعر، حکیم، مدبّر اور دانشور تھا۔ وہ ایک محب وطن قلم کار تھا۔ اُس نے ''راج ترنگنی'' کے عنوان سے سنسکرت زبان میں منظوم تاریخ لکھ کر گراں قدر خدمت سرانجام دی۔ سنسکرت کے عالموں اور مؤرخوں میں کلہن کو جو بلند پایہ مقام حاصل ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ کلہن نے ہندؤوں میں تاریخ نویسی کی روایت قائم کی۔ یہی وجہ ہے کہ اُسے ''ابوالمورخین'' کا خطاب دیا گیا ہے۔ کلہن برھمن پنڈت ذات تھا لیکن عقیدے کے اعتبار سے شیومت کا پیروکار تھا۔ اس نے شیو اور بدھ کا ذکر یکساں احترام سے کیا ہے جس سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ انتہا پسندی کے بجائے مذہبی رواداری کا قائل تھا۔ کلہن کا مطالعہ اور مشاہدہ بہت وسیع تھا۔ اس نے کشمیر کے قدیم جغرافیہ کے حوالے سے جو معلومات فراہم کی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کشمیر کا کونہ کونہ چھان کر اس نے معلومات کا وسیع ذخیرہ جمع کیا تھا۔ چونکہ وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا اس لیے اس نے اپنی تصنیف راج ترنگنی میں تشبیہات،

استعارات کا برمحل استعمال کیا ہے۔

راج ترنگنی سرزمین کشمیر کی قدیم ترین اور نہایت مستند تاریخ ہے۔ اس کتاب کو پنڈت کلہن نے سنسکرت زبان میں منظوم انداز میں والیء کشمیر راجہ جے سنگھ کے عہد حکومت میں 1148ء میں لکھنا شروع کیا اور دو برس کے عرصے میں یعنی 1150ء میں مکمل کر لیا۔ راج ترنگنی سے قبل اگرچہ کشمیر میں تاریخ نویسی کی روایت پہلے سے موجود تھی اور کلہن کے چند پیش رو مؤرخین اس فن میں طبع آزمائی کر چکے تھے لیکن تاریخ میں پنڈت کلہن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے جس جذبے اور محنت و لگن سے تاریخ نویسی کی روایت ڈالی اس سے وہ فن تاریخ نویسی میں بام عروج پر متمکن ہوا۔ اُس کی مستند اور جامع تاریخ کو کشمیر اور برعظیم ہند میں تاریخ کا اوّلین ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف ایک ہندو مؤرخ منشی نے اپنی تصنیف ''دی کلاسیکل ایج'' میں یوں کیا ہے ''ہندوستان قدیم کی تمام حکومتوں پر یہ فخر صرف کشمیر کو حاصل ہے کہ قدیم ترین ایام کی ایک کتبی تاریخ اس کے پاس موجود ہے ''ڈاکٹر رادھا کرشن اپنی تصنیف ''انڈین فلاسفی'' میں رقمطراز ہیں'' جہاں بھارت کو اپنے ماضی کی تاریخ کا کھوج لگانے کے لئے رامائن اور مہابھارت کا سہارا لینا پڑتا ہے، کشمیر ایک ایسا خطہ ہے جسے اپنی ہزاروں سالہ تاریخ پر محیط ریکارڈ شدہ تاریخ پر فخر کرنا چاہیے۔'''' ڈسکوری آف انڈیا'' کے مولف کی رائے ہے۔ ''یونانیوں، چینیوں اور عربوں کے برعکس ہندو تاریخ نویس نہیں تھے۔ اور تنہا کتاب جسے تاریخ سمجھنا چاہیے ''راج ترنگنی'' ہے''۔ راج ترنگنی جن قلمی کتبوں اور ماخذ کی مدد سے لکھی گئی ہے ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سورت نامی شاعر کی ایک طویل نظم جس میں قدیم شعراء کے کلام کے نمونے تھے۔

۲۔ کھیم اندر کی تصنیف ''نرپاولی'' ۳۔ پنڈت ہیلا راج کی ''پارتھی داولی''

۴۔ ''نیل مت پران'' ۵ ۔ راج ترنگنی سے قبل گیارہ مصنفین و شعراء کی لکھی گئی چیدہ چیدہ تصانیف۔

ان ماخذوں کے علاوہ کلہن نے پتھر کے کتبوں، قدیم سکوں اور مخطوطات وغیرہ سے استفادہ کرتے ہوئے تاریخی واقعات اور حالات کو قلم بند کیا۔ راج ترنگنی کا آغاز والیء کشمیر گونند اوّل (3121 قبل مسیح) کے عہد حکومت سے ہوتا ہے اور 1150ء میں راجہ جے سنگھ کے عہد حکومت پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ راج ترنگنی آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ فاضل مصنف نے باب کو ترنگ کا نام دیا ہے۔ راج ترنگنی کا طرز تحریر زیادہ تر رامائن اور مہابھارت سے ملتا جلتا ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ راج ترنگنی خالص سنسکرت زبان میں ایک طویل نظم کے قالب میں لکھی گئی ہے۔ یہ آٹھ ترنگوں (حصوں) پر مشتمل ہے۔ جن میں کل 7926 شلوک (اشعار) لکھے گئے ہیں۔

پہلی ترنگ	373 شلوک	دوسری ترنگ	171 شلوک
تیسری ترنگ	530 شلوک	چوتھی ترنگ	720 شلوک

پانچویں ترنگ	483 شلوک	چھٹی ترنگ	368 شلوک
ساتویں ترنگ	1732 شلوک	آٹھویں ترنگ	3449 شلوک

آٹھویں ترنگ سب سے طویل ہے۔ یہ راجہ اوچل (11-1110ء) کے عہد حکومت سے شروع ہو کر جے سنگھ کے عہد حکومت تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس حصے کے بہت سے حالات وواقعات فاضل مصنف کے چشم دید ہیں۔ پہلی تین ترنگوں میں کوئی تاریخ نہیں دی گئی۔ چوتھی ترنگ کے شلوک نمبر 703 میں پہلی بار اس نے سن کا ذکر کیا ہے اور وہ 3889 لوکک سمت ہے جو کہ 14-813 عیسوی بنتا ہے۔ اس کے بعد کے تمام حالات وواقعات اس نے کسی نہ کسی حد تک سن وار لکھے ہیں۔

۱۔ راج ترنگنی کا سنسکرت زبان سے کسی دوسری زبان میں پہلا ترجمہ سلطان زین العابدین بڈشاہ کے درباری عالم، شاعر اور مورخ ملاّ احمد کشمیری نے ''وقائع کشمیر'' کے عنوان سے فارسی زبان میں کیا۔ یہ ترجمہ بڈشاہ کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔

۲۔ راج ترنگنی کا دوسرا فارسی ترجمہ مغل شہنشاہ اکبر کی فرمائش پر کیا گیا۔ 1586ء میں کشمیر پر قبضہ کے بعد جب اکبر پہلی بار کشمیر آیا تو اسے کشمیر کے علمی و ادبی لٹریچر کے بارے معلومات حاصل ہوئیں تو ان نے ''راج ترنگنی'' میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے فارسی ترجمہ کا حکم صادر کیا چنانچہ ملا شاہ محمد شاہ آبادی نے 998ھ میں اس کا فارسی ترجمہ کیا لیکن کسی وجہ سے بادشاہ کو پسند نہ آیا تو بادشاہ نے ایک اور عالم ملا عبدالقادر بدایونی کو اس کا ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ 999ھ میں علامہ موصوف نے شاہ محمد شاہ آبادی کے ترجمے پر نظر ثانی کرتے ہوئے نیا نسخہ تیار کیا۔

۳۔ کلکتہ سنسکرت کالج کے پروفیسر نامور فرانسیسی عالم اور محقق مسٹر اے ٹرائر (M.A. Troyer) نے راج ترنگنی کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ "Radjatarangini historie des rois du kachmir" کے عنوان سے کیا جو پیرس سے 1852ء میں شائع ہوا۔ یہ صرف چھ ترنگوں کا ترجمہ ہے اور اس میں بہت سی غلطیاں ہیں۔

۴۔ اے ٹرائر کے فرانسیسی ترجمے کو سامنے رکھتے ہوئے ایک انگریز عالم ڈاکٹر ولسن (Doctor. S.S. Wilson) نے اسے انگریزی قالب میں ڈھالا۔

۵۔ پنڈت جوگیش چندر دت نے راج ترنگنی کا انگریزی ترجمہ 1887ء میں تین جلدوں میں شائع کیا۔

۶۔ پنڈت پرشاد نے 1892ء میں راج ترنگنی کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔

۷۔ ڈاکٹر ایم۔اے۔ سٹائن (Mark Aurel Stain) نے 1892ء میں راج ترنگنی کا سنسکرت ایڈیشن شائع کیا اور بعد ازاں انہوں نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا۔ مشکل اور دقیق الفاظ کی تشریح کی اور

نہایت معلومات افزا حواشی لکھے۔ یہ ایڈیشن 1900ء میں ویسٹ منسٹر لندن سے دوجلدوں میں شائع ہوا۔

۸۔ راج ترنگنی کا اردو ترجمہ سنسکرت کے نامور عالم اور مؤرخ ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ نے اصل سنسکرت متن کو سامنے رکھتے ہوئے ایم۔ اے۔ سٹائن کے انگریزی ترجمہ اور شرح سے استفادہ کرتے ہوئے 1912ء میں دوجلدوں میں لاہور سے شائع کیا۔ فاضل مترجم نے فٹ نوٹس، حواشی اور ضمیمہ جات مرتب کرنے میں بڑی عرق ریزی اور محنتِ شاقہ سے کام لیا ہے۔

۹۔ راج ترنگنی کا ایک اور جامع انگریزی ترجمہ مختصر حواشی کے ساتھ کشمیر محقق و مصنف آر۔ ایس پنڈت نے 1934ء میں دہلی سے شائع کیا۔ اس ایڈیشن کا پیش لفظ پنڈت جواہر لعل نہرو نے ڈیرہ دون جیل سے جون 1934ء میں لکھا۔

۱۰۔ راج ترنگنی کا ایک اور انگریزی ترجمہ رنجیت سیتارام نے 1935ء میں الہ آباد سے شائع کیا۔

۱۱۔ ایک سنسکرت عالم رام تیج شاستری نے 1960ء میں راج ترنگنی کا ہندی ترجمہ بنارس سے شائع کیا۔

۱۲۔ مظفر آباد سے تعلق رکھنے والے نامور محقق، مصنف، شاعر، ادیب پروفیسر ڈاکٹر صابر آفاقی نے ملا شاہ محمد کے فارسی ترجمہ کو سامنے رکھتے ہوئے اصل سنسکرت متن سے موازنہ کرتے ہوئے راج ترنگنی کا فارسی ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ 1392ھ میں مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان کے زیر اہتمام 1394ھ (1974ء) میں شائع ہوا۔ یہ پروفیسر موصوف کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ کا موضوع تھا۔

مذکورہ بالا تراجم کے علاوہ بھی راج ترنگنی کے بہت سے ترجمے شائع ہوئے۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس شہرہ آفاق تصنیف کو کس قدر مقبولیت اور شہرت حاصل ہے۔ مؤرخ کشمیر ڈاکٹر جی ایم ڈی صوفی نے راج ترنگنی کو ''شاہ نامہ کشمیر'' کا نام دیا ہے۔ راج ترنگنی سنسکرت زبان کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں ''بادشاہوں کے قصے''۔

کلہن کی راج ترنگنی تاریخی سرگزشت ہے۔ اس میں حکمرانوں کے حالات زندگی، شادی بیاہ کے رسم و رواج، امرا کی سازشیں، جنگ و جدل، فتنہ و فسادات، قتل و غارت، فتوحات، عسکری جاہ و جلال، جاگیرداری، تعمیر و ترقی اور قحط و قدرتی آفات ایسے سبھی موضوعات شامل ہیں۔ الغرض کشمیریوں کے سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تہذیبی و ثقافتی سبھی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ راج ترنگنی کا آٹھواں یعنی آخری باب خصوصی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس باب میں کلہن نے اپنے آنکھوں دیکھے واقعات قلم بند کیے ہیں۔ سری کنٹھ کول لکھتے ہیں:

''راج ترنگنی نہ صرف بادشاہوں کی ایک سرگزشت ہے بلکہ یہ ایک شاعر کا کلام بھی ہے۔ مصنف کے شاعرانہ انداز بیان کی چھاپ جگہ جگہ ملتی ہے۔ سنسکرت کے النکار شاستر یعنی علم بلاغت میں ماہر ہونے کی

وجہ سے طرز تحریر میں آراستگی آئی ہے۔اس کی زبان نہ رامائن مہابھارت کی طرح سلیس ہے اور نہ بعد کے نیشہ چرت وغیرہ کی طرح کٹھن ہے۔استعارہ اور تشبیہ سے جگہ جگہ کلام لبریز ہے۔جس سے کلہن کے اشلوک مقالوں کی سی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔دنیا کی ناپائیداری اور مقدر کی ناموافقت پر اشعار جگہ جگہ ملتے ہیں۔ساری نظم میں کلہن نے شانت رس ہی کو سمویا ہے۔اصطلاحی الفاظ کے استعمال ہونے سے کہیں کہیں معنی ٹھیک طور پر سمجھ میں نہیں آتے''۔[1]

پنڈت کلہن نے راج ترنگنی کے علاوہ بھی کچھ کتب لکھی تھیں جو ناپید ہو چکی ہیں۔ایک کتاب نیل مت گرنتھ شاید بھارتی مقبوضہ کشمیر میں کسی کتب خانے میں موجود ہے۔راج ترنگنی کا ٹھاکر اچھر چند کا اردو ترجمہ حال ہی میں ادارہ نکس میرپور نے دیدہ زیب انداز میں شائع کیا ہے۔

****

3..... سلطان شہاب الدین (1354ء تا1373ء)

سلطان شہاب الدین کشمیر میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھنے والے شاہ میری خاندان کا چشم و چراغ تھا۔اس کا اصل نام **شیراشمک** تھا۔وہ اپنے حکمران باپ سلطان علاؤ الدین کی وفات کے بعد 1354ء (760ء) میں شہاب الدین کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔اور 19 برس تک نہایت تدبر وحکمت اور جاہ وجلال سے حکومت کی۔سلاطین کشمیر میں شہاب الدین کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔اس کا اقرار تمام مسلم وغیر مسلم مورخین نے کیا ہے۔مورخ جونراج نے لکھا ہے،

''ماضی، حال اور مستقبل کے تمام بادشاہوں میں اس بادشاہ کی حیثیت اسی طرح نمایاں ہے جس طرح موتیوں کے ہار میں نمایاں ہیرا''۔

جی ایم ڈی صوفی نے''Kashir''میں لکھا ہے۔

''شہاب الدین کا عہد حکومت بلاشبہ شاندار اور پر عظمت تھا۔اس عہد میں کشمیری افواج نے اپنا لوہا آس پاس کی چھوٹی بڑی ریاستوں سے منوایا''۔

شہاب الدین نے سلطنت کشمیر کی بنیاد مضبوط بنیادوں پر رکھی۔وہ میدان جنگ کا مرد مجاہد تھا۔وہ بیک وقت ایک بہادر سپاہی، تجربہ کار جرنیل اور اعلیٰ منتظم بادشاہ تھا۔اس نے تخت پر بیٹھتے ہی کشمیر کے اندرونی معاملات کو درست کیا اور پھر سلطنت کشمیر کو وسعت دینے کا پلان بنایا۔اس نے فوج کو تین حصوں

---

[1] بحوالہ ہفت روزہ''آج کل''دہلی ص 143 پریل 1956)

میں تقسیم کیا۔ اسے اعلیٰ تربیت دی اور تین نامور جرنیلوں کو اس کی کمان سونپ کر ان کے سامنے کاشغر سے بحیرہ عرب تک اور بحیرہ عرب سے بحرالکاہل تک ایک نقشہ لا کر رکھا اور بولا ''میں اس سلطنت کو حاصل کرنا چاہتا ہوں'' بہادر جرنیلوں نے اس کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کا یقین دلایا۔ سلطان نے فوج کی کمان خود سنبھالی اور پہلے معرکے میں لداخ، بلتستان اور کاشغر فتح کر لیے۔ اس کے بعد اس نے کشتواڑ اور جموں کو بھی کشمیر کے ساتھ شامل کر لیا۔ اس کی ابتدائی یورشوں نے آس پاس کی سلطنتوں میں کشمیریوں کی ڈھاک بٹھا دی۔ اس نے پنجاب کو فتح کیا اور پھر سندھ کے حکمران جام بھان کو شکست دے کر بحیرہ عرب تک اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ سندھ کی فتح کے بعد اس نے کابل کا رخ کیا۔ کابل کو مطیع کرنے کے بعد وہ غزنی اور قندھار کی طرف چل دیا۔ سرولزلی ہیگ ''کیمبرج ہسٹری آف انڈیا'' میں لکھتا ہے کہ شہاب الدین نے سندھ فتح کر کے غزنی اور قندھار تک زلزلہ پیدا کر دیا۔ ان مہمات سے فارغ ہو کر سلطان کی افواج دلی کی طرف متوجہ ہوئیں۔ دلی میں اس وقت فیروز شاہ تغلق کی حکومت تھی۔ پنجاب سے گزر کر کشمیری سپاہ کا عظیم لشکر جب دریائے ستلج کے پار اترا تو سلطان فیروز شاہ تغلق گھبرا گیا۔ اس نے تاوان جنگ کے ساتھ صلح کی پیش کش کی۔ چنانچہ دونوں حکمرانوں میں صلح ہو گئی۔ فیروز شاہ تغلق نے اپنی تین بیٹیاں شہاب الدین کے قریبی عزیزوں کے نکاح میں دے کر اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس عظیم فاتح حکمران کو جس روز کسی نئی فتح کی خبر نہ ملتی یہ اس دن کو اپنی زندگی کا بے کار دن سمجھ کر مغموم ہو جاتا۔ فتوحات کے ساتھ ساتھ سلطان شہاب الدین نے سلطنت کے اندرونی معاملات میں بھی بہتری پیدا کی اس نے ایک طرف فتح و کامرانی کی مثالیں قائم کیں اور دوسری طرف رواداری، عدل و انصاف اور سماجی بہبود کا بھی ثبوت دیا۔ اس نے نئے شہر اور قصبے آباد کیے، رفاہ عامہ کے لیے مسافر خانے اور سڑکیں تعمیر کروائیں۔ سلطان علم و ادب کا شائق اور اہل علم کا قدردان تھا۔ اس نے نظام تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دی۔ مکتب، مدارس اور دانش گاہیں قائم کروائیں جہاں تعلیم و تربیت کا اعلیٰ اہتمام تھا۔ اسی کے زمانے میں عظیم صوفی مبلغ سید علی ہمدانی کشمیر تشریف لائے اور کشمیریوں کی تقدیر بدل دی۔ سلطان مذہبی رواداری کا مجسمہ تھا۔ ایک بار جب خزانہ خالی ہونے لگا تو ایک وزیر نے مشورہ دیا کہ مہاتما بدھ کی فلاں سونے کی مورتی پگلا کر وافر سکہ ڈھالا جا سکتا ہے۔ سلطان نے جواب میں کہا کہ ''ماضی میں مجسمے اس لیے نصب کیے گئے کہ شہرت حاصل ہو اور تاریخ میں نام باقی رہے لیکن تم مجھے مجسمے فنا کرنے کی ترغیب دیتے ہو؟'' شہاب الدین کشمیر کا پہلا قوم پرست بادشاہ تھا۔ اس کی عساکر اور سپہ سالار سب کشمیری تھے۔ اس نے اپنے ملک میں رواداری، بھائی چارے اور تعصب سے پاک ماحول پیدا کیا اس نے کشمیریوں میں کشمیریت اور وطن دوستی کے جذبات کو پروان چڑھایا۔ کشمیر کا یہ عظیم حکمران 19 برس حکومت کرنے کے بعد 1378ء (781ھ) میں راہی ملک عدم ہوا۔

علامہ اقبال نے کہا تھا!

عمر ھا گل رخت بر بست و کشاد
خاک ما دیگر شہاب الدین نژاد

****

4.... سلطان زین العابدین بڈشاہ (1420ء تا 1470ء)

سلطان زین العابدین بڈ شاہ سلطان سکندر بت شکن کا بیٹا تھا۔ اس کا اصل نام شاہی خان تھا۔ وہ 1420ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے تخت سنبھالتے ہی مملکت کشمیر میں ایک انقلابی دور کی بنیاد رکھی اور نصف صدی تک نہایت کامیابی سے حکومت کی۔ اس کی بے پناہ قومی خدمات کے باعث رعایا نے اسے بڈشاہ (عظیم بادشاہ) کا خطاب دیا۔ صدیاں گزریں کشمیر کا ہر شخص آج بھی اس کا نام عزت واحترام سے لیتا ہے۔ سلطان کا پچاس سالہ دور (1420 ۔ 1470) مختلف علوم وفنون، شعر وادب، صنعت وحرفت، تجارت، مذہبی رواداری، عدل وانصاف، فتوحات، سفارتی تعلقات اور امن وخوشحالی کے اعتبار سے کشمیر کا سنہری دور کہلاتا ہے۔

شاہی خاں (بڈ شاہ) نے لڑکپن کا کچھ عرصہ وسط ایشیاء کے نامور حکمران امیر تیمور کے دربار سمرقند میں گزارا۔ اس نے دیکھا سمرقند علم وادب، خوبصورتی، چمن آرائی اور آرائش، زیبائش کے اعتبار سے دنیا کا سب سے خوبصورت شہر بنایا گیا ہے۔ شاہی خاں کے دل میں بھی آرزو پیدا ہوئی ''کاش میرا ملک بھی ایسا ہو جائے'' چنانچہ جب وہ وطن واپس لوٹا اور تخت نشین ہوا تو اس نے واقعی کشمیر کو دنیا کا عظیم ملک بنا دیا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر 18 سال تھی۔

بڈ شاہ صاحب علم حکمران تھا۔ نامور علماء اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ ان میں ملا نادری نے تاریخ کشمیر لکھی، پنڈت زونراج نے زینہ راج ترنگنی لکھی جس میں راجہ جے سنگھ (1135 ۔ 1162) سے بڈ شاہ کے زمانے تک حالات قلم بند کیے۔ ملا احمد نے راج ترنگنی اور مہا بھارت کا فارسی ترجمہ کیا۔ اس کے دور میں علوم وفنون کو بے حد ترقی ہوئی۔ اس کے دربار میں علماء، فضلا، طبیب، ہنرمند، شاعر، ادیب اور اہل قلم موجود تھے۔ بادشاہ نے دارالترجمہ اور دارالتصانیف قائم کیے۔ جگہ جگہ مکتب کھولے گئے۔ سرینگر میں دیو دار کی لکڑی سے 1200 کمروں پر مشتمل عظیم الشان یونیورسٹی قائم کی گئی جس میں تمام مروجہ علوم کے شعبہ جات قائم کیے گئے اور دنیا بھر سے اہل علم حضرات کو درس وتدریس کے لیے کشمیر بلا لیا۔ کشمیر میں شاہی سرپرستی میں پہلا کتب خانہ قائم کرنے کا سہرا سلطان زین العابدین بڈ شاہ کے سر ہے۔ سلطان نے

ہندوستان، خراسان، ایران اور شام وعرب تک سے کتابیں منگوا منگوا کر جمع کیں۔ اس کتاب خانے کے لیے جب شریف مکہ نے تفسیر کشاف زمخشری کا ایک نسخہ سلطان کے لیے ارسال کیا تو سلطان شاہی خاندان کے افراد اور علماء کرام کے ہمراہ بارہ میل پیدل چل کر شہر سے دور تک اس تحفے کو وصول کرنے آیا۔

بادشاہ کی سرپرستی میں ہرفن پر کتابیں لکھی گئیں۔ فارسی، عربی اور سنسکرت کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ فارسی زبان کو کشمیر کی قومی زبان کا درجہ دیا گیا۔ بڈ شاہ کو موسیقی سے بڑا لگاؤ تھا، سوم پنڈت، بودی پنڈت، ملا عود اور ملا جمیل جیسے نامور گویے سلطان کے دربار سے وابستہ تھے۔ بڈ شاہ نے صنعت وحرفت کو خوب فروغ دیا۔ قریبی ممالک سے دست کار اور صناع بلوا کر اہل کشمیر کو مختلف صنعتوں سے روشناس کرایا۔ چنانچہ پیپر ماشی، کاغذ سازی، قالین بافی، شال بافی، گتہ سازی، نمدہ سازی، لکڑی اور لوہے کی مصنوعات نے بڑا فروغ پایا۔ سلطان نے نرخ بندی کروائی۔ تانبے کے بڑے بڑے پتروں پر نرخ کندہ کروا کر شہر میں جگہ جگہ نصب کروا دیے جس سے تجارت میں بددیانتی ختم ہو گئی۔ بڈ شاہ نے ٹکسال قائم کی جس میں سونے اور چاندی کے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ بڈ شاہ تعمیرات کا بے حد شوقین تھا۔ اس نے سڑکیں، پل، سرائیں اور کنویں بنوائے، نہریں کھدوائیں، زراعت کو فروغ دیا جس سے ملک میں وافر غلہ پیدا ہونے لگا۔ اس زمانے میں تین پیسے میں دو من چاول آتے تھے۔ بادشاہ نے قید خانے بنوائے اور قیدیوں سے مصنوعات کا کام لینے کا طریقہ نکالا۔ سلطان باغات لگوانے کا شوقین تھا۔ اس نے ایران اور توران سے پھول اور پودے منگوائے اور باغات لگوائے۔

بڈ شاہ نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ حسن سلوک کی عظیم روایات قائم کیں۔ چھ سو برس کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی کشمیری معاشرے میں مذہبی رواداری کی وہ عظیم روایات موجود ہیں۔ اس نے خستہ وشکستہ مندروں کی بیت المال سے مرمت کروائی، جزیہ معاف کر دیا، گاؤ کشی کی ممانعت کر دی، اس کے باپ سکندر بت شکن کے خوف سے جن غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا تھا انہیں پھر سے آبائی مذہب اختیار کرنے کی اجازت دے دی۔ سلطان نے اشاعت اسلام کے لیے بھی کام کیا۔ مظفرآباد کے کھکھہ اور بمبہ قبائل اُسی دور میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ فتوحات کے محاذ پر بھی سلطان غافل نہ رہا۔ اس نے تبت، ٹلو اور کانگڑہ فتح کیے، ہندوستان، خراسان، ترکستان، آذربائیجان، گیلان، سیستان، ترکی، مصر اور حجاز مقدس کے حکمرانوں کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے۔

غرض بڈ شاہ کا پچاس سالہ دورِ حکومت تاریخ کشمیر کا سنہری دور کہلاتا ہے۔ بڈ شاہ نے اپنے دورِ حکومت میں بہت سے کارنامے سرانجام دیے لیکن اس کا سب سے عظیم کارنامہ علم وادب کی ترقی اور فروغ تھا۔ یہ اسی کا کارنامہ تھا کہ کشمیر علم وادب کا مرکز بن گیا۔

سلطان زین العابدین کی بیوی تاج خاتون نہایت ہی وفادار اور محبت شعار بیوی تھی۔ اس کی موت سے سلطان کو شدید صدمہ پہنچا۔ ادھر سلطان کے بیٹوں اُدھم اور حاجی نے بھی آخری عمر میں سلطان کے لیے بہت سی پریشانیاں پیدا کر دیں۔ وہ تخت و تاج کے لیے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ سلطان کے وفادار مشیر اور وزیر یکے بعد دیگرے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اب خوشامدیوں، چاپلوسوں اور مفاد پرستوں نے سلطان کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔ اس صورتحال میں سلطان سخت مایوسی اور پریشانی سے دو چار ہوا۔ سکونِ قلب کے لیے اس نے تنہائی اختیار کر لی اور اپنا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گزارنے لگا۔ جب اس کا آخری وقت قریب آیا تو سلطان کے بڑے بیٹے حاجی نے بغاوت کر کے تخت اور خزانے پر قبضہ کر لیا۔ سلطان بستر مرگ پر ایڑھیاں رگڑ رہا تھا اور ادھر اس کے بیٹے اقتدار کے لیے باہم دست و گریباں تھے۔ بالآخر 12 مئی 1470ء کو بروز جمعۃ المبارک دوپہر کے وقت سلطان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ مرتے وقت اس کی عمر 69 برس تھی۔ کشمیر کے اس عظیم المرتبت حکمران کا مزار سرینگر کے مزار سلاطین میں واقع ہے۔

****

5..... شیخ نورالدین ولیؒ (779ھ 842ھ)

شیخ نورالدین رشیؒ جنہیں کشمیر کے لوگ نندہ رشی اور نورالدین ولی کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ 6 جمادی الاول 779ھ کو کیموہ گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کو کشمیریوں کے Patron Saint کا درجہ حاصل ہے۔ نندہ رشی اپنے زمانے کے معروف صوفی بزرگ تھے اسی لیے انہیں شیخ العالم کے خطاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے کشمیر میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ کا شمار کشمیری زبان کے ابتدائی شاعروں میں ہوتا ہے۔ آپ نے شاعری کے ذریعے اپنی تعلیمات کو عام کیا۔

روایت ہے کہ نندہ رشی کے والد شیخ سالارالدین اور والدہ سدرہ ماں ایک صوفی بزرگ یامن رشی کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک وہاں مشہور مجذوبہ للہ عارفہ بھی آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت پھول تھا۔ یامن رشیؒ نے للہ عارفہ سے یہ پھول لے کر سدرہ ماں کو دیا اور فرمایا "اے سدرہ! تمہارے بطن سے ایک برگزیدہ بچہ پیدا ہوگا"۔ اس برگزیدہ بچے کی پیدائش کی خوشخبری سید علی ہمدانی نے بھی دی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سدرہ ماں کے بطن سے جب نندہ رشی پیدا ہوئے تو وہ ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ للہ عارفہ کو پتہ چلا تو وہ وہاں آ گئی اور بچے کو سینے سے لگا کر کہنے لگی "پی دودھ پی، پیدا ہونے میں شرم محسوس نہ کی اب

پینے سے کیوں شرماتا ہے'' چنانچہ آپ نے للہ عارفہ کا دودھ پیا جس سے آپ کی پیدائشی ولایت کا ثبوت ملتا ہے۔
شیخ کی باقاعدہ تعلیم وتربیت نہ ہوسکی لیکن آپ کو خدائے بزرگ وبرتر نے اپنے خصوصی فضل سے علم لدنی عطا کیا۔ روایت ہے کہ آپ کی ماں نے بیٹے کو ایک جولاہے کے پاس کام سیکھنے کے لیے بھیجا لیکن کچھ دنوں بعد جولاہے نے آپ کی ماں سے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا بیٹا مجھ سے کچھ سیکھنے کے بجائے مجھے ایمانداری کا سبق سکھاتا ہے اور کہتا ہے'' کیا جولاہے کیا دھنئے، اگر من کا میل صاف کریں تو ان کے اندر سے لوگوں کی ڈھیروں روئی اور منوں دھاگے نکلیں''

آپ جب سن بلوغت کو پہنچے تو آپ کی شادی کر دی گئی۔ آپ کی بیوی زی دیدی کے بطن سے ایک بچہ اور ایک بچی پیدا ہوئے، بچوں کی پیدائش کے ساتھ ہی آپ کی زندگی میں اچانک تبدیلی آ گئی اور آپ گھر بار چھوڑ کر ایک غار میں گوشہ نشین ہو گئے۔ بارہ برس تک گھاس اور درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے رہے۔ ترک دنیا کے بعد آپ واپس عوام میں آئے اور لوگوں کو نیکی، حق گوئی، پرہیزگاری، ایمانداری، خدمت خلق اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دینے لگے۔ آپ کی ساری زندگی عبادت وریاضت اور عوامی خدمت میں گزری۔ آپ کا قول ہے'' کرتل پھژم تہ گرس درآتی'''' میں نے تلوار توڑ کر اس سے درانتی بنالی ہے''۔
آپ نے اصلاح معاشرہ کو بھی موضوع سخن بنایا ہے۔ آپ کے ایک شعر کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔
''خیرات کا کھانا ملا تو درکنار، اتفاق سے ملا کی مرغی نے کھالیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تن آسان ہوگئی اور لیٹے لیٹے بانگ دینے لگی''۔

آپ کا مزار چرار شریف میں مرجع خلائق ہے۔ چند برس پہلے ایک پاکستانی دہشت گرد میجر مست گل اور اس کے شرپسند ساتھیوں نے اس عظیم درگاہ کو آگ لگا کر جلا دیا جسے اب کشمیر گورنمنٹ نے دوبارہ تعمیر کر دیا ہے۔ آپ کا سوختہ مزار 6 سو سالہ فن چوب کاری کا عظیم شاہکار تھا۔ شیخ العالم کے کلام اور ان کی تعلیمات وہدایات پر محققین نے گراں قدر کام کیا ہے۔'' رشی نامہ'' آپ کی صوفیانہ تعلیمات پر مبنی منظوم تصنیف ہے۔ آپ چرار شریف میں دفن ہیں۔ آپ کی تاریخ وفات 842ھ اس مصرعہ سے نکلتی ہے۔'' ننذ زوت گوبائی سرگ''

6.... سید علی ہمدانیؒ (713ھ 786ھ)

سید علی ہمدانی 12 رجب المرجب 713ھ بمطابق 12 اکتوبر 1313ء کو ہمدان (ایران) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید شہاب الدین تھا جو صوبہ ہمدان کے حاکم اعلیٰ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام سیدہ فاطمہ تھا۔ آپ حسینی سید تھے۔ سترھویں پشت میں شجرہ نسب جناب رسالت مآب ﷺ

سے جاملتا ہے۔ آپ کو امیر کبیر، علی ثانی اور شاہ ہمدان کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموں سید علاؤ الدین سمنانی سے حاصل کی۔ شیخ تقی الدین اور شیخ محمود مزدقانی سے باطنی علوم حاصل کیے۔ آپ نے اپنے مرشد شیخ مزدقانی کی ہدایت کے مطابق تین بار دنیا کا پیدل سفر کیا۔ بہت سے علماء، صوفیا اور اولیاء سے ملاقاتیں کیں، روحانی فیوض و برکات حاصل کیے۔ آپ نے چالیس برس کی عمر میں شادی کی۔

وسطی ایشیاء کے نامور فاتح امیر تیمور نے آٹھویں صدی ہجری میں ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ امیر تیمور نے سید علی ہمدانی کے اثر ورسوخ کو اپنے لیے خطرہ محسوس کیا چنانچہ اس نے آپ کو جلاوطن کر دیا۔ آپ 721ھ میں اپنے چند رفقاء کے ہمراہ کشمیر آ گئے۔ کشمیر میں ان دنوں شمس الدین کی حکومت تھی۔ کچھ عرصہ یہاں قیام کے بعد آپ واپس ہمدان چلے گئے۔ دوسری بار 774ھ میں سات سو سادات کو اپنے ہمراہ لائے۔ یہ سلطان شہاب الدین کا عہد تھا جو دہلی کے سلطان فیروز شاہ تغلق سے برسرِ پیکار تھا۔ آپ نے دونوں مسلمان حاکموں میں صلح کروادی۔ آپ اور آپ کے رفقاء نے 37 ہزار غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ علاوہ ازیں ان بزرگوں نے کشمیر میں قرآن، حدیث، فقہ اور دینوی علوم کی درسگاہیں قائم کیں اور علم و ادب کو خوب فروغ دیا۔ یہ حضرات فنون پر بھی دسترس رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے کشمیر میں فن خطاطی، فن موسیقی، فن تعمیرات، گبہ سازی، نمدہ سازی، کندہ کاری، جلد سازی اور مصوری کو فروغ دیا۔

آپ تیسری مرتبہ 785ھ بمطابق 1383ء کو کشمیر آئے اور دریائے جہلم کے کنارے سرینگر شہر میں رشد و ہدایت کے لیے ایک مخصوص طرز کا چبوترہ بنوایا۔ آپ یہاں عبادت کرتے اور خلق خدا کو وعظ و نصیحت کرتے۔ اس عبادت گاہ کو خانقاہ معلّیٰ کہا جاتا ہے۔ آپ نے چند ماہ قیام فرمایا۔ 1384ء کو حج بیت اللہ کے لیے نکلے۔ راستے میں پکھلی ہزارہ کے حاکم سلطان خضر شاہ کے ہاں ٹھہرے۔ یکم ذوالحجہ 786ھ بمطابق 14 جنوری 1385ء کو سخت علیل ہو گئے۔ پانچ روز بستر علالت پر رہنے کے بعد 6 ذوالحجہ 786ھ کو وصال فرما گئے۔ سلطان خضر شاہ آپ کو یہیں دفن کرنا چاہتا تھا لیکن آپ کے ایک مرید شیخ قوام الدین نے رائے دی کہ شیخ کا تابوت جو فریق اٹھالے وہ اپنی مرضی سے دفن کرے۔ سلطان خضر شاہ کے مصاحب تابوت نہ اٹھا سکے۔ حضرت کے مریدوں نے تابوت اٹھالیا چنانچہ وصیت کے مطابق تابوت ختلان لے جایا گیا جہاں آپ آسودہ خاک ہیں۔

سید علی ہمدانی زاہد شب گزار، مرشد باکمال، مصلح اعظم، معلم اخلاق، انشاء پرداز اور شاعر تھے۔ آپ کا شمار عالم اسلام کی عظیم روحانی شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ فرقہ بندی کے قائل نہ تھے۔ اصلاح معاشرہ آپ کا اولین مقصد تھا۔ آپ حکمران طبقے کی تربیت و اصلاح فرماتے۔

ذخیرۃ الملوک: امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ نے اگر چہ 170 کتابیں لکھیں جن کی اپنی اہمیت و افادیت ہے۔لیکن ان کی جس کتاب نے شہرت عام حاصل کی وہ ''ذخیرۃ الملوک'' ہے۔ذخیرہ الملوک فارسی ترکیب ہے اس کا مطلب ہے ''بادشاہوں کا خزانہ''۔سید علی ہمدانی نے یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی۔اس کتاب میں دین و سیاست کے زریں اصول بیان کیے گئے ہیں۔آپ نے کامیاب انسان اور کامیاب حکمران کے تصور کو اجاگر کیا ہے۔یہ کتاب علم و معرفت کا خزانہ ہے،علماء صوفیاء عوام الناس اور ارباب اقتدار کے لیے یکساں مفید ہے۔مورخین نے لکھا ہے کہ یہ کتاب جہانگیری و جہانبانی کے گر سکھاتی ہے۔اس شہرہ آفاق کتاب کا دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

****

7.... غنی کاشمیری (1040ء،1079ء)

غنی روز سیاہ پیر کنعان را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

غنی کاشمیری کا اصل نام محمد طاہر تھا۔غنی 1040ء میں وادی کشمیر میں پیدا ہوئے۔اُن کے آباؤ اجداد سید علی ہمدانی کے ہمراہ وادی کشمیر میں وارد ہوئے تھے اور یہاں مستقلاً سکونت پذیر ہو گئے تھے۔غنی نے جب آنکھ کھولی اس زمانے میں ہندوستان پر مغلیہ خاندان کی حکومت تھی۔ہر طرف مغل شہنشاہ شاہجہان کا طوطی بول رہا تھا۔کشمیر بھی مغلوں کے زیر نگیں تھا۔غنی نے 19 برس کی عمر میں مشق سخن شروع کی۔اس زمانے میں وہ طاہر تخلص کرتے رہے لیکن بعد ازاں انہوں نے غنی تخلص کر لیا۔چونکہ فقر و استغنا اور بے نیازی اس مرد درویش کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لیے انہوں نے اپنے لیے یہی تخلص پسند کیا۔غنی نے اپنے عہد کے نامور شاعر اور فلسفی ملا محسن فانی سے تعلیم حاصل کی۔قابل اور ذہین شاگرد نے فن سخن میں وہ ید طولیٰ حاصل کیا کہ اُس کا استاد بھی شاگرد رشید ہی کے طفیل پہچانا گیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ مغل حکمران شاعروں،ادیبوں،دانشوروں اور فن کاروں کو اپنے دربار سے وابستہ کر کے انہیں انعام و اکرام سے نوازتے رہتے تھے۔اس زمانے کے درباری شاعروں نے مدح سرائی اور قصیدہ گوئی میں وہ جوہر دکھائے کہ شاہی درباروں میں انہیں چاندی کی اشرفیوں میں تولا گیا اور ان کے منہ سات سات بار ہیروں اور موتیوں سے بھرے گئے۔شاہجہان نے ایران سے آئے ہوئے ایک

شاعر کلیم کا صرف ایک شعر سُن کر اسے خالص چاندی میں تلوایا تھا۔ شاہی درباروں کے ان آداب و رسومات کے ماحول میں غنی کاشمیری غیرت، خودداری اور حمیت کا پیکر بن کر جیا۔ اس نے کسی بادشاہ یا امیر و وزیر کے دربار میں جانا اور اس کی مدح سرائی کرنا پسند نہ کیا۔ وہ جاہ و منصب اور مال و منال کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ وہ صرف اور صرف کردار کی عظمت اور فکر و فن کی رفعتوں کے سبب عوام الناس سے لے کر شاہی دربار تک موضوع بحث بنا اور اپنی عظمت کا لوہا منوایا۔ غنی کے کلام میں فلسفہ، تصوف اور اخلاقیات کے موضوعات شامل ہیں۔ غنی نے گوشہ نشینی، غیرت، کوشش، ہمت، محنت، استقامت، عشق، عفو و درگزر اور ارتقائے روحِ انسانی جیسے موضوعات کو اپنے اشعار میں سمویا۔ غنی کو کشمیر میں فارسی شاعری کا سرخیل سمجھا جاتا ہے۔ وہ گیارھویں صدی ہجری کے دنیائے فارسی ادب کے افق پر آفتاب عالم تاب بن کر چمکا اور اس کی ضیا پاشیوں سے فارسی ادب کا سارا ماحول چمک اُٹھا۔ غنی کا کلام سُن کر ایران کے نامور شعراء، صائب، کلیم، قدسی اور اصفہانی وغیرہ کشمیر آبسے اور غنی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ صائب نے جب اصفہان میں غنی کاشمیری کا کلام سنا تو وہ غنی سے ملنے کے لیے بے تاب ہوگیا۔ وہ طویل مسافت طے کر کے وارد کشمیر ہوا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ صائب غنی کاشمیری کے مشہور شعر ع

موئے میان تو شدہ کرالین
کرد جدا کاسہ سر ہا زتن

میں لفظ کرالین کے معنی و مطالب دریافت کرنے کشمیر آیا تھا۔ صائب نے جب غنی سے ملاقات کی اور دونوں شعرا نے ایک دوسرے کو اپنا کلام سنایا تو صائب غنی کا یہ شعر سن کر تڑپ اٹھا۔

حسن سبزے بخطِ سبز مرا کرد اسیر
دامِ ہمرنگِ زمین بود گرفتار شدم

صائب نے خواہش ظاہر کی کہ کاش غنی میرا سارا دیوان لے لے اور اپنا یہ شعر مجھے عنایت کردے۔ صائب ایران سے آیا تھا اور ایرانی درباری سے اُسے ''ملک الشعراء'' کا خطاب مل چکا تھا۔ اس نے غنی کی سیکڑوں غزلوں پر غزلیں لکھیں۔ غنی کے خیالات و محاورات کا تتبع کیا۔ مگر غنی نے صائب کی یا کسی دوسرے شاعر کی کسی بھی غزل پر غزل نہیں لکھی۔ صائب نے غنی کے دوصد پسندیدہ اشعار اپنی بیاض میں لکھے ہوئے تھے۔ غنی نے تقریباً ایک لاکھ اشعار پر مشتمل اپنا کلام مرتب کیا لیکن پھر صائب کے مشورے سے بہت سا کلام خود ہی متروک کر دیا اور فکر و فن کے نچوڑ پر مشتمل ایک مختصر سا دیوان باقی رہنے دیا۔ ''دیوان غنی'' فارسی شاعری کا لازوال شاہکار ہے۔ مرزا محمد افضل سرخوش غنی کاشمیری کی شخصیت اور فن پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ملا محمد طاہر غنی صاحب طبع عالی بود و پایہ سخنوری را بدرجہ کمال رسانیدہ از خطہ کشمیر بلکہ از اقلیم ہند ہمچو او خوش خیال نازک بند نخاستہ و اکثر از معاصرین و متاخرین قائل بخوش کلامی او بودہ اند''[1]

میر غلام رسول نازکی غنی کاشمیری کے کلام کے محاسن کا جائزہ یوں لیتے ہیں۔

''غنی کے کلام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ جن موضوعات پر فکر سخن کرتا ہے وہ اس دنیا کے ساتھ اور ہماری روزمرہ زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ وہ سوئی اور دھاگے سے سیکڑوں دُرہائے معانی پیدا کرسکتا ہے۔ وہ پن چکی، دیوار اور پانی، قلم اور روشنائی، ہلال اور بدر ناخن اور بند ناخن، کان اور آنکھ کے باہمی تعلق سے ایسے ایسے لطیف معانی تخلیق کرتا ہے کہ انسان کے فکر کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور باتوں ہی باتوں میں وہ ایسی پتے کی بات کہہ جاتا ہے کہ مذاق سلیم داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔[2]

چونکہ غنی ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور سلاطین و امراء کی مدح سرائی بھی اسے گوارہ نہ تھی اس لیے وہ ساری زندگی مالی اعتبار سے آسودہ حال نہ ہوسکا۔ مگر اس کا دل غنی اور فکر آزاد منش تھی۔ وہ ہوس مال وزر کے بجائے اپنے ضمیر کا اسیر تھا۔ وہ انسانی آزادی اور حیریت فکر کا بے باک ترجمان تھا۔ وہ ایک غیور اور غیرت مند کشمیری کی طرح جیا اور تلخی ایام کا زہر نہایت خندہ پیشانی سے پیتا رہا۔ اس نے کشمیری عوام کو غیرت اور عزت سے جینے کا درس دیا۔ فرزند کشمیر علامہ اقبال نے اپنی تصنیف '' جاوید نامہ'' میں غنی کاشمیری کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

شاعر رنگیں نوا طاہر غنی فقرِ او باطن غنی، ظاہر غنی

غنی کو اپنے وطن کشمیر سے بے پناہ محبت تھی۔ اس نے ساری زندگی وطن کو چھوڑ کر کہیں اور جانا گوارہ نہ کیا۔ اس نے ایک بار ہندوستان کا مختصر سا سفر کیا لیکن یہ سفر اس کی طبیعت کے لیے سخت ناگوار ثابت ہوا اور وہ جلد واپس لوٹ آیا۔ غنی کا سب سے بڑا غم کشمیریوں کی غلامی اور ابتری ہے۔ وہ آزادی اور خوشحالی کا متمنی تھا۔ اس نے اپنے ہم وطنوں کو آزادی سے جینے کا درس دیا۔ مغلوں نے کشمیر کی آزاد اور خودمختار حیثیت کو پائمال کر کے اسے اپنا غلام بنالیا تھا۔ مغلوں کے استحصال اور کشمیریت کش اقدامات کو دیکھ کر غنی کا دل جل اُٹھا اس نے انقلاب اور بغاوت کا نغمہ گایا۔ اس نے سر دلبراں کو حدیث دیگراں میں بیان کر دیا۔

غنی انقلاب اور بغاوت کا داعی ہے۔ کشمیری کوچہ شعر وسخن میں انقلا... ...سب سے پہلے اسی نے بلند کیا۔ روایتی قصے کہانیوں اور موضوعات سے ہٹ کر اُس نے ایک نئے دور کی طرح ڈالی۔ وہ عوام کی

---

[1] بحوالہ ہفت روزہ ''نصرت'' کشمیر نمبر 1960 صفحہ 349

[2] ماہنامہ ''آج کل'' دہلی کشمیر نمبر 1955 صفحہ 71

حالت زار اور ان کے مسائل و مشکلات کو موضوع سخن بناتا ہے اور ان معاشی و معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف سراپائے احتجاج بن جاتا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیں

کدام باز ندانم در آشیاں بندی است
کہ ہست حکم پر کاہ بال مرغاں را

(ترجمہ) ''معلوم نہیں کہ شہباز کونسا گھونسلا بنانے کی فکر میں ہے کہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کے پر نوچے جارہے ہیں'' غنی کا ایک اور شعر ہے جس میں ایک غریب کسان کی حالت زار کی وضاحت کی گئی ہے۔

روزیء ما می شود آخر نصیب دیگراں
طالع برگشتہ ہمچوں آسیا داریم ما

(ترجمہ) ''ہمارا پیدا کردہ رزق اوروں کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور اس رنگ میں میری اور چکی کی قسمت ایک جیسی ہے'' (وہ بھی آٹا پیستی ہے تو اوروں کی خاطر اور میں بھی کام کرتا ہوں تو اوروں کے لیے)۔

سماج کی ناہمواریوں اور نظام کی قباحتوں کو دیکھ دیکھ کر غنی گوشہ نشین ہو گیا۔ غنی نے اپنے لیے ایک گوشہ عافیت بنالیا تھا۔ جسے عرف عام میں غنی کی کٹیا کہا جاتا تھا۔ غنی بیشتر وقت اُسی کٹیا میں بند رہ کر گزارتا تھا۔ جب وہ کٹیا کے اندر ہوتا تو اندر سے کنڈی چڑھالیتا اور جب باہر جاتا تو دروازہ کھلا چھوڑ کر چلا جاتا۔ جب غنی سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو اس نے فرمایا ''اس کٹیا کی اصل دولت تو میں ہی ہوں۔ جب میں ہی کٹیا میں موجود نہ ہوں تو اس کو کنڈی چڑھانے کا کیا فائدہ''۔

سرزمین کشمیر کے اس قادر الکلام شاعر کے فقر و استغنا اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ جب مغل شہنشاہ اورنگزیب عالم گیر اس کے کلام و احوال سے آگاہ ہوا تو اس نے گورنر کشمیر سیف خان کو پیغام بھیجا کہ ملا محمد طاہر غنی کو شاہی دربار میں بھیجا جائے۔ جب گورنر نے غنی کو اپنے پاس بلا کر بادشاہ کا یہ پیغام اس تک پہنچایا تو غنی کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور اس نے گورنر سے کہا کہ بادشاہ کو لکھ دیا جائے کہ غنی دیوانہ اور پاگل ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ دہلی آنے سے انکاری ہے۔ سیف خاں نے اس بات سے اتفاق نہ کیا۔ کیونکہ'' ایک دانا و بینا شخص کو دیوانہ اور پاگل قرار نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر غنی نے اپنا لباس تار تار کر لیا اور دیوانوں کی طرح باتیں کرتا ہوا سیف خاں کے دربار سے نکل گیا۔ اس واقعہ کے تین روز بعد سرزمین کشمیر کا یہ گنج ہائے گراں مایہ صرف 39 برس کی عمر میں اس دنیا سے رحلت فرما گیا۔ غنی نے 1079ء میں وفات پائی اور سرینگر میں دفن ہوئے۔

غنی اگرچہ فقیر است ہمتے دارد
فشاندہ دست بکونین دست خالی را
درفقر ہیچ کس نبود آشنائے ما
نہ نشست غیر گرد کسے در سرائے ما

****

8.....میاں محمد بخشؒ (1830ء 1907)

میاں محمد بخش کے آباؤ اجداد گجرات کے گاؤں چک بہرام کے رہنے والے تھے۔ وہ میر پور کے قریب کھڑی میں آ کر آباد ہو گئے۔ میاں صاحب کے پردادا میاں دین محمد کو پیرے شاہ غازی نے اپنا مرید اور جانشین بنالیا تھا۔ میاں صاحب کے دادا میاں جیون دلی تھے۔ والد کا نام شمس الدین تھا جن کے تین بیٹے تھے۔ بہاول بخش، علی بخش اور میاں محمد بخش۔

میاں محمد بخش کھڑی کے قریب چک ٹھاکرا میں 1830ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور سموال شریف کی دینی درسگاہ سے حاصل کی۔ 15 برس کی عمر میں آپ کے والد ماجد اس دنیائے فانی سے چل بسے۔ حدیث کا درس حافظ غلام حسین سے لیتے رہے۔ فارسی حافظ محمد علی سے پڑھی۔ جبکہ شعر وادب میں حافظ غلام ناصر سے راہنمائی لی۔ آپ نے ضلع میر پور کے موضع کلروڑی کے سائیں غلام محمد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ نے عہد جوانی میں پنجاب بھر کی سیاحت کی۔ پیر پنجال کے راستے وادی کشمیر کی بھی سیاحت کی۔ ڈوگروں کے شخصی نظام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور انہیں تنبیہ کی کہ وہ مخلوق خدا پر ظلم نہ کریں۔ آپ نے شعر و شاعری، عبادت و ریاضت اور خدمت خلق کو زندگی بھر اپنا شعار بنائے رکھا۔ آپ نے زندگی بھر شادی نہ کی۔ آخری عمر میں فالج کا حملہ ہوا جنوری 1907ء کو 78 برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ کا مزار میر پور شہر سے جنوب کی سمت 9 کلومیٹر کے فاصلے پر کھڑی شریف میں مرجع خلائق ہے۔ میاں محمد بخش پہاڑی، پنجابی زبان کے عظیم شاعر تھے۔ انہوں نے ڈیڑھ درجن پہاڑی، پنجابی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سوہنی مہینوال، تحفہ میراں، قصہ شیخ سنعان، نیرنگ عشق، شیریں فرہاد، تحفہ رسولیہ، شاہ منصور، سخی خواص خاں، مرزا صاحباں اور ہدایت المسلمین اور تذکرہ مقیمی (فارسی) وغیرہ شامل ہیں۔

سیف الملوک: سیف الملوک میاں محمد بخش کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ یہ پہاڑی، پنجابی زبان کی ایک عشقیہ داستان ہے۔ یہ داستان پہلے بھی کئی زبانوں میں لکھی گئی لیکن میاں محمد بخش نے اسے پہاڑی، پنجابی کے ایسے قالب میں ڈھالا کہ یہ زبان زد عام ہو گئی۔ اس میں پنجابی، ہندکو، پوٹھواری، پہاڑی اور گوجری زبانوں

کے لیجے موجود ہیں۔ میاں محمد بخش کی یہ کتاب پنجاب اور کشمیر پر اپنا سکہ جمائے ہوئے ہے۔ پہاڑی، پنجابی بولنے اور سمجھنے والے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، خواندہ ناخواندہ حضرات کو اس کے اشعار از بر ہیں۔ سیف الملوک 1855ء سے 1862ء تک ضلع کوٹلی کے موضع کھوئی رٹہ کے قریب پنجنی شریف میں قیام کے دوران لکھی گئی۔ اس میں 9249 اشعار ہیں۔

مثنوی سیف الملوک کا مرکزی خیال یہ ہے کہ ملک شارستان کے بادشاہ پال کی ایک حسین وجمیل لڑکی تھی۔ جس کا نام بدیع الجمال تھا۔ اس کے حسن و جمال کے چرچے دور دور تک تھے۔ مصر کے بادشاہ عاصم بن صفوان کا لڑکا سیف الملوک ناز ونعمت میں پلا ہوا شہزادہ تھا۔ اس نے بدیع الجمال کے حسن کی شہرت سنی تو اس پر عاشق ہوگیا۔ وہ اس کے ہجر وفراق میں تڑپنے لگا۔ ایک رات اس نے شہزادی کو خواب میں دیکھا جو اسے اپنے پاس بلا رہی تھی۔ شہزادہ نیند سے بیدار ہوا شہزادگی کو لات ماری اور شہزادی کی تلاش میں چل نکلا۔ راستے میں اسے بڑے بڑے طوفانوں اور خوفناک راستوں سے گزرنا پڑا۔ بالآخر وہ ملک شارستان جا پہنچا، شہزادی سے ملاقات کی اور اسے بیاہ کر اپنے ملک لے آیا۔

میاں محمد بخش نے سیف الملوک میں ایک فکر انگیز تمثیلیہ لکھا ہے جس میں ایک معصوم فاختہ کو دو دشمنوں شکاری اور باز کے نرغے میں پھنسا ہوا دکھایا گیا ہے۔ دونوں اس معصوم کو ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن خدا کی قدرت کہ جونہی شکاری فاختہ پر نشانہ باندھتا ہے ایک سانپ اسے ڈنگ مار دیتا ہے جس سے شکاری کا تیر خطا ہو کر باز کو جا لگتا ہے۔ یوں باز بھی مر جاتا ہے اور شکاری بھی اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔ فاختہ سلامت رہتی ہے۔

ہک دن کرن شکار شکاری بارے اندر آیا
آ درخت گھنے دی چھانویں اس نے ڈیرا لایا
نالے باز ہواؤں اڈ دا آ بیٹھا اس رکھ تیں
طمعہ لوڑے ماس نہ چھوڑے آیا ظالم بھکھ تیں
ہیٹھ شکاری باز اُتے سی، وچ بیٹھی اک گھگی
دشمن ویکھ کہے اج میں بھی چوگ اجل دی چگی
ہیٹھ شست شکاری جوڑے تیر گھگی نوں لاواں
اتوں باز تکے جے اڈے پکڑ شتابی کھانواں
گھگی جدوں انہاں دل ڈٹھا کر دی فکر گھنیرا
کہندی رہا کیونکر رکھسیں بچن نئیں ہن میرا

بیٹھ رہاں تاں شست برابر مارے تیر شکاری
جے اڈاں تاں باز پکڑسی ہر پاسوں میں ماری
تیر لگن وچ دیر نہ کوئی کجھ تدبیر نہ چل دی
آئی گھڑی اجل دی ایہو وچ تقدیر ازل دی
جاں رب رکھن اُتے آیا کیہ سبب بنایا
گھگی وَل شکاری تکدا شست دھیان ٹھہرایا
پچھوں ناگ چلائے اس نوں دند آلود زہر دے
تیر چھٹا اوہ لگا بازے دونویں دشمن مردے
گھگی بیٹھی رہی اتھائیں چنگی بھلی نروئی
مارن والے موئے محمد قدرت رب دی ہوئی

میں محمد بخشؒ کے اس تمثیلچہ کو پڑھتے ہوئے اگر خطہ کشمیر کی صورت حال کو پیش نظر رکھا جائے تو عیاں ہوتا ہے کہ امن کے متلاشی خطہ کشمیر کو اس کے دو ظالم پڑوسی خونخوار درندے بن کر گزشتہ 62 برسوں سے نوچ رہے ہیں۔ان بے رحم شکاریوں کے ظالمانہ اور جابرانہ ہتھکنڈوں کے باوجود کشمیری قوم کا جذبہ آزادی دب نہیں سکا بلکہ ابھر کر سامنے آیا ہے۔کشمیر کی تاک میں لگے شکاری اور باز ناکام و نامراد جلد اپنے انجام کو پہنچنے والے ہیں۔بس ذرا دیر باقی ہے۔انشاءاللہ میاں محمد بخش کا دیس آزادی کی منزل سے ضرور ہمکنار ہوگا۔

****

غلام قوموں کی تاریخ چھین لی جاتی ہے،ان کا جغرافیہ مٹادیا جاتا ہے اور ان کی ثقافت تباہ کر دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنا تشخص بھول جائیں۔جو قومیں اپنا تشخص قائم نہیں رکھ سکتیں وہ دنیا سے مٹ جاتی ہیں۔ (مصنف)

9....علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (متوفی 1933ء)

علامہ محمد انور شاہ کشمیری خطہ کشمیر کی حسین وجمیل وادی لولاب کے موضع ''دودھ ون'' میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام محمد معظم شاہ تھا جو خود بھی ایک عالم دین تھے۔علامہ موصوف نے ابتدائی تعلیم اور قرآن وحدیث نیز عربی فارسی کی ابتدائی کتب اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔بعد ازاں انہیں علامہ غلام محمد کے پاس تحصیل علم کے لیے بھیج دیا گیا۔مقامی سطح پر تحصیل علم کے بعد وہ 1305ھ میں ہزارہ ایبٹ آباد کے

ایک دارالعلوم میں داخل ہوئے۔ یہاں سے بھی جب ان کی علمی پیاس نہ بجھ سکی تو وہ دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ جہاں منشی فضل حق، شیخ الہند مولنا محمود الحسن، مولوی خلیل احمد سہارنپوری اور مولنا غلام رسول ہزاروی جیسے جید علما کرام سے انہوں نے اکتساب فیض کیا۔

آپ نے 1314ھ میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی اور مولانا امین الدین کے قائم کردہ مدرسہ امینیہ دہلی میں 1315ھ کو بانی صدر مدرس مقرر ہوئے اور چار برس تک وہاں درس وتدریس کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

1320ھ بمطابق 1900 میں آپ کے بھائی محمد یاسین شاہ کا انتقال ہوگیا چنانچہ آپ واپس کشمیر آگئے۔ یہاں تین برس تک وہ علمی مجالس اور تبلیغی مشن پر کاربند رہے۔ 1323ھ میں آپ بارہ مولا کی متمول شخصیت خواجہ عبدالصمد ککرو اور چند دیگر ساتھیوں کی معیت میں حجازِ مقدس کے سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد حجاز مقدسہ میں ہی قیام کے متمنی تھے لیکن خواجہ عبدالصمد ککرو نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ وطن عزیز واپس تشریف لے چلیں اور بارہ مولا میں ایک دارالعلوم قائم کر کے خدمات سرانجام دیں۔ انہوں نے خواجہ صاحب کی یہ تجویز قبول کی اور واپس آگئے۔ چنانچہ 1324 کو بارہ مولا میں آپ اور خواجہ عبدالصمد کی کوششوں سے مدرسہ فیض عام کا اجراء کیا گیا۔ لیکن بوجوہ یہ مدرسہ کامیابی سے جاری نہ رکھا جا سکا آپ دلبرداشتہ ہوکر دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ وہاں آپ کو درس وتدریس کے فرائض سرانجام دینے کی پیش کش ہوئی جسے آپ نے قبول کرلیا۔

1333ھ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے اپنی تحریکی وسیاسی سرگرمیوں میں مصروفیات کی بنا پر حجازِ مقدس جانے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے مولانا انورشاہ کشمیری کو اپنا قائم مقام جانشین مقرر کیا۔ اسی سفر کے دوران وہ گرفتار ہوئے اور جزیرہ مالٹا میں پابند سلاسل رہے۔ اس دوران علامہ انورشاہ کشمیری نے نہایت تندہی اور محنت سے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی نظام جاری رکھا۔ 1346ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند سے ایک اختلافی مسئلے پر علیحدہ ہو گئے اور صوبہ گجرات کے ڈابھیل شہر میں بہت سے شاگردوں اور اساتذہ کے ہمراہ چلے گئے۔ وہاں 1351 تک آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں پڑھاتے رہے۔ 1351 میں آپ ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہونے کے سبب واپس دیوبند آگئے۔ مرض جان لیوا ثابت ہوا تو 2 صفر 1352ھ بمطابق 29 مئی 1933 کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

علامہ انورشاہ کشمیری عربی وفارسی علوم میں بے پناہ دسترس رکھتے تھے۔ زبردست حافظے کے مالک تھے۔ انہوں نے عربی زبان میں بخاری شریف کی شرح چار جلدوں میں لکھی۔ ''عقیدۃ الاسلام'' بھی عربی زبان میں ان کی ایک کتاب ہے۔ مسئلہ قدر پر ان کی ایک طویل عربی نظم ہے۔ رسالت مآب ﷺ کی مدح میں بھی

آپ نے عربی زبان میں قصائد لکھے۔ آپ عربی درس وتدریس میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ آپ کے حلقہ درس میں بڑے بڑے علماء بیٹھتے تھے۔

****

10..... منشی محمد دین فوق (1887-1945)

مورخ کشمیر منشی محمد دین فوق فروری 1887ء کو سیالکوٹ کے موضع "کوٹلی ہرنرائن" میں مولوی لدھا خاں کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے سیالکوٹ، گوجرانوالہ اور لاہور میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ 1895 میں مڈل کا امتحان پاس کیا تو سیالکوٹ میں پٹوار کا کام سیکھنے کے بعد حصول ملازمت کے لیے جموں چلے گئے۔ 1896 میں جموں سے لاہور آ گئے اور پھر ساری عمر لاہور کو ہی اپنی علمی، ادبی اور تحقیقی سرگرمیوں کا مرکز بنائے رکھا۔

منشی محمد دین فوق کشمیری الاصل تھے۔ انہیں اپنے وطن کشمیر سے بے پناہ محبت اور عشق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے سرکاری ملازمت کا ارادہ ترک کر دیا تو پھر انہوں نے صحافت اور تحریر وتحقیق کا میدان اپنے لیے منتخب کیا۔ لاہور میں علمی وادبی مجالس نے ان کی صلاحیتوں کو نکھرنے اور ترقی کرنے کے مواقع مہیا کیے۔ چونکہ انہیں شعر وسخن سے بھی خصوصی شغف تھا اس لیے انہوں نے فصیح الملک داغ دہلوی کی شاگردی اختیار کی اور مشاعروں میں اپنا کلام سنانے لگے۔ انہوں نے 1901 میں لاہور سے "پنجہ فولاد" اور 1906 میں "کشمیری میگزین" جاری کیے۔ کشمیری میگزین 1913 میں ہفتہ وار شائع ہونے لگا۔ یہ میگزین علم وادب اور کشمیری عوام کی تاریخ اور حالتِ زار کو اجاگر کرنے کے لیے وقف تھا۔ 1934 میں منشی صاحب کی پیرانہ سالی اور دیگر تحقیقی سرگرمیوں کے سبب یہ بند ہو گیا۔

بیسویں صدی کے اوائل میں خواب غفلت میں ڈوبی ہوئی کشمیری قوم کو تاریخی، تہذیبی، ثقافتی علمی وادبی اور تحریکی محاذ پر بیدار کرنے اور انہیں دنیا کی آزاد و باوقار قوموں کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے منشی محمد دین فوق نے بے پناہ خدمات سرانجام دیں۔ انہوں نے اپنی ساری عمر کشمیری عوام کی خاطر وقف کر دی تھی۔ اسی لیے علامہ اقبال نے انہیں "مجدد الکشامرہ" (کشمیریوں کو نئی زندگی دینے والا) کا خطاب دیا۔

منشی محمد دین فوق نے ایک سو کے قریب کتب ورسائل لکھے۔ کشمیر کے موضوع پر ان کی کتب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مکمل تاریخ کشمیر (۳ جلدیں) ۲۔ تاریخ اقوام کشمیر (۳ جلدیں) ۳۔ راہنمائے کشمیر ۴۔ شاہی سیر کشمیر ۵۔ سفرنامہ کشمیر ۶۔ غنی کاشمیری ۷۔ لَلہ عارفہ ۸۔ کشمیر کی رانیاں ۹۔ مشاہیر کشمیر

۱۰۔خواتین کشمیر ۱۱۔ شباب کشمیر ۱۲۔ حکایات کشمیر ۱۳۔ کشمیری زمیندار ۱۴۔ تذکرہ سلطان زین العابدین ۱۵۔ تاریخ اقوام پونچھ (۲ جلدیں) ۱۶۔حکمت کے موتی ۱۷۔ جغرافیہ پونچھ ۱۸۔ دربار بھمبر

۱۹۔کلام فوق (شاعری)۔

منشی محمد دین فوق کی کئی کتب ابھی زیر طبع تھیں یا مسودات کی صورت میں تھیں کہ وہ 1945 کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ان کے تحقیقی کام کو کسی حد تک محمد عبداللہ قریشی صاحب نے آگے بڑھایا۔[1]

****

11.... عبدالاحد آزاد (1903ء۔1948ء)

کشمیری زبان وادب کے عہد جدید میں عبدالاحد آزاد کو نہایت بلند پایہ مقام حاصل ہے۔ بیسویں صدی کے ادبی افق پر وہ ایک ترقی پسند اور انقلابی شاعر کی حیثیت سے اپنا ثانی نہیں رکھتے۔آزاد 1903 میں وادی کشمیر کے ضلع بڈگام، تحصیل چاڈورہ کے رانگر گاؤں میں ایک صوفی منش کا شتکار خواجہ سلطان ڈار کے ہاں پیدا ہوئے۔ مذہبی اور دینی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں فارسی اور کشمیری شاعری سے بھی گہرا شغف تھا۔معاشی تنگدستی کی وجہ سے وہ اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ان کے والد بھی ادبی اور مذہبی ذوق رکھتے تھے لیکن بوجوہ وہ اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم نہ دلوا سکے۔آزاد تعلیم کا سلسلہ ادھوا چھوڑ کر دکانداری کرنے لگے۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں غم روزگار کے ساتھ ساتھ آزاد کشمیری اور فارسی زبان میں شعر کہنے لگے۔اول انہوں نے غزل لکھی اور بعد ازاں دیگر اصناف سخن کی طرف متوجہ ہوئے۔1919ء میں ان کا تقرر عربی مدرس کی حیثیت سے زدہامہ پرائمری سکول میں ہوا۔تیرہ روپے ماہوار تنخواہ پر وہ درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ ہوگئے۔خداداد صلاحیتوں کی بنا پر وہ طلباء کو جغرافیہ، تاریخ، ریاضی اور دینیات وغیرہ پڑھانے پر مامور ہوئے۔انہی ایام میں انہوں نے کشمیری زبان وادب کا گہرا مطالعہ کیا اور وہ تخلیق کے ساتھ ساتھ تحقیق کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔1928ء میں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔عبدالاحد آزاد کی شادی ایک دیہاتی لڑکی سے ہوئی۔وہ شادی کے اس بندھن سے خوش نہ تھے۔اس کا اظہار انہوں نے اپنی شاعری میں بھی کیا ہے۔آزاد کا اکلوتا بیٹا محی الدین تھا وہ چار برس کی عمر میں بیماری کے سبب فوت ہوگیا۔آزاد گھر سے دور قصبہ ترال کے سکول میں تعینات تھے۔انہیں بچے کی

[1] بحوالہ مضمون مورخین کشمیر از حکیم محمد موسیٰ ادبی دنیا کشمیر نمبر

خیریت دریافت کرنے اور علاج معالجے کے لیے چھٹی نہ مل سکی۔ اس واقعہ نے آزاد کی دنیا بدل کر رکھ دی۔ وہ پہلے ''احد'' اور پھر ''جانباز'' تخلص کرتے تھے۔ اب انہوں نے ''آزاد'' تخلص کرلیا۔

1919ء سے 1931ء تک آزاد زوہامہ پرائمری سکول میں فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 1931ء میں جب کشمیری عوام نے شخصی راج کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو آزاد بھی اس جدوجہد میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے سرکار کا ملازم ہوتے ہوئے بھی قلمی وفکری محاذ پر اپنے عوام کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس جرم کی پاداش میں آزاد کو قریہ قریہ تبادلہ جات کا عذاب سہنا پڑا۔ لیکن آزاد نے یہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ وہ اپنے سسرالی گاؤں سوسیار تعینات تھے کہ انہیں اپنڈیس سائٹس کا مرض لاحق ہوا۔ بروقت علاج نہ ہونے کے سبب زہر جسم میں پھیل گیا چنانچہ 45 برس کی عمر میں 4 اپریل 1948ء کو عہد جدید کا یہ پیامبر، عظیم انقلابی اور شاعر انسانیت داعی اجل کو سرینگر کے ایک ہسپتال میں لبیک کہہ گیا۔ میت کو رانگر لے جا کر آبائی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

کشمیری شاعری میں عبدالاحد آزاد کو عہد نو کا پیامبر اور نئی نسل کا نمائندہ شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے حسن وعشق کے قصوں کو چھوڑتے ہوئے حریت فکر، آزادی، حب الوطنی اور انسانی مساوات اور عزت واحترام کے گیت گائے۔ انہوں نے غزل، نظم اور مثنوی کی اصناف کو ذریعہ اظہار بنایا۔ عبدالاحد آزاد کی نظموں میں ''دریاؤ'' بلاشبہ ایک لافانی نظم ہے۔ اس نظم میں دریا کی زبانی آزاد نے فکر وعمل کا انقلابی پیغام دیا ہے۔ عبدالاحد آزاد کے چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

ترجمہ: میں نے سخت چٹانوں کے دل دھو کر صاف کر دیئے ہیں۔ یہ میرے بہاؤ کی قوت ہے۔
گلوں کی محفل میں اور بلبلوں کے ہجوم میں میں نے اپنے سنتور پر شیریں نغمے چھیڑے

ترجمہ: غلامی کی زنجیریں توڑنا، جبر واستبداد کو مٹانا، جہالت اور توہمات کو ختم کرنا میرے سپنے ہیں، آرزوئیں ہیں اور یہی آدرش میرا نعرہ ہے۔

ترجمہ: اے ننگے پاؤں مزدور تیرے خون جگر سے ہی بادشاہوں کے شاہی ملبوسات میں ہیرے جڑے جاتے ہیں لیکن تیری اپنی کھوپڑی سورج کی تپش سے جھلس گئی ہے۔

اے مزدور! سرمایہ دار کو دوش نہ دو۔ ہر ایک انسان اپنے آپ کو آزاد بھی کر سکتا ہے اور غلام بھی بنا سکتا ہے

ترجمہ: اگر ہم یہ کہیں کہ حکومت تقدیر سے ملتی ہے اور کسی خاندان کے حصے میں اقتدار لکھا ہوتا ہے تو پھر مجھے بتاؤ آزادی کیا ہے اور انقلاب کیا ہے۔

عبدالاحد آزاد نے اردو، فارسی اور کشمیری زبان میں تخلیقات اور تحقیقات کا جو گراں قدر اثاثہ چھوڑا ہے اس میں کشمیری زبان وادب کی تاریخ کے موضوع پر ان کا تحقیقی کام ''کشمیری زبان اور شاعری''

کے عنوان سے تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ کشمیری زبان میں لکھی گئی تین مثنویاں، ان کا فارسی مجموعہ کلام ''حرامِ صبا'' اور کشمیری کلام، ''کلیاتِ آزاد'' شامل ہیں۔ انہوں نے دیگر کشمیری شعرا کا بکھرا ہوا کلام جمع کرنے کا اہم فریضہ بھی سرانجام دیا۔[1]

****

12.... راجہ محمد اکبر خان (1894ء، 1946)

کشمیر میں ڈوگرہ دورِ حکومت میں عوامی راج کے لیے جن راہنماؤں نے علمِ بغاوت بلند کیا ان میں راجہ اکبر خان کا نام سرفہرست آتا ہے۔ راجہ اکبر خان کو ڈوگرہ راج کا پہلا باغی راہنما بھی کہا جاتا ہے۔ قیاس ہے کہ راجہ صاحب 1894ء میں پیدا ہوئے ان کا گاؤں عبداللہ پور چمہال دریائے جہلم اور پونچھ کے سنگم پر واقع تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ پہلی جنگ عظیم میں انہیں ایران، حجاز مقدس، اور ترکی جانے کا موقع ملا جس سے ان پر برٹش راج کی ذہنیت آشکارا ہو گئی۔ بیرونی دنیا کے اس سفر سے انہیں احساس ہو گیا کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے اور غلامی کتنی بڑی ذلت ہے۔ انہوں نے انگریز کی ملازمت کا جوا اتار پھینکا اور واپس آ گئے۔ آپ نے محکمہ جنگلات اور کوآپریٹو بینک میں بھی ملازمت کی لیکن ملازمت راس نہ آئی۔ کشمیر میں ڈوگرہ راج کے خلاف 32-1931ء میں میرپور میں عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک چلی تو راجہ صاحب نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آیا تو آپ صفِ اوّل کے راہنماؤں میں شمار کیے گئے۔ آپ طبعاً باغی مزاج تھے۔ ان کے رگ و ریشے میں بغاوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سیاسی زندگی کا بیشتر حصہ قید و بند کی صعوبتوں میں گزارا۔ 1939ء میں جب مسلم کانفرنس کے بجائے نیشنل کانفرنس کا قیام عمل میں آیا تو راجہ صاحب نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے پھر مرتے دم تک اس جماعت سے وابستہ رہے۔ ڈوگرہ راج کے خلاف بغاوت کے جذبات ابھارنے اور ضلع میرپور میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کا سہرا راجہ محمد اکبر خان کے سر ہے۔ آپ نے میرپور سے ''ہمت'' اور ''سچ'' کے نام سے ہفت روزے بھی جاری کیے تھے۔ ''سچ'' آج بھی جموں سے شائع ہوتا ہے۔ آپ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں مقبول تھے۔ آپ باکردار سچ گو، رحمدل، سادہ طبیعت اور غریب پرور انسان تھے۔ آزادی، مساوات، ایثار اور عوامی خدمت آپ کا پیشہ تھا۔ آپ کو حکومتِ وقت اور انگریز سرکار اپنا دشمن خیال کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے

---

[1] عبدالاحد آزاد کے مفصل حالاتِ زندگی اور فکر و فن کے لیے ملاحظہ فرمائیں راقم کی تصنیف ''مقالاتِ کشمیر''

کہ آپ کو دوران قید زہر دے دیا گیا جو جسم میں پھیل گیا۔ کافی علاج کروایا گیا لیکن جاں بر نہ ہو سکے۔ جد وجہد آزادی کا یہ عظیم سپوت 21 اکتوبر 1946ء کو اپنے گاؤں میں انتقال کر گیا۔ منگلا ڈیم بننے کے موقع پر ان کے جسد خاکی کو قبر کشائی کر کے میر پور میں پولیس لائن کے نزدیک لا کر دفن کیا گیا۔

****

13.... کے۔ایچ خورشید شہیدؒ (1924ء-1988ء)

خورشید حسن خورشید المعروف کے ایچ خورشید 3 جنوری 1924ء کو سری نگر کے ایک متوسط خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی محمد حسن عالم باعمل اور درویش صفت انسان تھے۔ وہ عرصہ دراز تک گلگت میں بطور ہیڈ ماسٹر خدمات انجام دیتے رہے اور پھر انسپکٹر آف مسلم سکولز کے عہدے پر تعینات رہے۔ خورشید حسن کو ابتدائی دینی تعلیم گھر پر ہی دی گئی۔ انہوں نے 1938ء میں میٹرک کا امتحان سری پرتاپ سنگھ ہائی سکول سری نگر سے اوّل پوزیشن میں پاس کیا۔ اسی سال ایس پی ہائی سکول کو انٹر کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ خورشید حسن نے ایف اے اسی کالج سے کرنے کے بعد امر سنگھ ڈگری کالج میں داخلہ لے لیا۔ انہوں نے کالج کے زمانے میں Best Speaker کا انعام حاصل کیا۔ مضمون نویسی کا مقابلہ ہو یا کوئی ڈرامائی پروگرام خورشید حسن علمی و ادبی سرگرمیوں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔

خورشید حسن نے باقاعدہ سیاست کا آغاز ایس پی کالج میں ہونے والے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے اور ان کے چند ساتھیوں نے 1940ء میں ریاست جموں وکشمیر میں مسلم سٹوڈنٹس یونین کی بنیاد رکھی یہ کشمیری طلباء کی پہلی سیاسی تنظیم تھی۔ خورشید حسن اس کے پہلے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ یونین کے صدر احمد اللہ رعنا تھے۔

ریاست جموں کشمیر میں یہ دور انتشار اور خلفشار کا دور تھا۔ ایک طرف مسلمانانِ ریاست حکومتِ وقت کے خلاف عوامی حقوق کی جدوجہد میں مصروف تھے اور دوسری طرف مسلم کانفرنس نے اپنے قیام کے سات برس بعد 1939ء کو اپنا وجود نیشنل کانفرنس میں بدل کر شیخ عبداللہ کی پیروی شروع کر دی۔ ریاست کا باشعور اور مخلص طبقہ اس تبدیلی کو ملک وملت کے خلاف بدشگونی خیال کرنے لگا۔ مسلم کانفرنس کے نظریاتی کارکن گوشہ تنہائی میں چلے گئے۔ شیخ عبداللہ نے اپنے آپ کو مسلمانوں کا واحد اور غیر متنازعہ لیڈر ثابت کرنے کے لیے زبردست سیاسی حربے استعمال کیے، جنہیں مسلم کانفرنس کے لال بجھکڑ سمجھنے سے عاری رہے۔ 1940ء میں جب قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو مسلم کانفرنس کا کہیں کوئی وجود نہیں تھا۔ ریاست میں اسلامی نظریہ حیات اور مثبت طرز سیاست پر یقین رکھنے والا ایک بڑا عنصر بے یقینی اور پریشانی کی دلدل میں پھنس چکا تھا۔ ان حالات

میں مسلم سٹوڈنٹس یونین کا قیام اسلامیانِ ریاست کے لیے حیات آفرین پیغام ثابت ہوا۔ یونین کے نوجوان راہنماؤں نے دن رات کی محنتِ شاقہ کے بعد جب یونین کا سیاسی منشور پیش کیا تو مجاہد منزل سے لے کر راج محل تک بڑے بڑوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مسلم سٹوڈنٹس یونین نے ریاست جموں کشمیر میں تحریکِ پاکستان کی حمایت میں جس جانفشانی اور لگن سے کام کیا اس کے اعتراف میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ اجلاس منعقدہ جالندھر، نومبر 1942ء میں قائدِ اعظم محمد علی جناح نے یونین کے سیکرٹری جنرل کے ایچ خورشید کو حسنِ کارکردگی کا پرچم عطا کیا اور پرچم تھماتے ہوئے فرمایا "This is Your's and keep it up".۔ سیاست کے ساتھ ساتھ کے ایچ خورشید صحافت میں بھی گہری دلچسپی لیتے تھے۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی محمد امین شمیم کے ساتھ مل کر ایک سوشل اخبار شائع کیا جو محدود پیمانے پر تقسیم ہوتا تھا۔ یہ اخبار خصوصاً بچوں کے لیے بڑا مفید ثابت ہوا۔ بعدازاں کے ایچ خورشید 1943ء میں ریاست کے نامور صحافی اے آر ساغر کے ہفت روزہ ''جاوید'' سے منسلک ہو گئے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح جب مئی 1944 میں کشمیر تشریف لے گئے تو مسلم سٹوڈنٹس یونین نے ان کے اعزاز میں استقبالیے کا بندوبست کیا۔ یونین کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے خورشید حسن نے استقبالیہ خطبہ پیش کیا تو قائدِ اعظم کی مردم شناس نظریں مسٹر خورشید حسن پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ خورشید حسن کے اندر چھپی ہوئی غیر معمولی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر انہیں قائدِ اعظم نے اپنا پرائیویٹ سیکرٹری بننے کی پیش کش کی۔ اس وقت خورشید حسن کی عمر 20 سال تھی۔ یوں ریاست جموں کشمیر کے اس ہونہار طالبعلم کو قائدِ اعظمؒ کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔

قائدِ اعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے مسٹر خورشید نے تحریکِ پاکستان کے انتہائی اہم دور کو بہت قریب سے دیکھا۔ لارڈ پیتھک لارنس کی قیادت میں 1946ء میں کیبنٹ مشن کی آمد۔ 1946ء میں مسلم لیگی اور کانگریسی لیڈروں کی برطانیہ روانگی، لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی طرف سے انتقالِ اقتدار کے مذاکرات، غرض 1944ء سے لے کر ستمبر 1947ء تک تحریکِ پاکستان کے ہر معمولی و غیر معمولی موڑ پر کے ایچ خورشید قائدِ اعظم کے دستِ راست کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ برِ عظیم کے اس عظیم قائد کے ساتھ مسٹر خورشید حسن روزانہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتے رہے۔ قائدِ اعظم اور ان کے جاں فروش سیکرٹری کی یہی شب و روز کی کاوشیں قیامِ پاکستان کا اولین سبب ٹھہریں۔ قائدِ اعظم نے یہ جو فرمایا تھا ''پاکستان میں نے، میرے ٹائپ رائٹر نے اور میرے سیکرٹری نے بنایا ہے''۔ اس سیکرٹری سے مراد مسٹر خورشید حسن ہی تھے۔ قائدِ اعظم کو اپنے اس معتمدِ خاص پر مکمل اعتماد تھا۔ ایک بار مولوی محمد حسن قائدِ اعظم سے اپنے بیٹے کی خیریت دریافت کرنے آئے تو قائدِ اعظم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: "Don't worry Khurshid will be a great man"

1946ء میں سری نگر میں مسٹر خورشید حسن کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔۔۔۔۔ جس کی خبر انہیں بروقت مل گئی۔ قائد اعظم نے ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی لے دیا لیکن انہوں نے قائد اعظم کو اس مشکل وقت میں تنہا چھوڑ نا گوارا نہ کیا اور کشمیر واپس نہ گئے۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی کہ جب مسٹر خورشید قائد اعظم کے سیکرٹری بن کر ہندوستان آنے لگے تو انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا تھا ''میں اب اس وقت کشمیر واپس آؤں گا جب پاکستان بن جائے گا''۔ کے ایچ خورشید نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دکھایا۔ چنانچہ وہ قیام پاکستان کے بعد 30 ستمبر 1947ء کو قائد اعظم کی اجازت سے براستہ جہلم ویلی روڈ اپنے گھر سری نگر چلے گئے۔

سری نگر پہنچنے کے چند روز بعد انہیں یکم نومبر 1947ء کو گرفتار کر لیا گیا لیکن دوسرے ہی روز رہا کر دیا گیا۔ چند روز بعد دوبارہ بلا وجہ گرفتار کر لیا گیا اور قید کی طویل سزا سنا کر کچھ عرصہ سری نگر جیل میں اور بعد ازاں رام نگر جیل میں پابندِ سلاسل رکھا گیا۔ رام نگر جیل میں ہی 11 ستمبر 1948ء کو انہوں نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کی المناک وفات کی خبر سنی تھی۔ خورشید حسن اس خبر کو زندگی کی بدترین خبر کہا کرتے تھے۔ بالآخر 13 ماہ بعد دسمبر 1948ء کو رہائی نصیب ہوئی اور جنوری 1949ء کو دیگر کشمیری لیڈروں کے ہمراہ جلاوطن کر کے پاکستان بھیج دیے گئے۔

پاکستان میں آ کر کے ایچ خورشید شعبہ صحافت سے منسلک ہو گئے اور مشہور صحافی عزیز بیگ کے تعاون سے لاہور سے ہفت روزہ "Guardian" کا اجراء کیا۔ گارڈین قیام پاکستان کے بعد شائع ہونے والا پہلا انگریزی اخبار تھا جس میں حکومتِ وقت کی آمرانہ پالیسیوں پر سخت تنقید کی جاتی تھی۔ اخبار کی حق گوئی نے اسے بے حد مقبول بنا دیا لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد ''گارڈین'' بند ہو گیا کیونکہ مرکزی حکومت نے صحافت میں دخل اندازی شروع کر دی تھی۔ خواجہ شہاب الدین وزیر اطلاعات ونشریات تھے وہ ملک کے نامور صحافیوں میں پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔ حریت پسند صحافیوں نے ''آل پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس'' کے نام سے ایک تنظیم بنائی جس میں حمید نظامی، فیض احمد فیض، آغا شورش کاشمیری، زیڈ اے سلہری، عزیز بیگ اور کے ایچ خورشید پیش پیش تھے۔ اس تنظیم کے پہلے صدر فیض احمد فیض تھے جب کہ کے ایچ خورشید کو سیکرٹری جنرل بنایا گیا۔ کے ایچ خورشید نے بڑی محنت سے اس تنظیم میں کام کیا۔ اسی دوران لیڈر ایکسچینج پروگرام کے تحت خورشید حسن اور ابوسعید بزمی حکومتِ امریکہ کی دعوت پر امریکہ گئے۔

مسٹر کے ایچ خورشید کے مستقبل کے بارے محترمہ فاطمہ جناح بہت متفکر رہتی تھیں۔ چنانچہ امریکہ سے واپس آنے پر محترمہ نے خورشید حسن کو مشورہ دیا کہ وہ فی الحال سیاست میں دلچسپی نہ لیں، پہلے تعلیم مکمل کر لیں۔ ساتھ ہی انہوں نے تمام تعلیمی اخراجات خود برداشت کرنے کا یقین دلایا۔ چنانچہ کے ایچ خورشید برطانیہ چلے گئے اور بار ایٹ لاء کے لیے لنکنز ان میں داخلہ لے لیا۔ انہی دنوں پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر کی پیروی کر رہے تھے انہوں نے لندن سے مسٹر خورشید کو مشورے کے لیے بلایا۔

1954ء میں کے ایچ خورشید برطانیہ سے بار ایٹ لاء کی ڈگری لے کر واپس پاکستان آئے اور کراچی میں انہوں نے اے کے بروہی اور آئی آئی چندریگر کے ساتھ وکالت شروع کر دی۔ چند ماہ ان کے اسسٹنٹ کے طور پر کام کرتے رہے لیکن اپنی قابلیت کی بدولت جلد ہی اپنے الگ دفتر میں کام شروع کر دیا۔ 1955ء میں "تحریکِ تعمیرِ ملی" کا آغاز ہوا تو مسٹر کے ایچ خورشید کو اس کا سیکرٹری جنرل بنایا گیا۔ 1956ء میں وہ حکومتِ آزاد کشمیر کے پبلسٹی ایڈوائزر مقرر ہوئے۔ 1958ء میں چوہدری غلام عباس کی کوششوں سے کشمیر لبریشن موومنٹ (K.L.M) شروع ہوئی تو انہوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 2 جون 1958ء کو دیگر قائدینِ تحریک کے ہمراہ جنگ بندی لائن عبور کرنے جا رہے تھے کہ کوہالہ پل پر گرفتار کر لیے گئے۔ پھر 6 ماہ بعد گھوڑا گلی سب جیل سے رہا ہوئے۔ اس وقت ایوب خاں پاکستان میں مارشل لاء نافذ کر چکے تھے۔ سردار محمد ابراہیم خاں کو آزاد کشمیر کی صدارت سے الگ کر دیا گیا۔ چنانچہ 1958ء کے "رولز آف بزنس" کے تحت مسٹر کے ایچ خورشید کو آزاد کشمیر کا صدر نامزد کیا گیا۔ انہوں نے یکم مئی 1959ء کو بطور صدرِ آزاد کشمیر حلف اٹھایا۔

کے ایچ خورشید سے قبل آزاد کشمیر ایک بے آئین اور بدنظام خطہ تھا۔ یہاں رہنے والے اپنے آپ کو لاوارث اور یتیم سمجھتے تھے۔ قبل ازیں مسلم کانفرنس کے 13 سالہ دور میں وزارتِ امورِ کشمیر کے کلرکوں نے یہاں کے حکمران اور رعایا دونوں کو گداگر اور طفیلی بنا دیا تھا۔ ایک طرف وزارت اسی شخص کو صدر بناتی جو ان کا منظورِ نظر ہوتا، دوسری طرف وزراء کا چناؤ بھی وہی کرتی اور خدمت گذاری کے عوض انہیں 300 تا 500 روپے ماہانہ وظیفہ دیتی۔ بجٹ، نظامِ حکومت اور تعمیر و ترقی کیا ہوتی ہے؟ حکمران اور عوام دونوں اس سے ناآشنا تھے۔ وزارت کا سیکرٹری جب مری سے کراس کر آتا تو مظفر آباد میں بیٹھے آزاد کشمیر کے صدر پر کپکپی طاری ہو جاتی۔ وہ بمعہ وزراء کوہالہ پل پر پہنچ کر سیکرٹری کی خدمت میں سلامِ تعظیم بجا لاتا۔

کے ایچ خورشید نے ایوانِ صدر میں قدم رکھتے ہی عزت و وقار کا نعرہ بلند کیا۔ آزاد کشمیر کے عوام کو کاسۂ گدائی توڑ کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا درس دیا۔ حکومت کا انداز یکسر بدل گیا۔ اب آزاد کشمیر کی حکومت یہاں کے عوام کی فلاح و خدمت کا مشن لے کر آگے بڑھی۔ قومی غیرت اور انسانی شعور کو پروان چڑھنے کا موقع میسر آیا۔ کے ایچ خورشید نے آزاد کشمیر میں بنیادی جمہوری نظام رائج کیا۔ چنانچہ آزاد کشمیر کی تاریخ میں پہلی بار 20 نومبر 1960ء کو 2400 کونسلرز کے چناؤ کے لیے انتخابات ہوئے۔ انہی کونسلرز نے 7 اکتوبر 1961ء کو آزاد کشمیر کے پہلے صدارتی انتخابات میں حصہ لیا۔ ان انتخابات میں کے ایچ خورشید کو کامیابی حاصل ہوئی اور انہیں آزاد کشمیر کے پہلے منتخب صدر کا اعزاز حاصل ہوا۔ 1962ء میں آپ نے "جموں کشمیر لبریشن لیگ" کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی جس نے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو ریاست جموں کشمیر کی نمائندہ اور ذمہ دار حکومت تسلیم کرنے کا نظریہ پیش کیا۔

کے ایچ خورشید نے اپنے دورِصدارت میں جو تاریخ ساز جدوجہد کی اس کے نمایاں پہلو حسب ذیل تھے۔ بنیادی جمہوریتوں کا نظام، انتخابی نظام کا قیام، تعمیر وترقی کے منصوبہ جات، پنج سالہ منصوبہ جات، زرعی اصلاحات، جاگیرداری نظام کا خاتمہ، سٹیٹ کونسل کا قیام اور نظریہ تسلیم کشمیر کا فروغ۔

کے ایچ خورشید کے یہ انقلابی اقدامات وزارتِ امورِ کشمیر کے دل میں کانٹے بن کر چبھنے لگے۔ وزارتِ امورِ کشمیر کے سازشی عناصر کا کردار بڑا نمایاں تھا۔ چنانچہ جب صدر ایوب سے ان کے اختلافات بڑھ گئے تو وہ 15 اگست 1964ء کو مستعفی ہو کر کراچی چلے گئے۔ ایوب خاں اور فاطمہ جناح کے انتخابی معرکے میں انہوں نے محترمہ کے چیف پولنگ ایجنٹ کی ذمہ داری سرانجام دی۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ سے ایک ماہ قبل ایک روز مسٹر کے ایچ خورشید کو راولپنڈی میں میرواعظ مولانا یوسف شاہ کے گھر سے اچانک اغواء کر کے پلندری جیل میں محبوس کر دیا گیا۔ چند روز بعد انہیں دولائی کیمپ مظفر آباد میں منتقل کر دیا گیا۔ بالآخر 13 فروری 1966ء کو انہیں دلائی کیمپ سے رہا کیا گیا۔ رہائی کے بعد کے ایچ خورشید سیاسیاتِ کشمیر میں پوری طرح سرگرم عمل ہو گئے۔ چنانچہ 1969ء میں انہوں نے لبریشن لیگ کے پلیٹ فارم سے جمہوری نظام حکومت کے قیام کے لیے ایک زبردست تحریک شروع کی۔ تحریک کا مقصد آزاد کشمیر میں سٹیٹ کونسل کی بجائے ایک منتخب قانون ساز اسمبلی قائم کرنا تھا۔ کے ایچ خورشید کی یہ تحریک بہت کامیاب ہوئی۔ بالآخر یحییٰ خاں نے قانون ساز اسمبلی کے قیام کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔

1973ء میں کے ایچ خورشید نے برطانیہ کا تاریخ ساز دورہ کیا۔ اس دورے میں انہوں نے برطانیہ کے کونے کونے میں آباد کشمیریوں تک آزادی کا پیغام پہنچایا اور برطانوی ارکانِ پارلیمنٹ سے ملاقاتیں کر کے انہیں مسئلہ کشمیر کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ یہ وہ دور تھا جب پاکستان میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت تھی۔ بھٹو کے کے ایچ خورشید سے دوستانہ مراسم تھے۔ اس نے خورشید صاحب کو یقین دلایا کہ آپ ہمارے ساتھ مل کر کام کریں تو ہم مسئلہ کشمیر کو حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کا اصرار تھا کہ لبریشن لیگ کو پیپلز پارٹی میں مدغم کر دیا جائے چنانچہ بھٹو کی یقین دہانی پر کے ایچ خورشید نے 1976ء میں لبریشن لیگ کو پیپلز پارٹی میں ضم کر دیا۔ 1977ء میں چلنے والی ''تحریکِ نفاذِ نظامِ مصطفیٰ'' کے نتیجے میں بھٹو کی حکومت ختم کر کے جنرل ضیاء الحق نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد کے ایچ خورشید نے دوبارہ لبریشن لیگ کو بحال کر کے منظم کیا۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لائی دور میں ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی لیکن کے ایچ خورشید نے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک اپنی سرگرمیاں بلاخوف وخطر جاری رکھیں۔ 1984ء میں انہوں نے برطانیہ اور امریکہ کا دورہ کیا۔ اس موقع پر انہوں نے تحریکِ آزادی کشمیر کی بین الاقوامی سطح پر بھرپور نمائندگی کی۔

1985ء میں قانون ساز اسمبلی کے عام انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں کے ایچ خورشید مہاجرین کشمیر کی نشست کے لیے لاہور کے انتخابی حلقے سے بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے۔ مسلم کانفرنس نے دھاندلی کی بنیاد پر زیادہ نشستیں حاصل کیں چنانچہ وہ حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ ادھر اپوزیشن کی جماعتوں نے متفقہ طور پر کے ایچ خورشید کو قائدِ حزبِ اختلاف مقرر کیا۔ انہوں نے اسمبلی میں قائدِ حزبِ اختلاف کا تاریخی کردار ادا کیا۔

جولائی 1986ء میں کے ایچ خورشید نے برمنگھم میں منعقدہ آل پارٹیز کشمیر کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کانفرنس میں 12 کشمیری جماعتوں نے شرکت کی۔ کے ایچ خورشید کی کوششوں سے کانفرنس میں شریک تمام جماعتوں نے ایک مشترکہ اعلامیے پر دستخط کئے۔ انہی دنوں ہرارے میں غیر جانبدار ممالک کی آٹھویں سربراہ کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ کے ایچ خورشید نے موقع غنیمت جانا اور ہرارے پہنچ گئے۔ وہاں انتہائی راز دارانہ انداز سے کانفرنس میں شریک ہوئے اور خود اپنے ہاتھوں سے ایک تاریخی میمورنڈم ٹائپ کر کے 101 ممالک کے نمائندوں میں تقسیم کیا۔ اس سے دنیا مسئلہ کشمیر کے حقیقی تناظر سے آگاہ ہوئی۔

1987ء میں آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی زیرِ نگرانی بلدیاتی انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں جو وسیع پیمانے پر دھاندلی ہوئی اس کے خلاف حزبِ اختلاف کی تمام سیاسی جماعتوں نے ''تحریک بحالی جمہوریت'' کے نام سے ایک احتجاجی تحریک شروع کی۔ تحریک کے زبردست عوامی دباؤ سے حکومت بوکھلا اٹھی۔ عوامی اتحاد نے فیصلہ کیا کہ 23 مارچ 1988ء کو دھاندلی کی پیداوار حکومت کے خلاف لانگ مارچ ہوگا اور 24 مارچ کو متوازی حکومت قائم کر دی جائے گی۔ 10 مارچ کو میرپور میں وکلاء کنونشن منعقد ہوا جس میں مسٹر کے ایچ خورشید بطورِ مہمانِ خصوصی شریک ہوئے۔ انہوں نے کنونشن میں جو تاریخی خطاب کیا وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ یہ ان کی زندگی کا آخری خطاب تھا لیکن کسی کو کیا علم؟ انہوں نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''انسان آتے جاتے رہتے ہیں مگر ان کے اصول ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ جو لوگ اصولوں کی خاطر زندہ رہتے ہیں وہ ہمیشہ کے لیے امر ہو جاتے ہیں۔ انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کی خاطر جدوجہد کرنے والے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں''۔

''تاریخ میں ایک عظیم لانگ مارچ ماؤزے تنگ کی قیادت میں ہوا تھا۔ 23 مارچ کو ہمارا لانگ مارچ تاریخ کا رخ پھیر دے گا۔ ہم تاریخ میں نام پیدا کریں گے، ہماری قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ ہماری قربانیاں آئندہ آنے والی نسلوں کو آزادی، محبت، مساوات، امن اور عدل و انصاف کا سبق دیں گی اور اسلامی جمہوری اصولوں پر گامزن

معاشرہ پیدا کرنے میں سنگِ میل کی حیثیت اختیار کریں گی"۔ لے

میرپور سے گیارہ مارچ کو کے ایچ خورشید پچھلے پہر لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔ دوستوں نے مزید ٹھہرنے کے لیے بہت اصرار کیا لیکن وہ ہر حال میں لاہور پہنچنا چاہتے تھے کیونکہ وہ اپنے اہل خانہ سے 11 مارچ کو واپس آنے کا وعدہ کر گئے تھے۔ گجرات تک انہوں نے اپنے ایک پارٹی کارکن راجہ بسی محمد (مرحوم) کے ہمراہ ان کی گاڑی میں سفر کیا۔ گجرات پہنچے تو راجہ بسی محمد کو گھر جانے کی اجازت دے کر خود مسافر وین پر بیٹھ گئے۔ گوجرانوالہ بائی پاس سے گزرتے ہوئے تیز رفتار ویگن کو ڈرائیور نے سڑک کے کنارے کھڑی ٹرالی سے ٹکرا دیا اور خود چھلانگ لگا کر بھاگ گیا۔ یہ ڈرائیور وزیرآباد سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ گجرات سے آنے والا ڈرائیور یہاں اتر گیا تھا۔ کے ایچ خورشید چونکہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے اس لیے جاں بر نہ ہو سکے اور ہسپتال پہنچ کر دم توڑ گئے۔ آپ کی نماز جنازہ 12 مارچ کو لاہور میں اور پھر 13 مارچ کو مظفرآباد میں ادا کی گئی۔ آخری وصیت کے مطابق آپ کو مظفرآباد میں دفن کیا گیا۔

اے قلبِ شناسا ماتم کر، اے چشمِ بینا سوگ منا
جو روشنی بانٹنے آیا تھا وہ چاند وہ سورج ڈوب گیا

کوئی بھی شخصیت جاہ و اقتدار یا مال و متاع کے انبار سے زندہ نہیں رہتی بلکہ افکار و کردار کی عظمت ہی اسے حیاتِ جاوداں بخشتی ہے، کے ایچ خورشید نے ساری زندگی عزم و ہمت اور جرأت و بیباکی سے گزاری۔ انہوں نے نہ ہی گھر بار کی فکر کی اور نہ ہی مال و دولت جمع کیا۔ وہ ریاست جموں کشمیر کے عوام کے لیے افکار و کردار کا ایک ایسا روشن راستہ متعین کر گئے جس پر چل کر ہی یہ محکوم قوم غلامی سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ اس دورِ زوال میں ان کی سیاسی زندگی ان کی عظمت کی گواہ ہے۔

آج سیاست کی قبا شہرت پرستی، انا پرستی، جھوٹ، مکر و فریب، بدعہدی، بے ضمیری، تن پرستی، بد اخلاقی اور بے قاعدگی کی آلودگی میں لتھڑی ہوئی ہے۔ آج کل نت نئے جنم لینے والے بے شعور سیاست کار قدم قدم پر خود کو بیچتے اور ضمیر کو فروخت کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن کے ایچ خورشید کی سیاسی زندگی ان آلودگیوں سے بالکل پاک تھی۔ وہ سیاست کو عبادت کا درجہ دیتے تھے۔ انہوں نے اپنے اصولوں کو مکر و فریب اور مصلحت کوشی کی بھینٹ کبھی نہیں چڑھایا۔ ان کے نزدیک سیاست میں گرگٹ کی طرح روز روز رنگ بدلنا، مانگے تانگے کے اصولوں کا سہارا لینا اور ہر جائز و ناجائز ذرائع سے قومی دولت کو لوٹ لوٹ کر تجوریاں بھرنا محب وطن سیاست دان کے لیے ہرگز جائز نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے اصولوں پر ڈٹے رہے۔ کسی قسم کے لالچ یا دباؤ میں نہ آئے۔ اس

لے کے ایچ خورشید حیات و خدمات، ص 343

مرد درویش نے اقبال کے مردِ مومن کی سچی تصویر بن کر زندگی گزاری۔ ساری عمر فاقہ مستی اور درویشی میں بسر کی۔ نہ اپنا کوئی گھر بنایا، نہ جائیداد بنائی، نہ زمین خریدی، نہ کوئی بینک بیلنس رکھا۔ ان کا سرمایہ زیست وہ لمحات تھے جو انہوں نے قائدِ اعظم کی معیت میں گزارے۔ آج قائدِ اعظم کو دور سے ایک نظر دیکھنے والے بھی اپنے آپ کو ''قائدِ اعظم کا سپاہی'' لکھواتے اور لکھتے ہیں۔ نظریہ پاکستان کی الف، ب سے ناواقف لوگ نظریہ پاکستان کے علمبردار کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ قائدِ اعظم کے ساتھ اپنے تعلق کو کچے دھاگے سے باندھ کر فرضی قصے اور روائتیں بنا بنا کر قائد کے دیس اور اس کے عوام کی دولت سے اربوں اور کھربوں کی جائیدادیں بنا رہے ہیں۔ فرضی قصیدے اور بے بنیاد تاریخیں لکھواتے ہیں۔ لیکن قائدِ اعظم کے شانہ بشانہ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے تحریکِ پاکستان میں کام کرنے والے اس بے لوث اور بے غرض نوجوان نے اپنے زندگی کے حسین لمحات قائدِ اعظم کے مشن پر قربان کئے اور پھر ساری زندگی اپنی زبان سے کوئی ایسا لفظ ادا نہ کیا جس کا مقصد قائدِ اعظم کے ساتھ اپنے تعلق کو ثابت کر کے اپنی ذات کو مالا مال کرنا ہو۔ اُس انسان کی عظمت کی یہی دلیل کافی ہے کہ وہ ایک معمولی وین میں سفر کرتا ہوا جامِ شہادت نوش کر گیا۔

ریاست جموں کشمیر کے محکوم عوام کے لیے خورشیدِ ملت نے چوکھی لڑائی لڑی۔ ایک طرف ان کا دل ریاست جموں کشمیر کے مفاد پرست اور بے شعور سیاست کاروں کو دیکھ دیکھ کر کڑھتا، جن سے ان کا ہر وقت پالا پڑا رہتا، دوسری طرف وہ اپنے وطن پر غیر ملکی فوجی قبضے کے خلاف بین الاقوامی پلیٹ فارم پر جنگ لڑتے رہے تیسری طرف انہوں نے ریاستی عوام میں فکر و کردار کی ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے شب و روز کام کیا، چوتھی طرف ریاست جموں کشمیر سے باہر آباد کشمیریوں کے حقوق کے لیے اور ان کے مستقبل کے لیے تگ و دو کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ وہ ریاست کے بٹے ہوئے خطوں میں یکساں مقبول تھے۔ کے ایچ خورشید گلگت بلتستان، آزاد کشمیر، مقبوضہ کشمیر اور مہاجرینِ کشمیر مقیم پاکستان کے درمیان ایک رابطہ پل کی حیثیت رکھتے تھے۔ کے ایچ خورشید کا سب سے بڑا اعزاز و افتخار یہ ہے کہ اُنہوں نے کشمیر کی نئی نسل کو آزادی اور حقِ خود ارادیت کا حقیقی مفہوم سمجھایا۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

****

14 .... محمد مقبول بٹ شہیدؒ (1938ء - 1984ء)

محمد مقبول بٹ شہیدؒ بھارتی مقبوضہ کشمیر کے ضلع کپواڑہ کی تحصیل ہندواڑہ کے ایک گاؤں تریہگام

میں 18 فروری 1938ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام غلام قادر بٹ تھا جو محنت پیشہ آدمی تھے۔ مقبول بٹ نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے پرائمری سکول سے حاصل کی۔ بی اے سینٹ جوزف کالج بارہ مولا سے کیا۔ سکول اور کالج کے زمانے میں مقبول بٹ تحریکی وسماجی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ اس نوجوان کی انہی سرگرمیوں کو دیکھ کر کالج کے عیسائی پرنسپل مسٹر شنکس نے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ نوجوان کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے گا یا پھر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

مقبول بٹ نے جب بی اے کا امتحان دیا اس وقت وادیٔ کشمیر شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے سبب شدید ہنگاموں کی لپیٹ میں تھی چنانچہ بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ 1958ء کو اپنے چچا عبدالعزیز کے ہمراہ جنگ بندی لائن عبور کر کے آزاد کشمیر میں داخل ہو گئے۔ پاکستان کے سرحدی محافظوں نے انہیں پوچھ گچھ کے لیے قلعہ مظفرآباد میں نظر بند کر دیا۔ رہائی کے بعد مقبول بٹ پشاور میں سکونت پذیر ہوئے جہاں محبت خان نامی ایک کشمیری کی کاوش سے انہیں پشاور یونیورسٹی میں ایم اے میں داخلہ مل گیا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ پشاور سے شائع ہونے والے ایک اخبار ''انجام'' میں بھی کام کرتے رہے۔ انہوں نے ایک ہفتہ وار ''خیبر ویکلی'' رسالہ شروع کیا لیکن اسے مالی مجبوریوں کے سبب جاری نہ رکھ سکے۔ آپ نے پشاور یونیورسٹی سے ایم اے اردو اور ایم اے صحافت کی ڈگریاں حاصل کیں۔ 1961ء میں ان کی شادی اپنی ایک قرابت دار خاتون راجہ بیگم سے ہوئی جس سے یکے بعد دیگرے دو بیٹے جاوید مقبول اور شوکت مقبول پیدا ہوئے۔ مقبول بٹ نے کے ایچ خورشید کے دورِ صدارت میں 1960ء میں بی ڈی سسٹم کے تحت ہونے والے آزاد کشمیر کے پہلے بلدیاتی انتخابات میں بطور امیدوار حصہ لیا اور کامیاب ہوئے۔ 1965ء میں انہوں نے ایک سکول معلمہ ذاکرہ بیگم سے شادی کی جس سے ایک بیٹی لبنیٰ مقبول پیدا ہوئی۔

1965ء میں مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں نے محاذ رائے شماری کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی۔ اپریل 1965ء میں سیالکوٹ کے مقام پر محاذ کا پہلا کنونشن منعقد ہوا جس میں مقبول بٹ محاذ کے پبلسٹی سیکرٹری مقرر ہوئے۔ کنونشن سے فارغ ہونے کے بعد محاذ کے مرکزی عہدیداروں نے سیالکوٹ اور جموں کے درمیان سوچیت گڑھ کے بارڈر پر جا کر مقبوضہ وطن جموں کشمیر کی مٹی ہاتھ میں اٹھا کر حلف اٹھایا کہ وہ اس دھرتی کی عزت و آزادی کے لیے جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ مقبول بٹ اور ان کے ایک دوست امان اللہ خان نے 13 اگست کو محاذ کے ایک خفیہ عسکری ونگ NLF کی بنیاد رکھی جس کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ کشمیری نوجوانوں کو عسکری تربیت دے کر بھارت کی قابض افواج کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کیا جائے۔ مقبول بٹ نے این ایل ایف کے پلیٹ فارم سے کشمیر کی آزادی کے لیے مسلح جدوجہد کا نظریہ پیش کیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ آزادی مانگنے سے نہیں ملتی بلکہ غاصب سے چھین کر لینا پڑتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جب

تک کشمیری ہتھیار اٹھا کر قابض افواج کے خلاف نہیں لڑیں گے اس وقت تک کشمیر کی آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ چنانچہ بھارت کے خلاف گوریلا جنگ کا آغاز کرنے کے لیے وہ جون 1966ء میں اپنے چند ساتھیوں میجر امان اللہ خان، صوبیدار کالا خان اور اورنگزیب شہید (گلگت) کے ہمراہ جنگ بندی لائن عبور کر کے وادی کشمیر میں داخل ہو گئے جہاں تین ماہ تک وہ خفیہ طور پر تنظیم سازی کرتے رہے اور نوجوانوں کو فکری تربیت دیتے رہے۔ بالآخر مخبری ہونے کے سبب وہ اپنے ساتھیوں میر احمد اور صوبیدار کالا خان سمیت گرفتار ہو گئے اور انہیں سنٹرل جیل سری نگر میں قید کر دیا گیا۔ ان کا ایک ساتھی اورنگزیب اس معرکے میں شہید ہو گیا۔ مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں پر بغاوت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ قائم کیا گیا۔ کشمیر ہائی کورٹ کے ایک جج نیل کنٹھ گنجو نے انہیں سزائے موت سنائی۔ مقبول بٹ نے سزائے موت سنانے والے جج کو عدالت کے کٹہرے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا ''جج صاحب وہ رسی ابھی تیار نہیں ہوئی جو مقبول بٹ کے لیے پھانسی کا پھندہ بن سکے''۔

انہوں نے 9 دسمبر 1968ء میں اپنے دو ساتھیوں میر احمد اور چوہدری یسٰین کے ہمراہ سری نگر جیل میں سرنگ لگا کر راہ فرار اختیار کی اور کئی روز تک برف پوش پہاڑوں کو عبور کرنے کے بعد قاضی ناگ چھم کے راستے آزاد کشمیر پہنچ آئے۔ جہاں پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور بھارتی ایجنٹ ہونے کا الزام لگا کر مظفر آباد کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اس قلعہ میں مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں کو سخت اذیتیں دی گئی لیکن راہِ آزادی کے ان متوالوں کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی۔ کچھ عرصہ تشدد سے گزرنے کے بعد انہیں رہائی ملی تو پھر تحریکِ آزادی کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔ 1969ء میں مقبول بٹ کو محاذ رائے شماری کا مرکزی صدر منتخب کیا گیا۔ 31 جنوری 1971ء کو دو کشمیری نوجوانوں اشرف قریشی اور ہاشم قریشی نے بھارت کا گنگا طیارہ اغواء کیا اور لاہور لے آئے۔ گنگا کے اغواء سے مقبول بٹ اور ان کے سیکڑوں ساتھیوں کو پاکستان کی مختلف جیلوں اور عقوبت خانوں میں جبر و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن ان حریت پسندوں کے حوصلے پست نہ ہوئے۔ مئی 1973ء میں گنگا کے مقدمہ سے رہائی کے بعد مقبول بٹ پھر سرگرم عمل ہو گئے۔ انہوں نے 1975ء میں آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے لیے ایبٹ آباد اور مری کے حلقوں سے دو نشستوں پر انتخاب لڑا لیکن سیٹ حاصل نہ کر سکے البتہ الیکشن مہم میں انہوں نے اپنے وطن کی آزادی کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔ 1976ء میں مقبول بٹ اپنے دو نوجوان ساتھیوں ریاض ڈار اور حمید بٹ کے ہمراہ جدوجہد آزادی کو از سر نو منظم کرنے کے لیے ایک بار پھر جنگ بندی لائن توڑتے ہوئے وادی کشمیر میں داخل ہو گئے جہاں ایک معرکے میں انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے کچھ عرصہ بعد انہیں تہاڑ جیل دہلی میں منتقل کر دیا گیا جہاں بھارتی سپریم کورٹ نے ان کی سابقہ سزائے موت بحال کر دی اور پھانسی کا فیصلہ سنایا۔ 6 فروری 1984 کو لندن میں بھارتی سفارت خانے

کے ایک اہلکار رویندر مہاترے کو ''کشمیر لبریشن آرمی'' نامی ایک خفیہ تنظیم کے اہلکاروں نے اغواء کر لیا۔ اغواء کاروں نے 24 گھنٹوں کے اندر اندر مقبول بٹ، حمید بٹ، ریاض ڈار اور دیگر کشمیری حریت پسندوں کو رہا کرنے کا مطالبہ کیا لیکن جب بھارتی حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو اغواء کاروں نے 54 گھنٹے گزرنے کے بعد مہاترے کو قتل کر دیا۔ مہاترے کے قتل کے بعد بھارتی حکومت نے مقبول بٹ کو پھانسی دینے کا اعلان کر دیا۔ مقبول بٹ کو سزائے موت سے بچانے کے لیے کشمیریوں نے بہت کوششیں کیں لیکن بھارتی حکومت اپنے فیصلے پر کاربند رہی چنانچہ 11 فروری 1984ء کو اتوار کے روز علی الصبح تہاڑ جیل میں انہیں پھانسی دے دی گئی۔ پھانسی کے پھندے پر لٹکتے ہوئے مقبول بٹ کے آخری الفاظ تھے ''میرے وطن تو ضرور آزاد ہو گا۔۔۔۔''

مقبول بٹ کی لاش ان کے ورثاء کے حوالے کرنے سے بھارتی حکومت نے انکار کر دیا۔ چنانچہ جیل کے مسلمان قیدیوں نے انہیں وہیں جیل کے احاطے میں دفن کر دیا۔

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی کوئی بات نہیں

کشمیر کی جدوجہدِ آزادی میں مقبول بٹ شہید کو سب سے اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے۔ راہِ آزادی میں مقبول بٹ کی قربانی نے کشمیریوں کو نیا عزم و حوصلہ عطا کیا۔ بلاشبہ کشمیر کی نئی نسل میں مقبول بٹ کو جو عزت و قدر و منزلت حاصل ہے وہ کسی دوسرے شخص کے حصہ میں نہیں آئی۔ نئی نسل مقبول بٹ کو جدوجہدِ آزادی کا ہیرو سمجھتی ہے۔ اس کی وجہ شائد یہ ہے کہ مقبول بٹ نے روایتی انداز سے ہٹ کر مصلحتوں اور مفادات کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے صدق و صفاء اور خلوص و وفا کا پیکر بن کر کشمیر کی نئی نسل کو آزادی و خود مختاری کا حقیقی تصور دیا اور اس تصور کو عمل کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے استقامت و استقلال کی نئی تاریخ رقم کی۔ کشمیری ہر سال اپنے اس عظیم قائد کا یومِ شہادت 11 فروری کو جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ اس سلسلے میں اندرونِ کشمیر اور بیرونِ کشمیر لاتعداد تقریبات منعقد ہوتی ہیں۔

شعور فردا: مقبول بٹ شہید نے بھارت اور پاکستان کے عقوبت خانوں سے جو فکر انگیز خطوط لکھے تھے ان کا مجموعہ ''شعور فردا'' کے عنوان سے راقم نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ یہ خطوط مقبول بٹ کے فکر و کردار کا حقیقی آئینہ ہیں۔ 1998ء میں حکومت پاکستان نے ''شعور فردا'' پر اس بناء پر پابندی عائد کر دی کہ اس کتاب کے مطالعے سے کشمیریوں میں حب الوطنی کے جذبات کو فروغ ملنے کا خطرہ ہے۔ حکومت پاکستان کے اس گھناؤنے اقدام کی دنیا بھر میں آباد کشمیریوں نے زبردست مذمت کی۔ مذکورہ کتاب کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ یہ کتاب مقبول شہید کے فکر و کردار کا حقیقی آئینہ ہے۔

15.... کرنل مرزا حسن خان (1919ء - 1983ء)

کرنل مرزا حسن خان 19 فروری 1919 کو گلگت کے ایک رونو جرال راجپوت گھرانے میں مرزا تاج محمد خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم مڈل سکول گلگت سے حاصل کی۔ میٹرک کے لیے ریاستی دارالحکومت سرینگر چلے گئے۔ اور یہاں ہائی سکول میں داخلہ لے لیا۔ ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ ان کے والد دار فانی سے کوچ کر گئے۔ چنانچہ پونچھ کے ایک وزیر میر حسن شاہ انہیں اپنے ہمراہ پونچھ لے گئے اور اپنی نگرانی میں جے، وی ہائی سکول پونچھ میں داخل کروا دیا۔ 1934 میں منعقدہ میٹرک کے سالانہ امتحانات میں انہوں نے پونچھ کے چاروں ہائی سکولوں میں اوّل پوزیشن حاصل کی تو انہیں خصوصی سکالرشپ پر ایس پی کالج سرینگر میں داخلہ مل گیا۔ 1936 میں آپ نے ایف اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ 1937 میں آپ کشمیر آرمی میں بحیثیت کیڈٹ آفیسر بھرتی ہو گئے۔ چنانچہ ٹریننگ کے لیے ڈیرہ دون اکیڈمی بھیج دیئے گئے۔ 1941 کو انہیں کیپٹن کے عہدے پر ترقی مل گئی۔ 1943 کو وہ بحیثیت میجر ترقیاب ہو کر انڈین آرمی میں محاذ جنگ پر خدمات سرانجام دینے چلے گئے۔ 1946 میں برما کے محاذ پر لڑی جانے والی فیصلہ کن لڑائی میں انگریزی فوج کے شانہ بشانہ لڑتے ہوئے انہوں نے بہادری اور ہمت کا زبردست مظاہرہ کیا۔ اسی بناء پر انہیں ملٹری کراس کا اعلیٰ فوجی اعزاز عطاء کیا گیا۔ برما کے محاذ پر جنگ بندی کے بعد وہ واپس آ گئے اور ریاستی افواج میں خدمات سرانجام دینے لگے۔ 48-1947 میں انہوں نے اپنے کچھ فوجی افسروں اور نوجوانوں کے ہمراہ ڈوگرہ حکومت کے خلاف علم بغاوت کو بلند کرتے ہوئے گلت کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا۔ انہوں نے گلگت میں انقلابی حکومت قائم کی اور ڈوگرہ گورنر گھنسارا سنگھ کو گرفتار کر لیا۔

1949 میں حکومت پاکستان نے جنگ بندی معاہدے پر عمل کرتے ہوئے جب محاذ کشمیر سے اپنی افواج واپس بلانا شروع کیں تو مرزا حسن خان اور ان کے ساتھیوں کو بھی درہ تراگبل سے واپس بلالیا۔ حکومت پاکستان کے اس اقدام سے مرزا حسن سخت مایوس ہوئے۔ انہیں واپس راولپنڈی بلا لیا گیا۔ 1951 میں اس مردِ حُر کو پنڈی سازش کیس کے تحت گرفتار کر کے جنرل اکبر خان کے ہمراہ مختلف زنداں خانوں میں پابند سلاسل رکھا گیا۔ 1955 میں یہ مقدمہ ختم کرتے ہوئے تمام قیدی رہا کر دیئے گئے۔ رہائی کے بعد گلگت واپس آ کر آپ نے ''گلگت لیگ'' کے نام سے خطہ گلگت بلتستان میں پہلی سیاسی جماعت

قائم کی لیکن وہاں مخصوص غیر سیاسی ماحول کے سبب یہ جماعت پنپ نہ سکی تو مرزا صاحب کو خدمات سرانجام دینے کے لیے انہیں حکومت آزاد کشمیر نے سیکرٹری دفاع کے عہدے پر فائز کیا۔

22,21 فروری 1976 کی درمیانی رات کو انہیں DPR کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے قید و بند کے اسی عرصے میں اپنی سوانح عمری ''شمشیر سے زنجیر تک'' ضبط تحریر میں لائی۔ یہ کتاب مرزا حسن خان کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ اس کتاب کے اب تک تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ مصنف کے بیٹوں وجاہت حسن مرزا اور نادر حسن مرزا نے اس کتاب کو زیور طبع سے آراستہ کرنے میں گراں قدر محنت کی ہے۔ بالآخر 19 نومبر 1983 کو جدوجہد سے بھرپور ایک انقلابی زندگی کی 65 بہاریں گزارنے کے بعد آپ راولپنڈی کے مقام پر حرکت قلب بند ہونے کے سبب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ جدوجہد آزادی کشمیر کا یہ مرد حریت چنار باغ گلگت کے مزار شہداء میں آسودہ خاک ہوا۔

****

ناموَر خواتین کشمیر

16.....رانی جیشومتی

رانی جیشومتی ''اوکنند'' خاندان کے راجہ رامودر کی بیوی تھی۔ اوکنند خاندان 3121 ق م تا 3036 ق م تک کشمیر پر حکمران تھا۔ رانی جیشومتی پہلی عورت ہے جس کا ذکر تاریخ کشمیر میں سب سے پہلے ملتا ہے۔ مملکتِ کشمیر سے تعلق رکھنے والی یہ عظیم خاتون دنیا میں پہلی حکمران خاتون ہونے کا اعزاز بھی رکھتی ہے۔ یہ رانی بڑی عقلمند، دور اندیش، بہادر اور سلیقہ شعار تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اوکنند خاندان میں اگر رانی جیشومتی کا وجود نہ ہوتا تو یہ خاندان 85 سال تک کبھی بھی تخت کشمیر پر براجمان نہیں رہ سکتا تھا۔

منشی محمد دین فوق لکھتے ہیں۔

''ناتجربہ کار دامودر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں آنے سے بہت گھبرایا لیکن رانی جیشومتی نے مبہم گفتگو سے اس کی وحشت کو دور کیا اور ہر طرح سے تسلی و تشفی کر کے منصب حکومت پر برقرار رکھا۔ دامودر شریف طبیعت، نیک مزاج اور بہادر نوجوان تھا لیکن تدبر و سیاست سے کورا۔ چنانچہ اس کی کمی کو اس کی بیوی نے پورا کیا۔ دامودر مہمات سلطنت میں رانی کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا''۔[1]

---

[1] ''کشمیری رانیاں'' صفحہ 2 مطبوعہ 1931ء

رانی نے خاوند کو مشورہ دیا کہ پہلے داخلی انتظامی معاملات کی طرف توجہ دی جائے جب یہ انتظامات تسلی بخش ہو جائیں تو پھر بیرونی فتوحات کی طرف دھیان دیا جائے چنانچہ میاں بیوی نے مملکت کشمیر کے داخلی معاملات سدھارنے کے لیے بہت سی اصلاحات کیں۔ رفاہ عامہ کی طرف توجہ دی، عدل و انصاف اور رعیت پروری کو اپنا مقصد بنایا جس سے رعایا خوشحال اور ترقی یافتہ ہوگئی۔

ملکی انتظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے بعد راجہ دامودر قندہار کے ایک معرکے میں حصہ لینے کے لیے لاؤ لشکر کے ہمراہ پہنچا۔ خون ریز معرکے میں سری کرشن کو فتح حاصل ہوئی اور دامودر مارا گیا۔ خاوند کے قتل کے بعد حیثومتی کشمیر واپس آ گئی اور سلطنت کی باگ ڈور سنبھال لی۔

رانی نے نہایت ہی جرات و بہادری اور حکمتِ عملی سے نظام سلطنت کو آگے بڑھایا۔ بادشاہ کی وفات کے بعد رانی کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام دیال گونند رکھا گیا۔ رانی نے بیٹے کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ جب دیال گونند 15 برس کا ہوا تو رانی نے اسے تخت نشین کیا اور خود اس کی مشیر کار بن گئی۔

****

17..... کوٹہ رانی (متوفی 1339ء)

کوٹہ رانی کو تاریخ کشمیر میں بادشاہ گر رانی (King Maker Queen) کی حیثیت سے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہے۔ اس رانی کا اصل نام ''کوترن'' تھا جو کوٹہ رانی کے طور پر مستعمل ہوا۔ کوٹہ رانی کا باپ رام چندر تبتی شہزادے رنچن کے ہاتھوں شکست کھا کر موت سے ہمکنار ہوا تو 1320 میں رنچن نے اقتدار سنبھال لیا اور اس نے رام چندر کے بیٹے راون چندر اور بیٹی کوٹہ رانی کو قید کر دیا چونکہ رنچن خطہ کشمیر میں اجنبی اور نو وارد تھا۔ اسے عوام کی تائید اور ہمدردی حاصل نہ تھی اس لیے اس نے مناسب سمجھا کہ راون چندر اور کوٹہ رانی سے صلح کر کے انہیں بھی امور مملکت میں شامل کیا جائے تا کہ عوام کی ہمدردیاں حاصل کی جا سکیں۔ چنانچہ اس نے روان چندر کو صلح پر آمادہ کیا۔ اسے سپہ سالار مقرر کر کے پرگنہ لار اور صوبہ لداخ کی جاگیر عطا کی۔ اس نے کوٹہ رانی سے شادی کر کے اسے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ رنچن جب قبول اسلام کے بعد سلطان صدر الدین بن گیا تو کوٹہ رانی بھی مسلمان ہوگئی۔ 1323 کو صرف تین سال تک حکومت کرنے کے بعد رنچن ایک کاری ضرب لگنے کے سبب فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا حیدر چونکہ ابھی نابالغ تھا اس لیے اس کی بیوہ کوٹہ رانی نے ہی نظام سلطنت کو سنبھالے رکھا۔ رانی کو امور مملکت کی انجام دہی کے لیے کسی تجربہ کار آدمی کی تلاش تھی چنانچہ اس نے سہدیو کے بھائی اودیان دیو کو جو کشمیر سے بھاگ کر سوات چلا گیا تھا، واپس بلایا اور تخت پر بٹھا دیا۔ رانی نے اودیان دیو سے شادی کر لی۔ اسی عرصے میں ایک

ترک حملہ آور اُچل نے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ اودیان دیو کم ہمت اور ڈرپوک تھا وہ بھاگ گیا۔ رانی نے اپنے بھائی راون، حیدر شاہ میر (وزیر) اور بھٹ بھکش کی مدد سے حملہ آور افواج کا مقابلہ کیا۔ اس نے امراء اور سرداروں کو خطوط لکھ کر ترک حملہ آوروں کے خلاف صف آرا ہونے کی دعوت دی۔ رانی چونکہ خود اس سے قبل ایک غیر ملکی حملہ آور کی اپنے وطن میں تباہی کا ہولناک منظر دیکھ چکی تھی اس لیے اس نے اپنے ہم وطنوں کو غیر ملکی حملہ آور ترکوں کے خلاف ڈٹ جانے کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ ''اپنے وطن پہ اپنا راج'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے کوٹہ رانی کی قیادت میں کشمیری سپاہ نے جگہ جگہ ڈٹ کر اتفاق واتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے ترکوں کا زبردست مقابلہ کیا اور اُچل شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ اودیان دیو واپس راجدھانی میں لوٹ آیا لیکن وہ عوام کی نظروں سے گر چکا تھا۔ عملاً رانی ہی امور مملکت سرانجام دیتی رہی۔

اودیان دیو فروری 1339 میں فوت ہو گیا تو رانی نے خاوند کی وفات کی خبر چار روز تک خفیہ رکھی اور پھر وہ اندرکوٹ چلی گئی اور وہاں جا کر اپنے وفادار امراء کی موجودگی میں اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا۔ اودیان دیو کے تخم سے رانی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا جس کا نام ''بولہ رتن'' تھا یہ بیٹا ابھی بہت چھوٹا تھا۔

ترک حملہ آوروں کو شکست دینے میں شاہ میر سواتی نے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ شاہ میر بھی ترک نژاد تھا اور سوات سے قسمت آزمائی کے لیے آیا تھا۔ اُچل کی شکست کے بعد اسے یقین تھا کہ اقتدار اعلیٰ اس کے ہاتھ آ جائے گا لیکن جب رانی نے اودیان دیو کو اقتدار سونپ دیا تو وہ خاموش رہا اور موقع کی تاک میں لگا رہا۔ اب اودیان دیو کی موت کے بعد تو اُسے میدان صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن رانی اُسے اقتدار سونپنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہ قوم پرستی اور کشمیری نیشنل ازم کی زبردست پرچارک تھی۔ اس نے شاہ میر کے بجائے بھٹ بھکش کو اپنا وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ چنانچہ شاہ میر نے ہوس اقتدار میں بھٹ بھکش کو قتل کروا دیا۔ شاہ میر نے رانی کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا۔ دونوں طرف کشمکش نے زور پکڑا۔ قریب تھا کہ قتل و غارت کا بازار گرم ہو جائے۔ رانی نے دوراندیشی اور حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے شاہ میر کو صلح کا پیغام بھیجا۔ رانی دونوں طرف کمربستہ کشمیری افواج کا قتل وخون ہوتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ صلح ہوئی تو شاہ میر نے رانی کو اپنی زوجیت میں لینے کی پیش کش کی۔ اس پیش کش کو رانی نے قبول کر لیا۔ لیکن شاہ میر نے دھوکہ دے کر رانی اور اس کے دونوں بیٹوں کو قید کر لیا۔ کچھ ہی روز بعد قید خانے میں رانی کو قتل کروا دیا گیا۔ یہ واقعہ 1339ء کا ہے۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز کوٹہ رانی کی شخصیت اور خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

Kota was an idealist who unmindful of her personal well being strenuously worked for the achievement of her objective .She is

a remarkable figure in the history of Kashmir who has played a distinguished role to defend the independence of her homeland"[1]

****

18...للہ عارفہ (1335ء)

کشمیر کی یہ عظیم خاتون 1335ء کو سرینگر سے تین میل دور ''پاندرٹھن'' گاؤں میں پیدا ہوئی ہندوا سے لل ایشوری اور لل دید کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کشمیری زبان میں اس کا نام لل ماجہ ہے جبکہ مسلمان اسے للہ عارفہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ للہ عارفہ کے کئی نام مستعمل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ برہمن زادی ہونے کے ناطے ہندوا سے ہندوانہ مذہب کی پیروکار بتاتے ہیں جبکہ مسلمانوں کے نزدیک چونکہ للہ عارفہ مسلمان صوفیوں اور عالموں کی صحبت میں بیٹھتی تھی اس لیے اس نے سید حسین سمنانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا تھا۔

للہ عارفہ سترہ برس کی تھی کہ اس کی شادی پاپور کے برہمن سے کردی گئی۔ وہ جاہل اور اجڈ آدمی تھا۔ وہ بلا وجہ للہ عارفہ کو مارتا پیٹتا۔ للہ کی ساس بھی ظالم عورت تھی وہ للہ کو پیٹ بھر کر کھانا نہ دیتی اور اس سے خوب محنت کرواتی۔ روایت ہے کہ للہ کی ساس تھالی میں ایک پتھر رکھ کر اس کے اوپر تھوڑے سے چاول ڈال کر للہ کو کھانے کو دیتی بظاہر وہ تھالی بھری ہوتی لیکن جب للہ دو چار لقمے کھاتی تو باقی باٹ رہ جاتا۔ للہ برتن دھوتے وقت اس باٹ کو بھی دھو کر برتنوں کی ٹوکری میں رکھ دیتی۔ وہ صبر وضبط کا پیکر بنی رہی۔ یہ سلسلہ کئی برس تک چلتا رہا۔ جب سسرال کے مظالم کا سلسلہ بڑھا تو للہ عارفہ دیوانوں کی شکل اختیار کر کے ویرانوں کی طرف نکل گئی۔ اس نے ظلم بھری دنیا سے ناطہ توڑ کر جنگل میں بسیرا کرلیا۔ وہ صوفیوں، سادھوؤں اور رشیوں کی محفلوں میں بیٹھ کر معرفت کی تعلیم حاصل کرنے لگی۔ رفتہ رفتہ للہ راہ سلوک میں اتنی بے خود ہوگئی کہ اس نے کپڑے اتار کر برہنگی اختیار کرلی۔ وہ دیوانگی کے عالم میں معرفت وحکمت کی باتیں کرتی اور اشعار کہتی جنہیں لوگ یاد کر لیتے۔

للہ عارفہ شوازم کی پیروکار تھی۔ اسے بت پرستی اور ہندوانہ رسموں سے نفرت تھی۔ وہ ایک خدا پر یقین رکھتی۔ ایک ہندو گروشری کنٹھ سے اس کا مباحثہ ہوا چنانچہ وہ ہار گیا۔ للہ کے دلائل کا جواب نہ دے سکا۔ للہ بڑہ

---

[1] Ref.Daughters of the Vitista" P.56

بھکشوؤں کی کاہلی اور ہندو برہمنوں کی کوتاہ نظری کا شکوہ کرتی۔ اس نے انسان دوستی کا فلسفہ پیش کیا۔ وہ اخوت، مساوات اور عدل وانصاف کی پیروکار تھی۔

کہا جاتا ہے کہ کشمیر کے عظیم صوفی بزرگ شیخ نورالدین ولی جب پیدا ہوئے تو وہ اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ للہ عارفہ کو علم ہوا تو وہ نومولود بچے کو دیکھنے آگئی۔ اس نے معصوم بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا۔ اپنے پستان اس کے منہ میں ڈالے اور بولی "پیدا ہونے میں شرم محسوس نہ کی اب دودھ پینے سے کیوں شرماتا ہے۔ پی دودھ پی" چنانچہ شیخ للہ کا دودھ پینے لگے۔ یہ للہ کا زبردست معجزہ تھا۔

ایک روایت ہے کہ عظیم صوفی بزرگ اور مبلغ اسلام سید علی ہمدانی جب وادی کشمیر میں پہنچے تو للہ کو روحانی طاقت سے ان کی آمد کا پیشگی علم ہو گیا۔ چنانچہ وہ بچاؤ بچاؤ کی آوازیں لگاتی ہوئی برہنہ حالت میں ایک جلتے ہوئے تنور میں چھلانگ لگا گئی۔ تنور والے نے خوف کے مارے تنور بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد سید علی ہمدانی" وہاں آ گئے انہوں نے تنور کا ڈھکنا اٹھایا اور تنور میں ہاتھ ڈال کر للہ عارفہ کو باہر نکال لیا۔ وہ انتہائی قیمتی لباس پہنے ہوئے تنور سے باہر آئی۔

للہ عارفہ کشمیری زبان کی پہلی صوفی شاعرہ ہے، اس کا کلام حکمت ومعرفت کا خزینہ ہے۔ اس نے جو واکھ کہے ہیں انہیں "للہ واکھ" کے عنوان سے جمع کر دیا گیا ہے جو کشمیری شاعری کا گراں بہا اثاثہ ہے۔ لل واکھ کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

"بے سمجھ لوگ کتابیں پڑھتے ہیں ان پر عمل نہیں کرتے جیسا طوطا پنجرے میں رام رام پڑھتا ہے۔ وہ گیتا صرف دکھاوے کے لیے پڑھتے ہیں (اس پر عمل نہیں کرتے) میں نے گیتا پڑھی ہے اور اس پر عمل بھی کرتی ہوں"

"میں نے چند دن دنیا سے محبت کی، آخر اس کی اصلیت معلوم ہوئی کہ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ میں نے بڑے شوق سے علم حاصل کیا۔ مگر پڑھنے سے دل کو تسکین حاصل نہیں ہوتی"

"ریحان کی ٹہنی سے خوشبو کبھی نہیں جائے گی۔ کتے کی کھال سے کافور نکالنے کی خواہش فضول ہے۔ اگر تو دل سے اس کو تلاش کرے گا تو وہ تیری طرف آئے گا ورنہ ان گیدڑ بھبکیوں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا"

للہ کی وفات پر ہندو اسے جلانا چاہتے تھے لیکن مسلمان دفن کرنا چاہتے تھے لیکن جب اس کی میت سے چادر ہٹائی گئی تو وہاں پھولوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ تاریخ میں اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ یہ عظیم ہستی کہاں دفن ہے یا جلا دی گئی تھی۔

"میں نے تجھے عبادت گاہوں میں تلاش کیا
میں نے تجھے ہر جگہ تلاش کیا
مگر تیرا پتہ نہ پایا

جو زاہد اور متقی لوگوں سے پوچھا تو
انہوں نے رو کر اپنی بے بسی کا اظہار کیا
جب میں نے عالم رنگ و بو کے تمام تفکرات کو
خیر باد کہا تو تجھے اپنے دل میں پایا''

****

19..... حبہ خاتون (1541ء، 1604ء)

حبہ خاتون کا اصل نام زون تھا۔ زون کشمیری زبان میں چاند کو کہتے ہیں۔ وہ وادی کشمیر کے قصبہ پانپور کے موضع **ژند ہار یا چندن ہار** میں 1541ء کو پیدا ہوئی۔ اُس کے والد کا نام عبدی راتھر تھا جن کا پیشہ زمینداری تھا۔ زون نے ایک مذہبی پیشوا خواجہ محمد مسعود سے فارسی زبان سیکھی اور دینی تعلیمات حاصل کیں۔ چھوٹی ہی عمر میں زون کی شادی عزیز لون نامی ایک نوجوان سے کر دی گئی۔ جو خشک مزاج اور علم سے بے بہرہ تھا۔ زون کو قدرت نے طبع موزوں عطا فرمائی تھی۔ وہ بات بات پر فقرے باندھتی اور شعر کہتی۔ اُسے مطالعہ کا بھی شوق تھا۔ اس کا سسرالی گھرانہ بے ذوق اور گنوار تھا۔ وہ زون کے شعری ذوق کو سمجھنے یا اس کی حوصلہ افزائی کرنے سے قاصر تھے۔ بیت، گیت اور شعر و نغمہ اُن کے سامنے ایسا ہی تھا۔ جیسے'' بھینس کے آگے بین بجانا'' زون عالم تنہائی میں سوچ و فکر کرتی اور جب اپنی سہیلیوں یا ہم جولیوں سے ملتی تو انہیں اپنے گیت اور اشعار سناتی۔ اس کی سہیلیوں نے اس کے شاعرانہ مزاج کی خوب آؤ بھگت کی اور اس کی سخن گوئی کا شہرہ عام ہوا۔

یہ سب کچھ زون کے تنگ نظر اور بے ذوق خاوند کے لیے قابل قبول نہ تھا۔ اس نے زون کو مارنا پیٹنا اور اس پر بے جا پابندیاں لگانا شروع کر دیں۔ خاوند کے گھر والے بھی اُس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ اس گھر میں زون کا مونس و غم خوار کوئی نہ تھا۔ زون بھی اپنے مزاج کی پکی اور عزم و ہمت کا کوہ گراں تھی۔ گھر والوں کی مخالفت اور سختیاں اس کے لیے تازیانہ بن گئیں۔ فطرت نے اُس دھان پان سی لڑکی کے دل میں درد، سوز و گداز، موسیقیت اور نغمگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ یہ سیلاب بلا خیز کون روک سکتا تھا۔ وہ اپنے جذبات و احساسات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتی لیکن بے سود۔ جب یہ بند ٹوٹ پڑتا تو دیوانہ وار اس کی زبان سے گیت یوں پھوٹ پھوٹ کر نکلتے جیسے سرسبز و شاداب پہاڑوں کی چوٹیوں سے چشمے ابل رہے ہوں۔ زون کے سوز و گداز سے لبریز گیتوں کی خوشبو دور دور تک پھیل گئی۔ زون کی یہ شہرت و قدر و منزلت گھر والوں کو سخت گراں گزرتی۔ وہ اس پر طعنہ زنی کرتے اور اُسے طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتے۔ وقت گزرتا رہا۔ زون پانی کے

پنگھٹ پر ہوتی یا گھر پر، سہیلیوں کے جھرمٹ میں ہوتی یا زعفران زاروں میں مصروف کار، اس کا دل گیتوں اور اشعار کی تخلیق میں مصروف رہتا۔ تواریخ میں لکھا ہے کہ ایک روز زون کھیتوں میں کام کر رہی تھی اور ترنم سے گا رہی تھی۔

واری دین ستی وارہ چھس نو
چارہ کرو میون مالینو ہو
گرِ بہ درایس آبہ نٹس
نوٹ میے پھٹو مالینو ہو

ترجمہ: سسرال والوں سے میری نہیں بنتی، میکے والو میرے لیے کوئی صورت نکالو۔
میرا گھڑا ٹوٹ گیا ہے، مجھے نیا گھڑا لا دو میکے والو

اتنے میں شہزادہ یوسف شاہ شکار کھیلتا ہوا ان کھیتوں سے گزر رہا تھا۔ یہ سریلی اور پُرسوز آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ وہ یہ گیت سُن کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے معلوم کیا کہ یہ عورت کون ہے اور کس گھر کی رہنے والی ہے۔ جب اُسے بتایا گیا تو اس نے زون کے خاوند عزیز لون کو شاہی دربار میں بلا کر اس سے حقیقت حال معلوم کی تو شہزادے نے اُسے مشورہ دیا کہ وہ کچھ رقم لے لے اور زون کو طلاق دے کر اپنے حقِ زوجیت سے علیحدہ کر دے۔ خاوند اس بات پر آمادہ ہو گیا۔ یوسف شاہ چک نے زون کو شادی کا پیغام بھیجا اور اُسے بیاہ کر شاہی محلات میں لے آیا۔ یوں یہ مصائب و آرام کی ماری دھقان زادی زون سے حبہ خاتون (محبت کے لائق عورت) بن گئی۔ یوسف شاہ چک بھی شہزادگی سے راجگی کے منصب پر فائز ہوا۔ یوسف شاہ چک شعیہ مکتب فکر سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ شعر و ادب کا دلدادہ اور موسیقی کا بے حد شائق تھا۔ یوسف شاہ چک کی صحبت نے حبہ خاتون کے فکر و فن کو چار چاند لگا دیئے۔

کشمیری زبان و ادب کی تاریخ میں حبہ خاتون کو نہایت بلند پایہ مقام حاصل ہے۔ اُس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے فارسی طرز پر کشمیری غزل لکھی۔ یہ کشمیری زبان میں غزل گوئی کا پہلا سنگ میل تھا۔ اس لیے حبہ خاتون کو کشمیری زبان کی پہلی غزل گو شاعرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے کشمیری زبان میں فارسی موسیقیت کا حسین امتزاج پیدا کیا۔ اس کے کلام میں جذبات نگاری، واقعیت، بے ساختگی، درد اور سوز و گداز ہے۔ محمد عبداللہ قریشی حبہ خاتون کے کلام کا تجزیہ کرتے ہوے لکھتے ہیں۔

"اس کے ابتدائی اشعار دیہاتی سادگی کا نمونہ ہیں جن میں شوہر کی بے رخی اور اپنی کلفت کا ذکر ہے۔ اس دور کی شاعری کو دراصل زندگی کا نوحہ اور شباب کی کہانی کہا جا سکتا ہے۔ بعد کے اشعار میں وردات قلب اور جذبات نگاری کے ساتھ ساتھ خیالات کی بلند پرواز پائی جاتی ہے اور استعارات کی کثرت سے کلام کی پختگی کا پتہ چلتا ہے۔ آخری دور کے اشعار میں دنیا کی

بے ثباتی اور تصوف کے باریک نکات کا اظہار ہے۔زبان خالص کشمیری اور بامحاورہ ہے۔فارسی بحریں ہیں۔کلام میں درد کی چاشنی اور سوز وگداز کی لذت موجود ہے۔حبہ خاتون سے پہلے کشمیری شاعری سنسکرت شاعری کی طرز پر تھی جسے شروک یا اشلوک کہتے تھے۔ حبہ خاتون نے کشمیری شاعری کو عربی،فارسی کے زیر اثر لا کر اس میں ایک نیا رنگ پیدا کیا۔اس کی یہ نئی طرز وایجاد کچھ ایسی مقبول ہوگئی ہے کہ آج تک کشمیری شاعر اس کی تقلید کر رہے ہیں''[1]

حبہ خاتون شاہی دربار میں نہایت شان وشوکت اور محبت وراحت کے ایام گزارنے لگی۔زمانے نے کروٹ بدلی اور مغل شہنشاہ اکبر نے کشمیر کی آزادی وخودمختاری پر شب خون مار کر اسے 1586 میں اپنے قبضے میں لے لیا۔یوسف شاہ چک کو گرفتار کر کے اکبر کے دربار میں پابہ زنجیر پیش کیا گیا۔اکبر نے اُسے آگرہ کے قلعے میں پابند سلاسل کر دیا۔حبہ خاتون کے لیے دنیا اندھیرا ہوگئی۔وہ نئے حاکموں کے جبر واستبداد سے بچنے کے لیے سرینگر کے مضافات میں پانتہ چھوک کی طرف نکل گئی۔وہاں اس نے ایک جھونپڑی اور ایک مسجد بنالی اور خاوند کے ہجر وفراق میں دردانگیز نغمے گانے لگی۔یہی وجہ ہے کہ اسے کشمیری ادب میں ''بلبلِ کشمیر'' کہا جاتا ہے۔اُس کے درد بھرے بول سُن کر جنگل کے پرندے بھی اس کے آس پاس جمع ہو جاتے تھے۔وہ کہتی ہے

گھر سے نکلی کھیلن کو، پر لوٹ کے آنا بھولا

جب مغرب میں دن ڈوبا

میں ارباب کی پیاری بیٹی

حبہ خاتون کہلائی

برقع پہنے بھیڑ سے نکلی

پھر بھی خلقت دیکھن آئی

جوگ لیا تو بڑے بڑوں سے جوگ کا دھندا چھوٹا

جب مغرب میں دن ڈوبا

کشمیر پر مغلوں کے قبضے سے جہاں سلطنت کشمیر کا چراغ گل ہوگیا۔وہاں حبہ خاتون کے ارمانوں کی دنیا بھی اجڑ گئی۔وہ وادی کشمیر کے شمال میں 17 برس تک جنگلوں اور بیابانوں میں دیوانگی کے عالم میں سرگرداں رہی۔اس نے اس دور میں جو بول، نغمے اور غزلیں لکھیں ان میں بے تاب آرزوں، ناتمام حسرتوں، ان دیکھی تمناؤں اور دہکتی یادوں کی آگ بھری ہوئی ہے۔

حبہ خاتون نے زندگی کے آخری ایام پانتہ چھوک قصبے میں گزارے۔یہ عظیم ہستی 1604 کو غم و

[1] ''ادبی دنیا'' کشمیر نمبر ص 83-282

آلام کے سارے بوجھ اتار کر اس دنیا سے رخصت ہوئی۔ اُسے اسی قصبے میں دفن کیا گیا۔ حبہ خاتون کا کلام سرینگر سے شائع ہو چکا ہے۔

****

20......ارنی مال (1738ء۔1800ء)

کشمیری زبان کی ممتاز شاعرہ ارنی مال موضع پلہالن ضلع بارہ مولا کے ایک پنڈت گھرانے میں پیدا ہوئی۔ اس کا سن پیدائش 1738 اور سن وفات 1800ء قرینِ قیاس ہے۔ مورخین نے ارنی مال کے عہد کو حبہ خاتون سے دوسو سال بعد کا عہد قرار دیا ہے۔ کشمیری زبان کے کلاسیکل ادب میں ارنی مال کو للہ عارفہ اور حبہ خاتون کے بعد تیسری نامور شاعرہ قرار دیا گیا ہے۔ ارنی مال کے کلام پر حبہ خاتون کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ ارنی مال کے گیت اور اشعار کشمیری معاشرے میں زبان زدِ عام ہیں۔

ارنی مال کا خاوند منشی بھگوان داس کاچرو افغان صوبے دار جمعہ خاں کے عہد (1788-1792) کا درباری شاعر اور فن کار تھا۔ جمعہ خاں دیگر افغان صوبیداروں کے برعکس شاعروں، ادیبوں اور قلم کاروں کا قدردان تھا۔ منشی بھگوان داس کاچرو عرف ''نکو'' سے اُسے خصوصی شغف تھا اسی لیے اس نے اسے اپنے دربار میں امتیازی حیثیت عطا کر رکھی تھی۔

ارنی مال کا خاوند خود شاعرانہ مزاج رکھتا تھا لیکن نہ معلوم کن وجوہات کی بنا پر اس نے بیوی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پنڈت زادی یہ دکھ برداشت نہ کر سکی۔ غم اور ہجر و فراق اس کے قلب و زبان سے پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگے۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز اپنی تصنیف ''Daughters of the Vitasta'' میں لکھتے ہیں۔

For some unknown reasons, the poet husband deserted her. The Separation proved painful and tormenting, her emotions were deeply stirred and lo, sweet melodious poetry full of grief and pathos flowed from her heart. She sang of love , play , beauty and sorrow.[1]

ارنی مال کے کلام کو جمع کرنے کا کارہائے نمایاں کشمیری زبان کے نامور شاعر اور محقق و نقاد عبدالاحد آزاد کے سر ہے۔ انہوں نے ارنی مال کا جو کلام جمع کیا ہے اس کے چند کشمیری اشعار کا ترجمہ ملاحظہ

[1] "Daughters of the Vitasta" Page 175

فرمائیں۔

''میرا ارواں رواں تیری چاہت سے لبریز ہے
میں ایک سندر دیوی تیری یاد میں تڑپ رہی ہوں
میرے محبوب تیرے مژگاں کے ایک تیر نے کلیجہ گھائل کر دیا ہے
جگر چھلنی ہو کر رہ گیا ہے
میں دکھوں کی ماری تجھے کہاں ڈھونڈوں
تم آؤ تو میں تمہیں دل کھول کر دکھاؤں
میں پت جھڑ کے پتوں کی طرح گر رہی ہوں
ٹوٹ رہی ہوں تو آ اور مجھے اپنے اندر بسا لے۔''[1]

[1] ترجمہ: ڈاکٹر محمد یوسف بخاری ''کشمیری زبان و ادب کی مختصر تاریخ ص 57

باب دہم

گلدستہ کشمیر

(متفرق معلومات)

گلدستہ معلومات

کشمیر.... مخصوص ایام

11 فروری	یوم شہادت مقبول بٹ شہیدؒ
12 فروری	یوم شہدائے چکوٹھی
18 فروری	یوم پیدائش مقبول بٹ شہیدؒ
11 مارچ	برسی کے ایچ خورشیدؒ
28 اپریل	یوم مذمت معاہدہ کراچی
21 مئی	یوم شہادت میر واعظ مولوی محمد فاروق
22 جون	یوم چراغ حسن حسرت
13 جولائی	یوم شہدائے کشمیر
19 جولائی	یوم قرارداد الحاق پاکستان
13 اگست	قرارداد حق خودارادیت
24 اکتوبر	یوم تاسیس آزاد حکومت
یکم نومبر	یوم شہدائے گلگت
6 نومبر	یوم شہدائے جموں
11 نومبر	برسی کیپٹن حسین خان شہیدؒ
11 نومبر	برسی خان آف پونچھ خان محمد خان
18 دسمبر	برسی چوہدری غلام عباس
16 رمضان المبارک	برسی میر واعظ مولانا یوسف شاہ

کشمیر.....سب سے بڑا

- ☆ کشمیر کا سب سے بڑا دریا دریائے سندھ ہے۔
- ☆ کشمیر کا سب سے اونچا پہاڑی سلسلہ قراقرم ہے۔
- ☆ کشمیر کی سب سے اونچی چوٹی K.2 ہے۔
- ☆ کشمیر کی سب سے لمبی سرنگ بانہال ٹنل ہے۔
- ☆ کشمیر کا سب سے بڑا درہ درہ خنجراب ہے۔
- ☆ کشمیر کی سب سے قیمتی فصل زعفران ہے۔
- ☆ کشمیر کی سب سے بڑی جھیل ''وولر'' ہے۔
- ☆ کشمیر کی سب سے قدیم تاریخی کتاب راج ترنگنی ہے۔
- ☆ کشمیر کا سب سے بڑا فارسی گوشاعر غنی کاشمیریؒ ہے۔
- ☆ کشمیر کا سب سے پہلا اخبار ''رنبیر'' ہے۔
- ☆ کشمیر کی سب سے بلند شاہراہ ''بیکن ہائی وے'' ہے۔
- ☆ کشمیر کی سب سے اونچی آبشار کشتواڑ میں ہے۔
- ☆ کشمیر کا عظیم شاعر عبدالاحد آزاد ہے۔
- ☆ کشمیر کا سب سے بڑا صوفی بزرگ شیخ نورالدین ولیؒ ہے۔

کشمیر.....دنیا میں

- ☆ دنیا میں سب سے زیادہ زعفران کشمیر میں پیدا ہوتا ہے۔
- ☆ دنیا کا سب سے اونچا میدان جنگ سیاچن گلیشیر ہے۔
- ☆ دنیا کی سب سے اونچی سڑک ''بیکن ہائی وے'' لداخ میں ہے۔
- ☆ دنیا کی سب سے قیمتی شال ''رنگ شال'' کشمیر میں بنائی جاتی ہے۔
- ☆ دنیا میں سب سے زیادہ ذاتیں اور نسلیں کشمیر میں آباد ہیں۔
- ☆ دنیا کا سب سے بڑا پولو گراؤنڈ کشمیر کے شمالی علاقہ جات میں ہے۔
- ☆ دنیا میں بہترین عمارتی لکڑی کشمیر میں پائی جاتی ہے۔
- ☆ دنیا میں دیودار کی سب سے اعلیٰ قسم وادی نیلم میں پائی جاتی ہے۔

کشمیر.... علم بڑھائیے

- ☆ کشمیر کا الگ سکہ 1899ء تک جاری رہا۔
- ☆ بکری دور کا آغاز راجہ بکرماجیت سے ہوا۔
- ☆ ڈوگرہ دور میں ضلع کو وزارت کہا جاتا تھا۔
- ☆ کوٹ پہاڑی اصطلاح میں قلعہ کو کہتے ہیں۔
- ☆ بابر کے خالہ زاد بھائی مرزا حیدر دوغلات نے دسمبر 1540ء کو کشمیر پر قبضہ کیا۔
- ☆ عالمگیر کی بیٹی زیب النساء نے سرینگر میں خواتین کے لیے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا اور اس میں فن خطاطی کی کلاسیں شروع کیں۔
- ☆ جہانگیر نے 1630ء کو مظفرآباد میں جشن نوروز منایا۔
- ☆ مارکوپولو (1275_1277) کشمیر آیا اور اپنے سفرنامے میں یہاں کے حالات لکھے۔
- ☆ فارسی 1924ء تک ریاست جموں کشمیر کی سرکاری زبان رہی ہے۔
- ☆ کشمیر کا ''BASTILLE FORT'' قلعہ ہری پربت کو کہا جاتا ہے۔
- ☆ کشمیر کا سب سے بڑا عجائب گھر سری پرتاب سنگھ میوزیم جموں میں ہے۔
- ☆ کشمیر کی قدیم تہذیب ''ناگ تہذیب'' کہلاتی ہے۔
- ☆ قلعہ ہری پربت افغان گورنر عطا محمد خان نے مرمت کروایا۔ اس نے 1811ء میں کابل کی مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کر کے کشمیر کی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔
- ☆ کشمیر میں پہلی شال ترکستان کے شال بافوں نے بنائی جنہیں بڈشاہ اپنے ہمراہ لے کر آیا تھا۔
- ☆ جموں میں بارش کی سالانہ اوسط 96 سینٹی میٹر ہے۔
- ☆ سری نگر میں بارش کی سالانہ اوسط 84 سینٹی میٹر ہے۔
- ☆ لداخ میں بارش کی سالانہ اوسط 20 سینٹی میٹر ہے۔
- ☆ راجوری کو گچھی، بنفشہ اور انار دانہ کی منڈی کہا جاتا ہے۔
- ☆ ریشم سازی کشمیر کی قدیم صنعت ہے۔
- ☆ دریائے سندھ کی ریت میں سونا پایا جاتا ہے، ایک مکعب میٹر ریت سے 6.0 گرام سونا حاصل ہوتا ہے۔
- ☆ دنیا کا بہترین یاقوت، زمرد اور ہیرا کشمیر میں پایا جاتا ہے۔
- ☆ پاکستان ہیروں اور جواہرات کا 90% آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان سے حاصل کرتا ہے۔

☆ ریاست جموں کشمیر میں صرف آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار ہیکٹر زمین زیر کاشت ہے۔اس میں 29 فیصد پر مکئی، 26 فیصد پر چاول، 22 فیصد پر گندم اور 9 فیصد پر دالیں کاشت ہوتی ہیں۔

☆ ڈوگرہ عہد میں ضلع کو **وزارت** اور ڈپٹی کمشنر کو **وزیر وزارت** کہا جاتا تھا۔

☆ لداخ میں بادل کی گرج اور چمک نہیں ہوتی۔لداخ کے بعض پہاڑ ایسے ہیں جہاں ہمیشہ تازہ برف موجود رہتی ہے۔

کشمیر....عجائبات

☆ ہل تل کشمیر کے جنگلوں میں پایا جانے والا ایسا درخت ہے جس کی ایک شاخ ہلائیں تو سارا درخت ہلتا ہے۔

☆ ماہرین نباتات نے اب تک کشمیر میں 3000 پھولوں کی اقسام دریافت کی ہیں۔

☆ لداخ میں بکری کی ایک مخصوص نسل پائی جاتی ہے جسے ''کیل پھمب'' کہتے ہیں۔اس بکری کے جسم سے حاصل ہونے والی اون (پشمینہ) سے ایک مخصوص شال تیار ہوتی ہے۔اس شال کے ایک سرے کو انگوٹھی میں پرو کر کھینچیں تو پوری شال دوسری طرف نکل جاتی ہے۔اس شال کو Ring شال کہا جاتا ہے۔کیل پھمب بکری دنیا میں اور کہیں نہیں پائی جاتی۔

☆ لداخ کے بدھوں میں Polyandry (کئی بھائیوں کی ایک ہی بیوی) کا رواج پایا جاتا ہے۔

☆ برمی کشمیر کے جنگلوں میں پایا جانے والا ایک ایسا درخت ہے جس کی چھال سے کینسر کے علاج کے لیے دوا (Taxole) تیار کر لی گئی ہے۔برمی کا نباتاتی نام Taxux Baccata ہے۔

☆ ارکھڑ ایک ایسا درخت ہے جو کشمیر کے جنگلوں میں پایا جاتا ہے۔اس کی ایک خاصیت یہ ہے کہ گورے رنگ والا آدمی اگر اس کے نیچے سے گزر جائے یا اسے چھو لے تو اس کے جسم پر پھوڑے نکل آتے ہیں جبکہ گندمی رنگ کے آدمی سے یہ درخت پیار کرتا ہے۔اگر اس درخت سے گورے رنگ کے آدمی نے دوستی قائم کرنی ہو تو وہ کھیر پکا کر اپنے کچھ دوستوں کے ہمراہ اس درخت کے قریب چلا جاتا ہے اور درخت کی ایک شاخ پر گانا باندھ دیتا ہے۔سارے دوست مل کر کھیر کھاتے ہیں اور گھر چلے آتے ہیں۔یوں گورے رنگ والا متاثرہ شخص ٹھیک ہو جاتا ہے۔

کشمیر....علم و ادب

☆ ساتویں صدی عیسوی میں مشہور چینی سیاح ہیون تسانگ کشمیر آیا۔اس نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے ''اہل کشمیر علم و فضل کے شائق اور مہذب لوگ ہیں''

☆ پنڈت کلہن نے اپنی تصنیف راج ترنگنی میں لکھا ہے کہ ''کشمیر ایک قدرتی قلعہ ہے اسے فوجی طاقت سے نہیں بلکہ روحانی قوت سے ہی فتح کیا جا سکتا ہے''۔

☆ برصغیر کے نامور مورخ البیرونی نے اپنی تصنیف کتاب الہند میں لکھا ہے'' کشمیر کے لوگ اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں۔ یہ غیر ملکیوں کو اپنے وطن میں دیکھنا گوارا نہیں کرتے''۔

☆ ''نیل مت پران'' کشمیر کی ایک معدوم تاریخ ہے۔اس میں ہزاروں برس قبل کے حالات درج تھے۔

☆ کشمیر کی لوک داستانوں پر مشتمل کتاب ''پنچ تنتر'' سنسکرت میں تھی۔ یہ نوشیرواں ساسانی کے عہد میں ایران گئی اور فارسی میں ترجمہ ہوئی۔ فارسی سے اس کا دیگر زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

☆ ''ویلی آف کشمیر'' میں والٹر لارنس نے لکھا ہے کہ کشمیر میں مغلوں نے 777 باغات لگوائے جن سے ایک موسم میں ایک لاکھ روپیہ آمدن ہوتی تھی۔

☆ ''Ancient Monoments of Kashmir'' ڈوگرہ عہد کے وزیراعظم رام چند کاک کی تصنیف ہے جس میں کشمیر کے قدیم مندروں اور عمارات کا تفصیلی ذکر ہے۔

☆ کشمیر میں 72 بولیاں اور زبانیں بولی جاتی ہیں۔

☆ کشمیری شاعری کی سب سے پہلی کتاب شتی کنٹھ کی لکھی ہوئی ''مہانے پرکاش'' ہے۔

☆ لل عارفہ کشمیری زبان کی پہلی صوفی شاعرہ تھی۔

☆ حبہ خاتون کشمیری زبان کی پہلی غزل گو شاعرہ تھی۔

☆ اردو زبان میں تاریخ کشمیر کے موضوع پر پہلی کتاب ''گلدشتہ کشمیر'' ہے۔ جسے پنڈت ہرگوپال خستہ نے لکھا۔

☆ اردو زبان میں کشمیر کے موضوع پر مرزا قاسم بیگ کا پہلا ناول ''محبوبہ کشمیر'' 1917 میں شائع ہوا۔

☆ کشمیری شاعری میں مثنوی نگاری کی بنیاد محمود گامی نے رکھی۔

☆ کشمیری زبان کی مقبول عام مثنوی گلریز ہے جسے مقبول شاہ کرالہ واری نے لکھا۔

☆ کرشن چندر اور چراغ حسن حسرت پونچھ میں پیدا ہوئے۔

☆ عبدالاحد آزاد کشمیری زبان کا عظیم انقلابی شاعر تھا۔

☆ ہجو گوئی میں کشمیر کا سودا مقبول شاہ کرالہ واری کو کہا جاتا ہے۔

☆ علامہ اقبال کے فارسی مجموعہ کلام ''اسرار خودی'' کا کشمیری ترجمہ غلام احمد ناز نے کیا۔

☆ نامور مورخ کشمیر منشی محمد الدین فوق نے تاریخ کشمیر کے حوالے سے تقریباً 25 کتب لکھیں۔

☆ کشمیر کے عظیم صوفی شاعر رحیم سوپوری کی بیشتر زندگی بھیڑ بکریاں چرانے میں گزری۔

☆ جی ایم ڈی صوفی کی دو جلدوں پر مشتمل انگریزی زبان میں لکھی گئی کتاب ''Kashir'' تاریخ کشمیر کی عمدہ ترین کتاب ہے۔

☆ قرآن مجید کا کشمیری ترجمہ سب سے پہلے مولوی محمد یحییٰ نے کیا۔

☆ فتاوی عالمگیری مرتب کرنے میں بہت سے کشمیری علماء نے حصہ لیا۔

کشمیری خطاط-: میر حسن کشمیری، محمد حسین زریں قلم، حسین کشمیری، محمد مراد زریں قلم، ملا محمد محسن، محمد علی کشمیری، محمد جعفر کشمیری، محمد ابراہیم، ملا باقر کشمیری، بہاؤالدین خوشنویس، حیدر کشمیری۔

کشمیر اور عربی ادب

☆ نامور کشمیری عالم دین حضرت شیخ یعقوب صرفی (متوفی 1085ء) نے عربی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔

☆ اخوند ملا کمال عربی علوم کے جید عالم تھے۔ انہیں ''علامہ مشرقین'' کا خطاب دیا گیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ان کے شاگردوں میں شامل تھے۔ ملا کمال 1017ء میں لاہور میں فوت ہوئے۔

☆ اخوند ملا نازک نے عربی زبان میں صوفیانہ شاعری کی۔

☆ نامور کشمیری عالم بابا داؤد مشکوتی کو حدیث نبوی کی کتاب ''مشکوۃ شریف'' زبانی یاد تھی اس لیے آپ کو ''مشکوتی'' کہا جاتا تھا۔

☆ ملا عبیداللہ کشمیری نامور مناظر اسلام تھے انہوں نے بادشاہ فرخ سیر کی تجویز پر ''فتاویٰ عالم گیری'' کا ترجمہ شروع کیا لیکن بادشاہ کے جلد انتقال کی وجہ سے ترجمہ مکمل نہ کر سکے اور واپس کشمیر آ گئے۔

☆ ملا عبدالرشید کشمیری نے کلمہ طیبہ کی فضلیت میں 360 اشعار پر مشتمل منظوم نظم لکھی جس کا مطلع تھا۔

افضل الذکر یا عباد اللہ   قولنا لا الہ الا اللہ

☆ شیخ عبدالوہاب نوری نے عربی زبان میں ''عین العرفان'' کتاب لکھی۔

☆ ملا محمد سعید گند سود وئم نے ''مفاتیح البرکات'' کے عنوان سے قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ آپ کو صحیح بخاری زبانی یاد تھی۔ آپ 1308ھ میں فوت ہوئے۔

☆ ملا مصطفیٰ خاں (متوفی 1373ھ) نے ''کافیہ نحو'' عربی زبان میں لکھی۔

☆ خواجہ شاہ نیاز عربی اور فارسی زبان کے نامور عالم دین تھے۔

☆ مولوی خیرالدین ابوالخیر (متوفی 20 شوال 1122ھ) فتاوی عالمگیری مرتب کرنے والے کشمیری

علماء میں سے تھے۔ ان کا انتقال دہلی میں ہوا۔

☆ خواجہ محمد ٹوپی گرو نامور عالم و فاضل تھے انہوں نے عربی اور فارسی کتب کی شرحیں لکھیں۔ بے مثال مدرس تھے۔

☆ مولوی جلال الدین نامور عالم تھے جنہوں نے فقہ کی کتاب ''دُرِ مختار'' کی شرح لکھی نیز ''خزینۃ الروایات'' کی شرح بھی لکھی۔

☆ مولوی چراغ علی بلند پایہ عالم تھے۔ آپ نے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی میں کتب لکھیں۔ آپ کو ''نواب اعظم یار جنگ'' کا خطاب ملا یہ 15 جون 1895 میں فوت ہوئے۔

☆ آغا سید مہدی نے عربی زبان میں ''تمرینیۃ العزویہ'' لکھی۔

☆ سید محی الدین مہدی نے عربی زبان میں ''میزان المقادیر'' لکھی۔

☆ ملا محمد ٹوپی گرو نے نحو کی مشہور کتاب ''شرح ملا جامی'' پر حاشیہ لکھا۔ یہ 1062ھ میں فوت ہوئے۔ مدفن کشمیر ہے۔

☆ مفتی صدرالدین دہلوی کشمیری النسل تھے۔ انگلشیہ سرکار کے عہد میں وہ دہلی کے صدرالصدور اور مفتی تھے۔ 1857ء میں انگریز سرکار کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کرنے کی پاداش میں ملازمت سے معزول ہو گئے۔ عربی اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ انہوں نے کئی کتب یادگار چھوڑیں۔ آپ 1868ء میں فوت ہوئے۔

☆ ملا محسن کشمیری نے عربی زبان میں ''نجات المومنین'' لکھی۔

☆ علامہ تفضل حسین انیسویں صدی کے نامور عالم تھے۔ آپ عربی، فارسی، انگریزی اور لاطینی زبان میں مہارت رکھتے تھے۔

☆ سید ابوالقاسم انیسویں صدی کے نامور عالم تھے۔ ان کی عربی اردو اور فارسی زبان میں تصانیف کی تعداد 62 ہے۔ آپ کی تصنیف ''تفسیر لوامع التنزیل سواطع التاویل'' علمی حلقوں میں خاص شہرت رکھتی ہے۔

☆ شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ کشمیری دارالعلوم دیوبند کے مدرس اعلیٰ تھے۔ انہوں نے عربی اور فارسی زبانوں میں کئی کتب لکھیں۔ عربی زبان میں صحیح بخاری کی شرح چار جلدوں میں لکھی۔ عربی زبان میں ان کی ایک کتاب ''عقیدۃ الاسلام'' بھی ہے۔

☆ ملا عبدالرزاق بانڈے شاہجہان کے عہد میں نامور عالم تھے۔ انہوں نے ''شرح تجرید'' کا حاشیہ لکھا تو شاہجہان نے ان کی علمیت سے متاثر ہو کر انہیں کابل کے مدرسے میں تعینات کیا۔ آخری عمر میں

وہ اپنے وطن کشمیر واپس آ گئے اور یہیں فوت ہوئے۔

☆ مولانا محمد الدین کشمیری الااصل تھے۔ وہ پنجاب یونیورسٹی اور ینٹل کالج میں شعبہ عربی کے پروفیسر رہے۔ انہوں نے عربی زبان میں ''روضۃ الادباء''، ''تفسیر فتح العظیم'' اور دیگر بہت سی کتب لکھیں۔ نومبر 1898 میں فوت ہوئے۔

کشمیر اور فارسی تاریخ و ادب

☆ ملا احمد کشمیری بڈشاہ کے دربار میں ''ملک الشعراء'' تھے۔ انہوں نے راج ترنگنی اور مہابھارت کا فارسی ترجمہ کیا۔

☆ چک خاندان کے دور حکومت میں خانقاہ معلی کے متولی سید علی متولی نے فارسی زبان میں کشمیر کی تاریخ ''تاریخ سید علی'' لکھی۔

☆ یوسف شاہ چک کے عہد میں محمد امین مستغنی نامور فارسی شاعر تھے۔

☆ بابا داؤد مشکوتی (متوفی 1097ھ) نے فارسی زبان میں ''اسرار الاشجار'' اور اسرار الابرار'' لکھیں۔

☆ کشمیر کے حکمران مرزا حیدر دوغلات نے (953-951ھ) میں فارسی زبان میں ''تاریخ رشیدی'' لکھی جو وسط ایشیا اور کشمیر کی تاریخ کا اہم ماخذ ہے۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ لندن سے شائع ہو چکا ہے۔

☆ شیخ عبدالوہاب نوری نے فارسی زبان میں ''فتحیاب کبرویہ'' کتاب لکھی۔ آپ 11 ربیع الاول 1186ھ کو فوت ہوئے۔

☆ ملک حیدر چاڈورہ چکوں اور مغلوں کے عہد کا نامور مورخ تھا۔ اس نے ''تاریخ ملک حیدر چاڈورہ'' کے عنوان سے فارسی زبان میں تاریخ کشمیر لکھی۔

☆ ملا محمد زمان نافع (متوفی 1707ھ) غنی کاشمیری کے بھائی تھے۔ یہ فارسی زبان کے نامور شاعر اور ادیب تھے۔ انہوں نے ''تاریخ نافع'' لکھی۔

☆ بابا نصیب الدین غازی صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ آپ کو ''ابوالفقراء'' کہا جاتا تھا۔ آپ نے فارسی زبان میں ''نورنامہ'' صوفیانہ تاریخ لکھی۔ آپ نے 13 محرم الحرام 1047ھ کو وفات پائی۔ آپ کا مزار بیج بہاڑاہ میں ہے۔

☆ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری (متوفی 1179ھ) باکمال صوفی شاعر اور مورخ تھے انہوں نے تاریخ اعظمی ''واقعات کشمیر'' کے علاوہ فارسی نظم و نثر میں بہت سی کتب لکھیں۔

☆ ملا ہدایت اللہ متو (متوفی 1306ھ) نے فارسی زبان میں ''تاریخ ہدایت اللہ متو'' لکھی۔

☆ افغانوں کے عہد حکومت میں ناظم کشمیر راجہ سکھ جیون مل زبردست شاعر اور عالم تھا۔ اس نے نامور شعراء کی خدمات حاصل کر کے 7 جلدوں میں کشمیر کی منظوم تاریخ لکھوانے کا کام شروع کیا۔ لیکن راجہ کے قتل ہو جانے کے سبب یہ کام ادھورا رہا۔ سات شعرا کے نام یہ ہیں متین، شائق، سامی، توفیق، رائج، نوید، حسن۔

☆ محمد توفیق (متوفی 1197ھ) فارسی زبان کا قادر الکلام شاعر تھا اس نے ''شاہ نامہ کشمیر'' کے لیے دو ہزار اشعار پر مشتمل سیاسی تاریخ لکھی۔

☆ پنڈت نرائن کول عاجز کشمیری النسل برہمن تھا۔ اس نے ناظم کشمیر عارف خان کے ایما پر ''منتخب التواریخ'' فارسی زبان میں 1710 میں لکھی۔

☆ مولوی نظام الدین محمد نامور عالم اور قاضی کشمیر تھے (متوفی 1240ھ) انہوں نے فارسی زبان میں ''وقائع نظامیہ'' تاریخ لکھی۔ آپ نے فارسی اور عربی میں چند دیگر کتب بھی تصنیف فرمائیں۔

☆ میر سعد اللہ شاہ آبادی نے کشمیر کی منظوم تاریخ ''باغ سلیمان'' 1194ھ میں مکمل کی۔

☆ پنڈت بیربل کاچرو نے سکھوں کے دور حکومت میں فارسی زبان میں ''مجموعہ تاریخ'' یا ''مجمع التواریخ'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔

☆ مرزا سیف الدین نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں ''خلاصۃ التواریخ'' کے عنوان سے کشمیر کی تاریخ لکھی۔

☆ دیوان کرپارام ڈوگرہ عہد حکومت کا وزیر اعظم تھا۔ اس نے ''گلاب نامہ'' اور ''تاریخ گلزار کشمیر'' کے عنوان سے فارسی زبان میں گراں قدر کتب لکھیں۔ کرپارام کا انتقال 1293ھ/1876ء 1933 بکرمی میں ہوا۔

☆ اخوند ملا بہاؤالدین خوشنویس نے فارسی زبان میں ''لب التواریخ'' لکھی۔

☆ پیر غلام حسن شاہ کھوئی ہامی نے فارسی زبان میں ''تاریخ حسن'' 1305ھ میں لکھی۔ یہ چار حصوں پر مشتمل ہے۔ آخری حصے میں کشمیر کے فارسی گو شعراء کے حالات لکھے گئے ہیں۔ آپ نثر و نظم لکھنے میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ ان کی دیگر تصانیف میں ''گلستان اخلاق'' خریطہ احرار اور اعجاز غریبہ شامل ہیں۔ پیر غلام حسن شاہ نے اپنی تاریخ وفات خود کہی۔ یافت حسن بہشت 1316ھ سر والٹر لارنس نے اسی یگانہ روزگار شخصیت سے کشمیری زبان سیکھی۔

☆ خواجہ امیر الدین پکھلی وال صاحب حال و کمال بزرگ تھے۔ آپ نے فارسی زبان میں تاریخ کشمیر (1828ء بکرمی) ''تحقیقات امیری'' کے عنوان سے لکھی۔ مثنوی تحفہ احمدی اور مثنوی تحفہ محمدی

آپ کی تصانیف ہیں۔ 1886 میں آپ کا انتقال ہوا۔

☆ خواجہ ثناء اللہ خراباتی نے تاریخ، دینی مسائل اور تصوف وغیرہ کے موضوعات پر 100 سے زائد کتب لکھیں۔ ان کی تصنیف ''مہاراج نامہ'' مہاراجہ گلاب سنگھ کے خاندانی و سیاسی حالات پر لکھی گئی ہے۔ خراباتی کا مدفن جلال پور جٹاں ضلع گجرات ہے۔

☆ حاجی محی الدین مسکین ''تاریخ کبیر کشمیر'' کے مصنف تھے۔ ان کا انتقال 1921 میں ہوا۔

☆ مفتی محمد شاہ سعادت سرینگر کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے 34 تصانیف رقم کیں۔

☆ سرینگر کشمیر کے محلہ درگجن میں واقع مزار الشعراء میں دفن ہونے والے غیر مقامی فارسی شعراء کے نام حسب ذیل ہیں۔ محمد جان قدسی (متوفی 1056ھ) مشہدی، ملا طغرا مشہدی، میر فتح اللہ شیرازی، مرزا محمد قلی سلیم طہرانی، حکیم ابو طالب کلیم ہمدانی (متوفی 1061ھ)، شیدا فتح پوری، عنایت خان آشنا (متوفی 1077ھ) میرزا ابو القاسم۔

☆ شعری کاشمیری فارسی زبان کے قادر الکلام اور نامور شاعر تھے۔ انہوں نے بہت سے کتب لکھیں۔ ''مراۃ الخیال'' ان کا فارسی دیوان ہے۔ انہوں نے اپنی تاریخ وفات خود کہی۔ رحمت خدا آمد 1298ھ۔

☆ ''اکبر نامہ'' طویل مثنوی ہے جسے فردوسیٔ کشمیر ملا حمید اللہ نے 1260ھ میں لکھا تھا۔

☆ ''تاریخ کشتواڑ'' فارسی زبان میں پنڈت شیو جی نے 1263ھ میں لکھی۔

☆ غلام رسول شیوا فارسی کا نامور شاعر تھا۔ وہ چار کتابوں کا مصنف تھا۔ ''مجموعہ شیوا'' اس کی طویل فارسی نظم ہے۔

کشمیر اور بدھ مت

گوتم بدھ نے کہا تھا ''میری وفات کے بعد کشمیر میں بدھ مت پھیلے گا اور گھر کی حیثیت سے شہرت حاصل کرے گا۔ اس کی پیغمبرانہ پیشن گوئی درست ثابت ہوئی عیسائیت سے قبل بدھ مت دنیا کا سب سے بڑا مذہب تھا۔ کشمیر اس کا گھر تھا۔ یہیں سے یہ مذہب ایشیاء، چین، تبت، منگولیا اور انڈونیشیاء میں پھیلا۔

☆ بدھ مت 3 سو برس تک کشمیر کا سرکاری مذہب رہا۔

☆ کشمیر میں بدھ مت کا پہلا حکمران سریندر تھا۔ یہ کشمیر کا رہنے والا تھا۔ نیکی اور پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھا۔

☆ کشان راج کشمیر میں بدھوؤں کا سنہری دور تھا۔

☆ 250 ق م میں بدھ حکمران اشوک نے کشمیر فتح کیا اس نے سرینگر شہر کو عظیم الشان انداز سے تعمیر کروایا۔

☆ کنشک کے عہد میں بدھوؤں کی چوتھی عالمی کانفرنس کشمیر میں منعقد ہوئی جس میں بدھ مت کے سیکڑوں علماء شریک ہوئے اور اس مذہب کی تعلیمات پر سیر حاصل کتب لکھی گئیں۔

☆ شاردا یونیورسٹی کی بنیاد بدھ حکمران کنشک کے عہد حکومت (120 تا 162ء) میں رکھی گئی۔ یہ یونیورسٹی بدھوؤں کی عالمی درسگاہ تھی۔ دنیا بھر کے بدھ حکمران حصول علم کے لیے یہاں آتے اس یونیورسٹی کے آثار آزاد کشمیر کی وادی نیلم میں اب بھی موجود ہیں۔

☆ کشمیر میں بدھ مت کے مہایان فرقے کا بانی ناگ ارجن ایک مشہور کیمیادان تھا وہ ادویات کے بارے میں وسیع علم رکھتا تھا۔ اس نے ادویات کے مرکبات تیار کرنے کے کامیاب تجربے کیے اور ایک ایسی گولی ایجاد کی جو ذہن اور جسم دونوں کو توانائی عطا کرتی تھی اور جس سے انسانی عمر میں کئی برس کا اضافہ ہوتا تھا۔ ناگ ارجن علم کیمیا پر اتنا ایمان رکھتا تھا کہ وہ کہتا تھا ''جب تک کیمسٹری کی سائنس موجود ہے کوئی انسان درد یا بیماری کا شکار نہیں ہو سکتا''۔

کشمیر اور مغل حکمران

☆ مغلیہ سلطنت صوبوں میں منقسم تھی، صوبے سرکاروں میں، سرکاریں پرگنوں یا محالوں میں اور محال دستوروں میں۔ مغلوں نے جب کشمیر کی آزاد حیثیت کو ختم کر دیا تو اسے سرکار کا درجہ دیا، کشمیر سرکار صوبہ کابل میں شامل تھی، کشمیر سرکار کے دو حصے تھے امراز اور کمراز۔

☆ اکبر کے درباری عالم ابوالفضل کی دو تصانیف ''آئین اکبری'' اور ''اکبر نامہ'' میں کشمیر کے بارے نادر معلومات درج ہیں۔ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ سری نگر شہر چار فرسخ لمبا ہے (ایک فرسخ پونے چار میل کا ہوتا ہے) گویا اس وقت سرینگر شہر 15 میل لمبا تھا۔

☆ مغلوں کے زمانے میں کشمیر میں اشرفی چلتی تھی۔ یہ وزن میں ہندوستانی اشرفی سے چار سرخ زیادہ تھی۔ ماشہ چھ سرخ کا ہوتا ہے، سونے کی اشرفی سولہ دانگ کی ہوتی تھی، دانگ چھ سرخ کا ہوتا ہے، تولہ سولہ ماشے کا ہوتا تھا، چاندی کا سکہ نو ماشے کے برابر تھا اسے رد پیہ سائس کہتے۔ پیسہ تانبے کا ہوتا 1/4 دام جسے کشر کہتے۔

☆ اکبر کے درباری مورخ اور عالم ابوالفضل نے کشمیر میں دو ہزار رشیوں کی موجودگی کی گواہی دی ہے اور لکھا ہے کہ رشی بزرگ مختلف عقائد رکھنے والوں کو برا بھلا نہیں کہتے، بھیک نہیں مانگتے، کسی کو تنگ نہیں کرتے، راستے میں ثمر دار درخت لگاتے ہیں، لوگوں کی فلاح کے کام کرتے ہیں،

گوشت نہیں کھاتے اور شادی نہیں کرتے۔

☆ بابر کا خالہ زاد بھائی مرزا حیدر دوغلات 1540ء میں لداخ کے راستے کشمیر پر حملہ آور ہوا مقامی حکمرانوں کو شکست دی اور یہاں 12 برس تک حکومت کرتا رہا۔ اس کی قبر مزار سلاطین سری نگر میں ہے۔

☆ ہمایوں نے کشمیر فتح کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا البتہ کشمیر میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور سکہ ڈھالا گیا۔

اکبر اعظم

☆ اکبر 1588ء کے اوائل میں پہلی بار بھمبر کے راستے کشمیر میں داخل ہوا۔

☆ اکبر صرف تین بار کشمیر آیا۔

☆ بھمبر کی تاریخی سرائے اکبر نے راجہ غنی خاں سے تعمیر کروائی۔

☆ قلعہ ہری پربت (سرینگر) کی تعمیر اکبر کے عہد میں شروع ہوئی لیکن تکمیل جہانگیر کے عہد میں ہوئی۔ اس قلعے کے تین دروازے ہیں۔ سنگین دروازہ، باچھی دروازہ اور کابلی دروازہ۔

☆ اکبر کے زمانے میں شاہی فرمان جاری کرنے کے لیے سونے کی مہر ڈھالی گئی جو چوکور تھی۔

☆ اکبر جب کشمیر آیا تو وہ یہاں کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے کشمیر سے اپنی ماں کو ایک خط لکھا جس میں کشمیر کی خوبصورتی کا ذکر کیا اور ماں کو کشمیر آنے کی دعوت دی چنانچہ اس کی ماں حمیدہ بانو کشمیر کی سیاحت کے لیے آئی۔

☆ اکبر نے سرینگر میں جمال الدین آنجو کو فارسی فرہنگ لکھنے کی ہدایت کی جو 1017ء میں بعہد جہانگیری مکمل ہوئی اور اس کا نام فرہنگ جہانگیری پڑا۔

☆ اکبر نے کشمیر فتح کرنے کے لیے پہلی مہم 1560ء میں روانہ کی۔ اس کی سپہ سالاری قراء بہادر کے سپرد تھی۔ کشمیر کے چک حکمران غازی چک نے قراء بہادر کو شکست دی۔

☆ اکبر نے کشمیر فتح کرنے کے لیے دوسری مہم مرزا قاسم کی سرکردگی میں 28 جون 1586ء کو لاہور سے براستہ بھمبر روانہ کی۔

☆ اکبر نے بھمبر کا نام اکبر آباد رکھا۔

☆ نسیم باغ پہلا مغل باغ تھا جو اکبر نے سرینگر میں لگوایا۔

☆ بھمبر کو سرینگر سے ملانے والی تاریخی سڑک کو مغل روڈ کہا جاتا ہے۔ اس کا پرانا نام نمک روڈ تھا لیکن جب مغل اس راستے کشمیر آنے لگے تو اس کا نام مغل روڈ پڑ گیا۔ یہ سڑک اکبر کے چیف

انجینئر محمد قاسم نے تعمیر کروائی تھی۔ بھمبر سے سرینگر 147 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ گجرات سے سرینگر جاتے ہوئے راستے میں حسب ذیل مقامات پر 14 پڑاؤ آتے ہیں۔

۱۔	گجرات سے بھمبر	28.5 میل
۲۔	بھمبر سے سعد آباد	15 میل
۳۔	سعد آباد سے نوشہرہ	12.5 میل
۴۔	نوشہرہ سے چنگس	13.5 میل
۵۔	چنگس سے راجوری	14 میل
۶۔	راجوری سے تھنہ منڈی	14 میل
۷۔	تھنہ منڈی سے بہرام گلہ	10.5 میل
۸۔	بہرام گلہ سے پشیانہ	8 میل
۹۔	پشیانہ سے علی آباد سرائے	11 میل
۱۰۔	علی آباد سے ہیر پور	12 میل
۱۱۔	ہیر پور سے شوپیاں	8 میل
۱۲۔	شوپیاں سے رامو	11 میل
۱۳۔	رامو سے کنک پورہ	8 میل
۱۴۔	کنک پورہ سے سرینگر	8 میل

جہانگیر

☆ جہانگیر آٹھ بار کشمیر آیا چھ بار ملکہ نور جہاں اس کے ہمراہ تھی۔

☆ جہانگیر تخت نشین ہو کر پہلی بار براستہ کشمیر ہزارہ روڈ وارد کشمیر ہوا۔ اس سفر کے دوران اسے آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہوا۔ نور جہاں ہمراہ تھی اس نے دریائے کنہار کے صاف و شفاف پانی سے جہانگیر کو چھینٹے دیئے تو اس کی تکلیف ختم ہو گئی۔ نور جہاں نے دریائے کنہار کے لیے ''نین سکھ ندی'' کا نام موزوں کیا۔

☆ جہانگیر نے بلتستان کے ایک راجے کی بیٹی سے شادی کی۔

☆ جہانگیر نے تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ اس نے درجن بھر گھوڑ سواروں کے ہمراہ شدید بارش سے بچنے کے لیے ایک بوڑھے چنار کے کھوکھلے تنے میں پناہ لی تھی (اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ

چنار کا وہ درخت کتنا بڑا ہوگا)۔

☆ جہانگیر نے کشمیر میں حسب ذیل باغات لگوائے۔ باغ عیش آباد، باغ بحرآرا، نور باغ، باغ دولت آباد، باغ ارادت خان، باغ صفاپورہ، باغ امرود، باغ دیری ناگ، باغ اچھ بل۔

شاہ جہان

☆ شاہ جہان شاہزادگی کے زمانے میں کشمیر کی سیر کر چکا تھا بحیثیت بادشاہ 1634ء کو براستہ بھمبر کشمیر روانہ ہوا۔

☆ شاہ جہان کے درباری مورخ ملا محمد صالح کمبوہ نے ''شاہ جہان نامہ'' میں شاہی سیر کشمیر کی روائیداد قلم بند کی ہے۔

اورنگزیب عالمگیر

☆ اورنگزیب عالمگیر صرف ایک مرتبہ 1664ء میں کشمیر آیا، فرانس کا مشہور سیاح برنیئر اس کے ہمراہ تھا۔

☆ اورنگزیب عالمگیر نے کشمیر کو قبہ اسلام قرار دیا۔

☆ اورنگزیب کی ایک بیوی راج پالی راجوری کے راجہ کی بیٹی تھی۔

☆ مغلوں نے کشمیر میں حمام، کنویں، تالاب، سرائیں، قلعے اور مساجد تعمیر کروائیں۔

☆ فارسی کے نامور شعراء فیضی، عرفی، طالب، کلیم اور قدسی مغلیہ عہد میں کشمیر آئے۔

☆ شاہ میریوں اور چکوں کی چوب کاری عمارتوں کے بعد مغلوں نے کشمیر میں پتھر کی عمارات کو رواج دیا۔

☆ مغلوں نے کشمیر میں فن خطاطی کو عروج بخشا، محمد حسین زریں رقم اور محمد مراد شیریں قلم مشہور خطاط تھے۔

☆ مغلوں نے کشمیر میں طرح طرح کے پھل، پھول اور اشجار کاشت کروائے۔

☆ مغلوں نے کشمیر میں مصوری کو عروج بخشا۔

☆ مغل لداخ کو تبت بزرگ کہتے اور بلتستان کو تبت خورد۔

☆ ''شالیمار'' کے معنی ہیں عیش وعشرت کی جگہ۔

☆ لداخ میں مغلوں کی عمل داری ایک صدی تک رہی۔ یہ عمل داری عملی نہیں تھی۔ لداخی راجے اندرونی طور پر خودمختار تھے اس کے عوض وہ مغلوں کو باج ادا کرتے لیکن ان کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے تھے۔

کشمیر اور اردو صحافت

☆ مہاراجہ پرتاب سنگھ کے عہد حکومت میں ایک ہندو صحافی لالہ ملک راج صراف کی مسلسل کوشش سے 20 مئی 1924ء کو جموں سے پہلا اردو اخبار رنبیر جاری ہوا۔ یہ اخبار 26 سال تک (1950 تک) شائع ہوتا رہا۔ رنبیر شائع ہونے کے بعد 1932ء تک کوئی دوسرا اخبار شائع نہ ہوا۔ البتہ 1932ء کے بعد حسب ذیل اخبارات شائع ہوئے۔ امر، سویرا، سچ، کشمیر میل، وطن، پاسبان، حقیقت، لارتن، انڈسٹریل، زندگی، چاند، فردوس، چناب، خورشید، جمہور اور جاوید وغیرہ۔

☆ مہاراجہ ہری سنگھ کے عہد حکومت میں وادی کشمیر سے پہلا اردو اخبار ''وتستا'' جاری ہوا جسے پنڈت پریم ناتھ بزاز نے جاری کیا۔ اس کے بعد وادی کشمیر سے جو اخبارات شائع ہوئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ ہمدرد، کیسری، دیش، خالد، خدمت، حقیقت، صداقت، نور، جہانگیر، اسلام، راہنما، قومی درد، بے کار، حریت، دہقان، توحید، ہدایت، سدھار، اصلاح، وکیل، روشنی، ذوالفقار، خالصہ گزٹ، امرت، سنطور، شمشیر، وچار، طبیب، مسیحا، نشاط، کونگ پوش، پیغام، پٹوار گزٹ، سدھارک، زعفران، کشمیر، ابرق، کشمیر کرانیکل، جوہر وغیرہ۔

☆ ریاست جموں کشمیر میں پریس ایکٹ مہاراجہ پرتاب سنگھ کے عہد میں بنا۔ اس ایکٹ کے تحت کوئی اخبار جاری کرنے کی درخواست پر صرف مہاراجہ بہادر ہی غور کر سکتا تھا۔

☆ جموں کشمیر کی صحافتی تاریخ میں 13 فروری 1944ء کو وزیر اعظم سر بی این راؤ نے اپنے دفتر میں پہلی پریس کانفرنس طلب کی جس میں 20 کے قریب ایڈیٹروں اور اخباری نمائندوں نے شرکت کی۔

☆ ریاست جموں کشمیر کے نامور صحافی و دانشور وید بھسین 5 نومبر 2015ء کو جموں میں انتقال کر گئے۔

کشمیر اور علامہ اقبال

جس خاک کے ضمیر میں ہو آتش چنار ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاک ارجمند

☆ علامہ اقبال کے آباؤ اجداد سترھویں صدی کے آخر میں وادی کشمیر کی تحصیل کولگام پرگنہ آڈونی کے موضع چکو سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آ گئے۔

☆ اقبال کے جد اعلیٰ کا نام شیخ صالح محمد عرف بابا لولی حج تھا وہ شیخ نور الدین ولی کے چوتھے خلیفہ بابا نصر الدین (855ء) کے مرید تھے۔

☆ علامہ اقبال کشمیری پنڈتوں کی ''سپرو'' گوت سے تعلق رکھتے تھے۔

☆ اقبال کے پردادا شیخ جمال الدین اپنے چار بیٹوں شیخ عبدالرحمان، شیخ محمد رمضان، شیخ محمد رفیق اور شیخ محمد عبداللہ کے ہمراہ براستہ جموں سیالکوٹ محلہ کھٹیکاں میں آ بسے۔

☆ اقبال کے دادا شیخ محمد رفیق کی دوسری شادی جلالپور جٹاں کے کشمیری گھرانے میں ہوئی۔

☆ اقبال کے والد شیخ نور محمد کی شادی سمبڑیال کے کشمیری گھرانے میں امام بی بی (وفات 9 نومبر 1914ء) سے ہوئی۔

☆ علامہ اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

☆ لاہور کی کشمیری برادری نے فروری 1896ء میں ''انجمن کشمیری مسلمانان لاہور'' بنائی اقبال نے ایک یادگار نظم لکھی۔1909 میں علامہ اقبال اس انجمن کے سیکرٹری جنرل بھی رہے۔

☆ آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس 1908ء کو بنی علامہ اقبال اس کے سیکرٹری جنرل بنائے گئے۔

☆ علامہ اقبال نے مورخ کشمیر منشی محمد دین فوق کو لکھا تھا کہ ''کشمیر اور اہل کشمیر پر کتابیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں پر اور ان کے لٹریچر پر احسان کیا ہے''۔

☆ کشمیر کے حسب ذیل مشاہیر سے علامہ اقبال کے روابط رہے۔منشی سراج الدین، مولانا انور شاہ کشمیری، میر واعظ مولانا یوسف شاہ، شیخ عبداللہ، غلام احمد مہجور، ڈاکٹر رفیع الدین اور شیخ عبدالحمید۔

☆ مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے ڈاکٹر محمد اقبال کو کشمیر ہاؤس لاہور میں عندالملاقات کشمیر آنے کی دعوت دی۔مگر وہ اس دعوت پر کشمیر نہ جا سکے۔

☆ علامہ اقبال کشمیر کی ان تین شخصیات سے بہت متاثر تھے، سلطان شہاب الدین، سید علی ہمدانی اور غنی کاشمیری۔

☆ علامہ اقبال کا گھریلو ملازم غلام محمد بٹ شوپیاں وادی کشمیر کا رہنے والا تھا۔

☆ علامہ اقبال نے 1909ء کو مہاراجہ پرتاب سنگھ سے کشمیر ہاؤس لاہور میں ملاقات کی اور انہیں ریاستی مسلمانوں کے مسائل و مشکلات سے آگاہ کیا۔

☆ علامہ اقبال جون 1921ء میں پہلی بار کشمیر آئے۔آپ شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش کی ضبطی جائیداد کے مقدمے کی پیروی کے سلسلے میں آئے۔شیخ محمد بخش کے داماد منشی سراج الدین نے انہیں مقدمے کی پیروی کے لیے بلایا تھا۔اقبال کے ہمراہ ان کے دوست مولوی احمد دین ایڈووکیٹ اور منشی شیخ طاہر دین تھے۔آپ جون کے آخری عشرے میں راولپنڈی سے براستہ کوہالہ مظفرآباد سرینگر پہنچے، ڈل جھیل ہاؤس بوٹ میں ٹھہرے۔اقبال یہ مقدمہ ہار گئے۔انہیں

ایک دوسرا مقدمہ جس میں ایک ملزم رحمان راکو سزائے موت ہو چکی تھی۔ اقبال نے پیروی کی تو یہ سزا عمر قید میں بدل گئی۔ اگست 1921 میں اقبال ایک اور مقدمے کی پیروی کے لیے کشمیر آئے۔

☆ اقبال نے کشمیر میں دو ہفتے قیام کیا مناظر فطرت دیکھے اور ''کشمیر''، ''غنی کشمیری'' اور'' ساقی نامہ'' نظمیں لکھیں۔ یہ نظمیں پیام مشرق میں ہیں۔

☆ اقبال نے اپنی مشہور فارسی نظم'' ساقی نامہ'' نشاط باغ میں بیٹھ کر لکھی۔

☆ آل انڈیا کشمیر کمیٹی 25 جولائی 1931ء کو شملہ میں نواب ذوالفقار علی کی کوٹھی (Fair View) میں تشکیل دی گئی۔ جون 1933ء میں اقبال اس کمیٹی کے صدر بنائے گئے۔

☆ ارمغان حجاز میں '' ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض'' کے عنوان سے اقبال نے کشمیر کے حوالے سے سترہ نظمیں اور دو اشعار لکھے ہیں۔

☆ اپنی وفات سے دو ماہ قبل علامہ اقبال نے شیخ عبداللہ سے اس سال کشمیر آنے کا وعدہ کیا تھا۔

☆ علامہ اقبال نے جن کشمیری شخصیات سے مراسلت رکھی ان میں شیخ عبداللہ، غلام احمد مجور، مولانا انور شاہ کشمیری، منشی محمد دین فوق اور منشی سراج الدین شامل ہیں۔

☆ ''اقبال اور کشمیر'' کے موضوع پر چار نامور مصنفین کی تحقیقی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر صابر آفاقی، سلیم خان گمی، جگن ناتھ آزاد اور غلام نبی خیال

کشمیر اور قائداعظم

☆ قائداعظم 1919ء کو پہلی بار کشمیر تشریف لے گئے ان کی اہلیہ مسز رتی جناح بھی ان کے ساتھ تھیں۔

☆ قائداعظم دوسری بار 1926ء کو کشمیر گئے۔

☆ قائداعظم تیسری بار 1936ء کو دو اہم مقدمات کی پیروی کے سلسلے میں کشمیر آئے۔ ایک مقدمہ عزیز پنڈت اور دوسرا صفیہ بیگم کے عقد ثانی کا تھا۔ ان مقدمات سے حاصل ہونے والی فیس قائداعظم نے انجمن نصرت الاسلام کی سرپرستی میں چلنے والے اسلامیہ ہائی سکول سرینگر کو دے دی۔

☆ قائداعظم چوتھی بار 8 مئی 1944ء کو براستہ سوچیت گڑھ جموں پہنچے۔ اس بار وہ اڑھائی ماہ کشمیر ٹھہرے۔

☆ قائداعظم کو آخری بار کشمیر آنے کی دعوت دینے والی تین جماعتیں تھیں۔ نیشنل کانفرنس، مسلم کانفرنس اور مسلم سٹوڈنٹس یونین۔

☆ نومبر 1943ء کو نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکرٹری مولوی محمد سعید مسعودی اور خواجہ غلام صادق

نے دہلی میں قائداعظم سے ملاقات کی اور انہیں کشمیر آنے کی دعوت دی۔

- ☆ چوہدری غلام عباس نے یکم اپریل 1944ء کو لاہور میں قائداعظم سے ملاقات کی اور انہیں کشمیر آنے کی دعوت دی۔
- ☆ شیخ محمد عبداللہ نے اپریل 1944ء کو لاہور میں قائداعظم سے ملاقات کی اور انہیں کشمیر آنے کی دعوت دی۔
- ☆ قائداعظم نے کشمیر روانگی سے قبل 6 مئی کو چوہدری غلام عباس کو تار دیا اور لکھا کہ وہ شیخ عبداللہ اور میر واعظ مولانا یوسف شاہ کو بھی میری آمد کی اطلاع کر دیں۔
- ☆ 8 مئی کو قائداعظم اور مس فاطمہ جناح سیالکوٹ سے جموں پہنچے، ذاتی ملازم زرین گل ان کے ہمراہ تھا۔ اہل کشمیر نے زبردست استقبال کیا۔ رات کو عید گاہ میں عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں غیر مسلموں نے بھی شرکت کی۔
- ☆ قائداعظم جموں سے 9 مئی کو سرینگر روانہ ہوئے لیکن رات بانہال کے ڈاک بنگلے میں گزاری۔
- ☆ قائداعظم 10 مئی کو سرینگر پہنچے "نیشنل کانفرنس نے پرتاب پارک میں اور مسلم کانفرنس نے درگجن میں استقبالیہ دیا۔
- ☆ نیشنل کانفرنس کے استقبالیہ اجلاس میں جیا لعل کلم نے سپاس نامہ پیش کیا اور مسلم کانفرنس کے استقبالیہ میں میر واعظ مولانا یوسف شاہ نے سپاس نامہ پڑھا۔
- ☆ کشمیر میں قائداعظم سر مراتب علی کے بنگلے "کوشک" اور کوئن الزبتھ نامی ہاؤس بوٹ میں قیام پذیر رہے۔
- ☆ قائداعظم کے اعزاز میں ایک بڑی ضیافت کا اہتمام میر واعظ مولانا یوسف شاہ نے کیا انہوں نے قائداعظم کو کشمیری شال کا تحفہ پیش کیا جسے اوڑھتے ہوئے قائداعظم مسکرائے اور فرمانے لگے "لو آج تو میں بھی کشمیری ہو گیا ہوں"۔
- ☆ قائداعظم نے کشمیر میں اپنے قیام کے دوران 17 جون 1944ء کو مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں بطور مہمان خصوصی شرکت کی۔
- ☆ قائداعظم نے اپنے دورہ کشمیر کے دوران میر واعظ مولانا یوسف شاہ کو سیاست سے کنارہ کش رہنے اور صرف مذہبی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے کا مشورہ دیا۔
- ☆ جن دنوں قائداعظم سرینگر میں قیام پذیر تھے مسٹر گاندھی نے انہیں ایک خط لکھا تھا جس میں یہ پیش کش کی گئی تھی کہ ہندوستان کی تقسیم کا معاملہ ہمیں بھائیوں کی طرح نمٹا لینا چاہیے۔
- ☆ قائداعظم جب کشمیر آئے تو مہاراجہ ہری سنگھ انگلستان گیا ہوا تھا، قائداعظم کی واپسی سے ایک

ہفتہ قبل وہ واپس آ گیا، قائد اعظم نے ملاقات کے لیے پیغام بھیجا لیکن مہاراجہ نے ملنے سے معذرت کر دی۔

☆ جن دنوں قائد اعظم کشمیر میں قیام پذیر تھے آل انڈیا سٹیٹس مسلم لیگ کے صدر نواب بہادر یار جنگ انتقال کر گئے۔

☆ قائد اعظم نے سرینگر کے ایک ہونہار طالب علم کے ایچ خورشید کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر انہیں بطور پرائیویٹ سیکرٹری اپنے ساتھ رکھ لیا۔ اس نوجوان نے تحریک پاکستان میں عظیم کردار ادا کیا۔

☆ قائد اعظم 26 جولائی 1944ء کو براستہ جہلم دیلی روڈ واپس تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ مس فاطمہ جناح اور چوہدری غلام عباس بھی تھے۔

☆ واپسی پر ریاست جموں کشمیر کے مسلمانوں نے اپنے عظیم مہمان کا جگہ جگہ استقبال کیا، بارہ مولا میں خواجہ غلام دین وانی، سوپور میں خواجہ غلام محی الدین، اوڑی میں مولوی ایوب انصاری (نیشنل کانفرنس) اور مظفر آباد میں خواجہ غلام قادر (نیشنل کانفرنس) نے سپاس نامے پیش کئے۔

☆ مظفر آباد میں قائد اعظم دومیل ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے، شیخ سعید احمد نے قائد اعظم کے اعزاز میں عشائیہ دیا، دوسرے روز راولپنڈی روانگی سے قبل قائد اعظم نے اپنی طرف سے مظفر آباد کے معززین کو ظہرانہ دیا۔

☆ قائد اعظم نے سرینگر میں ایک موقع پر خطاب کرتے ہوئے ریاستی مسلمانوں کو اتحاد اتفاق کی ان الفاظ میں تلقین کی۔ ''ہمارا خدا ایک ہے، رسول ایک، کتاب ایک اور دین ایک ہے تو ہماری تنظیم اور قائد بھی ایک ہونا چاہیے''۔

☆ قائد اعظم نے ایک موقع پر شیخ عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ہندوستان میں ایک اصول پر عمل کروں اور کشمیر میں کوئی دوسرا اصول اختیار کروں''۔

☆ 18 جون 1947ء کے پاکستان ٹائمز میں قائد اعظم محمد علی جناح کا ایک بیان نمایاں طور پر شائع ہوا جس میں قائد اعظم نے کشمیریوں کے حق خود مختاری کو واشگاف الفاظ میں تسلیم کرتے ہوئے فرمایا۔

"Constitutionally and legally, the Indian states will be independent sovereiegn states on the termination of Paramountcy and they will be free to decide for themselves to adopt any course they like. It is open to them to join the Hindustan constituent Assambly or the Pakistan constituent Assambly or

decide to remain independent. "ل

☆ 11 جولائی 1947ء کو مسلم کانفرنس کے سرکردہ راہنما چوہدری حمید اللہ خان اور پروفیسر اسحاق قریشی دہلی میں قائداعظم سے ملے۔ قائداعظم نے اس موقع پر اپنا پالیسی بیان جاری کرتے ہوئے خودمختار کشمیر کو کشمیریوں کا حق تسلیم کرتے ہوئے فرمایا۔

"The second question that is engaging the attention of the Muslims of Kashmir is whether Kashmir is going to join the constituent Assambly of Hindustan or the constituent Assambly of Pakistan. I have already mad it clear more than once that the Indian States are free to join either the Pakistan constituent Assambly or the Hindustan constituent Assambly or remain independet"ع

کشمیری النسل مشاہیر ہند

۱۔	علامہ اقبال	(شعر و فلسفہ)
۲۔	حکیم اجمل خان	(طب)
۳۔	سید عطا اللہ شاہ بخاری	(خطابت)
۴۔	منشی محمد دین فوق	(مورخ)
۵۔	آغا حشر کاشمیری	(ڈرامہ نگار)
۶۔	سعادت حسن منٹو	(افسانہ نگار)
۷۔	نواب سلیم اللہ خان	(سیاست)
۸۔	پنڈت جواہر لعل نہرو	(سیاست)
۹۔	شورش کاشمیری	(صحافت)
۱۰۔	جسٹس دین محمد	(قانون)

کشمیری اہل قلم کی خودنوشت سوانح عمریاں

ل 18 June 1947 Pakistan Times

ع 13 July 1947 - Pakistan Times

☆ آتش چنار شیخ محمد عبداللہ ☆ شہاب نامہ قدرت اللہ شہاب
☆ Kashmir 1947, A survivor's story کرشنامہتا
☆ جہد مسلسل (حصہ اول، دوئم، سوئم) امان اللہ خان
☆ متاع زندگی سردار محمد ابراہیم خان ☆ کشمکش چوہدری غلام عباس
☆ Judge of East چیف جسٹس (ر) عبدالمجید ملک
☆ کشمیر آزادی کی دہلیز پر خواجہ غلام احمد پنڈت
☆ روداد قفس سید علی گیلانی
☆ جو ہم گزار چکے جسٹس محمد اکرم خان
☆ روائیداد زنداں محمد سعید شاہ بخاری
☆ شمشیر سے زنجیر تک کرنل مرزا حسن خان
☆ زندگی جبر مسلسل چوہدری شریف طارق ایڈووکیٹ
☆ نقش برآب چوہدری محمد یوسف
☆ باغ شیری سے بریڈفورڈ تک حاجی محمد سلیم
☆ داستان حیات بریگیڈئیر حیات خان
☆ داستان عزم عبدالقیوم راجہ ☆ کاروان یوسف چوہدری محمد یوسف
☆ یادوں کی سوغات چوہدری محمد صادق
☆ آواز حق چوہدری لعل خان ایڈووکیٹ
☆ متاع غرور عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ
☆ تصویر حیات قاضی مقبول الرحمن
☆ My Struggle for an independent Kashmir ڈاکٹر شبیر چوہدری
☆ میزان زیست جسٹس منظور حسین گیلانی

کشمیر... متفرق معلومات

☆ سرینگر سے جموں کا فاصلہ 205 میل ہے۔
☆ بانہال ٹنل ایشیاء کی سب سے بڑی سرنگ ہے یہ صوبہ جموں کو وادی کشمیر سے ملاتی ہے۔ اس کی لمبائی اڑھائی میل ہے۔ یہ سطح سمندر سے 9200 فٹ بلند ہے۔

☆ جھیل وولر ایشیا میں میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے۔ اس کی لمبائی تیس 30 کلومیٹر اور چوڑائی 14 کلومیٹر ہے۔ یہ وادی کشمیر کے ضلع بارہ مولا میں واقع ہے۔
☆ دریائے جہلم، چشمہ ویری ناگ سے نکلتا ہے جو سری نگر سے 48 میل دور ہے۔
☆ برصغیر میں سب سے پہلا جہاز 30 جنوری 1971ء کو دو کشمیری نوجوانوں اشرف قریشی اور ہاشم قریشی نے اغوا کیا۔
☆ آریا جب کشمیر میں آئے تو دریائے جہلم کے کنارے آباد ہوئے۔
☆ کشمیر میں ریشم سازی کا فن چین سے آیا۔
☆ کشمیر کو سورج اور چاند سے قریب ہونے کی وجہ سے Roof of the world کہا جاتا ہے۔
☆ ڈوگرہ عہد میں ریاست جموں کشمیر میں مسلمانوں کی شرح خواندگی ایک فیصد تھی۔
☆ گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسر گوری شنکر نے ہندوؤں کی مقدس کتاب گیتا کا ڈوگری زبان میں ترجمہ کیا اور ریاست کی طرف سے انعام پایا۔
☆ قراقرم ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "کالا پتھر" قراقرم کا سلسلہ 482 کلومیٹر طویل ہے۔
☆ برنیئر کشمیر میں داخل ہونے والا پہلا یورپی باشندہ تھا۔
☆ سرینگر سے لداخ 390 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ راستے میں مشہور درہ زوجیلا سے گزرنا پڑتا ہے۔
☆ مہاراجہ گلاب سنگھ اور رنبیر سنگھ کے عہد میں فارسی سرکاری زبان تھی۔ پرتاب سنگھ کے عہد میں اس کی جگہ اردو، دفتری، عدالتی اور درسی زبان قرار دی گئی۔
☆ 1899ء میں سدھن سردار بہادر علی خان نے ڈوگرہ حکومت کے خلاف حقوق ملکیت کی تحریک چلائی۔
☆ ڈوگرہ حکومت نے حفیظ جالندھری کو جولائی 1946ء کو ریاست بدر کر دیا۔
☆ 1857ء کی جنگ آزادی کے دوران مہاراجہ گلاب سنگھ نے انگریزی حکومت کی مدد کے لیے دس لاکھ روپے نقد، دو ہزار سپاہی، دو سو گھوڑے اور چھ گنیں اپنے بیٹے رنبیر سنگھ کی نگرانی میں دہلی روانہ کیں۔
☆ انگریزوں نے 1905ء میں راولپنڈی کو سرینگر سے زیر زمین ریلوے لائن کے ذریعے ملانے کا منصوبہ بنایا جسے مہاراجہ پرتاب سنگھ نے قبول نہ کیا۔
☆ مہورہ (بارہ مولا) کا بجلی گھر دوسرا بڑا بجلی گھر تھا جو برصغیر میں انگریزوں نے 1907ء کو قائم کیا۔
☆ دوسری جنگ عظیم میں ریاست جموں کشمیر کے 60,402 مسلمانوں نے فوجی خدمات سرانجام دیں۔ ان میں سے تقریباً 50 ہزار کا تعلق صرف پونچھ سے تھا۔
☆ دریائے سندھ کو دریائے مہران اور دریائے اباسین (دریاؤں کا باپ) بھی کہا جاتا ہے۔

☆ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ریاست کی چار تحصیلیں مہنڈر، حویلی، سدھنوتی اور باغ اپنے بھتیجے موتی سنگھ کو بطور جاگیر عطا کیں۔

☆ دریائے جہلم اور دریائے چناب ہیڈ تریموں (جھنگ) میں جا کر ملتے ہیں۔

☆ وادی نیلم کو مشرق کی ملکہ حسن کہا جاتا ہے۔

☆ ڈوگروں کے سو سالہ عہد میں ریاست جموں کشمیر میں 28 وزرائے اعظم ہوئے جن میں سے ایک بھی مسلمان نہ تھا۔

☆ کشمیر کے ضلع اننت ناگ میں زعفران بکثرت ہوتا ہے۔ یہ دنیا کی بہت قیمتی فصل ہے۔ 75 ہزار پھولوں سے ایک پاؤنڈ زعفران حاصل ہوتا ہے۔

☆ کشمیری حریت پسندوں سید عبدالحمید دیوانی اور ان کے 5 ساتھیوں نے انڈین طیارہ بوئنگ 737 10 ستمبر 1976 کو دلی پالم ایئر پورٹ سے اغوا کیا اور لاہور کے ہوائی اڈے پر اتارا۔

☆ منگلا ڈیم سے ایک ہزار میگاواٹ سالانہ بجلی پیدا ہوتی ہے۔

☆ ریاست جموں کشمیر کا زیر کاشت رقبہ 1089332 ہیکٹرز ہے۔

☆ کے۔ٹو کی چوٹی سر کرنے والا سب سے پہلا کشمیری باشندہ اشرف امان تھا۔

☆ بھدرواہ کو **چھوٹا کشمیر** کہا جاتا ہے۔

☆ سید علی ہمدانیؒ ٹوپیاں بنا کر روزی کماتے تھے۔

☆ کے۔ٹو کو سب سے پہلے 1954ء میں گوڈن آسٹن نے سر کیا۔

☆ سرمہ ضلع ریاستی سے نکلتا ہے۔

☆ آریاؤں اور منگولوں کی مخلوط نسلیں مظفرآباد کے علاقہ کیل میں آباد ہیں۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک وادی کشمیر کی مسجد حضرت بل میں محفوظ ہے۔

☆ سری نگر کی مشہور خانقاہ خانقاہ معلیٰ سلطان سکندر بت شکن نے تعمیر کروائی۔

☆ سرینگر کا شالیمار باغ جہانگیر نے لگوایا۔

☆ دریائے نیلم کا پرانا نام کشن گنگا ہے۔

☆ کشمیر کے مشہور پہاڑی سلسلے پیر پنجال کی لمبائی 288 کلومیٹر اور چوڑائی 50 کلومیٹر ہے۔

☆ کشمیر کا بلند ترین گلیشیر بالتورا ہے اس کی لمبائی 130 کلومیٹر ہے۔

☆ کشمیر میں مچھلی کی کئی اقسام پائی جاتی ہیں جن میں ٹراؤٹ اور مہاشیر عالمی شہرت رکھتی ہیں۔

☆ جھیل وولر (بارہ مولا) سے ساٹھ من مچھلی روزانہ پکڑی جاتی ہے۔

☆ کشمیر میں قالین بانی کا پہلا کارخانہ سی ایم ہیڈو نے لگایا۔
☆ سرینگر سے لداخ سواد وسو میل کے فاصلے پر ہے۔
☆ دریائے سندھ اپنے منبع سے 2880 کلومیٹر فاصلہ طے کر کے بحیرہ عرب میں گرتا ہے۔
☆ دریائے چناب دوندیوں چندرا اور بھاگا سے نکلتا ہے۔اس دریا پر سلال ڈیم بنایا گیا ہے۔رنبیر نہر اور پرتاب نہر اسی دریا سے نکالی گئی ہیں۔
☆ درہ حاجی پیر پہاڑی سلسلہ پیر پنجال میں واقع ہے۔
☆ ریڈیو آزاد کشمیر کا قیام 16 اپریل 1948ء کو عمل میں آیا۔
☆ دریائے راوی کلو کی پہاڑیوں سے نکلتا ہے۔اس کا منبع چشمہ کیلاش ہے۔
☆ کشمیر میں سکھوں کے آخری گورنر شیخ امام دین کی بیوی وکیلاں بی بی مظفر آباد کے کھکھہ خاندان سے تھی۔
☆ جموں سے سرینگر جاتے ہوئے راستے میں اودھم پور، پتنی ٹاپ، رام بن، ویری ناگ، اننت ناگ، پانپور اور سرینگر اہم مقامات ہیں۔
☆ کشتواڑ میں ایک آبشار سات سو میٹر کی بلندی سے گرتی ہے آبشار سات مرحلوں میں نیچے آتی ہے۔
☆ کشمیر کی بلندترین شاہراہ ''بیکن ہائی وے'' کے نام سے معروف ہے۔یہ لیہہ سے وادی نوبرا کو جاتی ہے۔یہ 18380 فٹ بلند درے سے گزرتی ہے۔اسے دنیا کی بلندترین شاہراہ بھی کہا جاتا ہے۔اس شاہراہ کے سائن بورڈ پر لکھا ہے ''Here you can have dialogue with God'' (یہاں آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو سکتے ہیں)۔
☆ بلتستان کو کوہ پیماؤں کی جنت ''Mountaineers Paradise'' کہا جاتا ہے۔
☆ ال پتھر جھیل کشمیر کی ایسی جھیل ہے جو جون کے وسط تک جمی رہتی ہے۔
☆ سرینگر سے 24 کلومیٹر کے فاصلے پر برزہ ہوم کے مقام کی کھدائی سے 2500 قبل مسیح کی آبادیوں کے نشانات ملے ہیں۔
☆ کشمیر کے عظیم روحانی پیشوا بابا امام الدین رشی کے مزار واقع گلمرگ میں مسلمان اور ہندو دونوں نذر نیاز چڑھاتے ہیں۔
☆ جھیل ولر ایشیاء میں میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے۔یہ سرینگر سے 50 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔اس کا رقبہ 200 مربع میل ہے۔
☆ کرگل سے 80 کلومیٹر کے فاصلے پر ''گرکون'' نام کی ایک بستی آباد ہے جہاں ایک ہی نسل کے لوگ آباد ہیں۔یہ لوگ آپس میں ہی شادیاں کرتے ہیں اس لیے انہوں نے نسلی انفرادیت قائم رکھی

ہے۔اس گاؤں کی حکومت ایک سات رکنی کونسل چلاتی ہے جسے گاؤں کے لوگ منتخب کرتے ہیں۔ گاؤں کی کل آبادی 1981ء میں 700 نفوس پر مشتمل تھی۔

☆ لداخ کے ضلع لیہہ میں 80 کمروں پر مشتمل ایک شاہی محل ہے جسے **ستوک محل** کہتے ہیں یہ محل 200 سال قبل تعمیر ہوا تھا۔ یہاں لداخ کا شاہی خاندان رہائش پذیر ہے اس محل میں ایک عجائب گھر ہے۔ جس میں قیمتی جواہرات، تاریخی سکے اور بیش قیمت ملبوسات رکھے گئے ہیں۔

☆ لداخی زبان میں بادشاہ کو ''**گیالپو**'' اور رانی کو ''**گیالمو**'' کہتے ہیں۔

☆ سرینگر سے لیہہ 434 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

☆ مقبوضہ پونچھ کے قریب بہرام گلہ کے مقام پر ایک خوبصورت آبشار **نوری چھم** ہے۔ اسے نور جہاں کی مناسبت سے نوری چھم کہا جاتا ہے۔ یہاں جہانگیر نے نور جہاں کی یاد میں نشست گاہ بنائی تھی۔

☆ ریاست جموں کشمیر کے بھارتی مقبوضہ علاقے میں 28299 مربع کلومیٹر پر جنگلات پھیلے ہوئے ہیں۔ صوبہ کشمیر کے جنگلات 20175 مربع کلومیٹر اور صوبہ جموں کے 8124 مربع کلومیٹر ہیں۔

☆ تقریباً ایک سو برس قبل ایک ماہر نباتات **چارلس گرڈ ستون** نے کشمیر میں جنگلات کے درختوں کی 77 اقسام دریافت کی تھیں۔

☆ بھدروا میں تین دن کا ایک میلہ لگتا ہے جسے **میلہ پات** کہتے ہیں۔

☆ بیج بہاڑہ میں قدیم زمانے کا ایک بہت بڑا پتھر کا Tub ہے جس کی لمبائی 14 فٹ، چوڑائی 5 فٹ 8 انچ، گہرائی 2 فٹ 7 انچ اور دیواروں کی موٹائی 8 انچ ہے اسے ایک ہی پتھر سے تراشا گیا ہے۔ کشمیری زبان میں اسے **ٹتھل** کہتے ہیں۔

☆ **سلال ڈیم** ریاسی میں دریائے چناب پر بنایا گیا ہے۔ اس ڈیم سے ساڑھے تین سو میگاواٹ بجلی پیدا کی جارہی ہے۔

☆ شالامار کے معنی ہیں ''دنیا کے بادشاہ کا گھر''۔

تاریخ

☆ سلطان محمود غزنوی نے دوبار 1021، 1015ء میں کشمیر پر حملہ کیا لیکن اسے شکست کھا کر واپس لوٹنا پڑا۔

☆ پونچھ کشمیر کا قدیم ترین شہر ہے۔ اسے 695ء میں مکتا پیڈ نے تعمیر کروایا۔

☆ جہانگیر کشمیر سے واپس آتے ہوئے 1647ء کو راجوری کے مقام پر فوت ہوا۔

☆ راجہ داہر کا بیٹا جے سیا محمد بن قاسم کے ہاتھوں شکست کھا کر کشمیر میں پناہ گزین ہوا۔

☆ اٹلی کا مشہور زمانہ سیاح مارکو پولو 1277ء کو کشمیر آیا۔
☆ کشمیر میں ناگ مت کے پیروکاروں نے سوا تین سو سال حکومت کی۔
☆ ترکوں نے جب کشمیر پر حملہ کیا اس وقت کشمیر میں راجہ اود یان دیو کی حکومت تھی۔
☆ کشمیر میں توپ خانے کا استعمال سلطان شہاب الدین کے دور میں ہوا۔
☆ دوسری صدی عیسوی میں یونانیوں نے کشمیر پر حملہ کیا۔ شک اور کوشان قبائل نے اسے فتح کیا۔
☆ ہندو دور میں کشمیر کے مقامی سن کو لولک کہتے تھے جسے سپت رشی نے ایجاد کیا اس کی ابتداء 3075 ق م میں کی گئی۔
☆ سلطان صدر الدین (رنچن شاہ) نے لولک کی جگہ سن ہجری رائج کیا۔
☆ سلطان شمس الدین شاہ میر نے کشمیری کیلنڈر رائج کیا جو 1320 (رنچن کے قبول اسلام) سے شروع ہوتا تھا۔ کشمیری کیلنڈر کے مہینے حسب ذیل تھے۔

۱۔	وہیک	(بیساکھ)	۲۔	زیٹھ	(جیٹھ)
۳	ہار	(ہاڑ)	۴۔	شراوَن	(ساون)
۵۔	بادر	(بھادوں)	۶۔	آشد	(اسوج)
۷۔	کارتک	(کتک)	۸۔	مونجھور	(مگھر)
۹۔	پوہ	(پوہ)	۱۰۔	ماگھ	(ماگھ)
۱۱۔	پھاگن	(پھاگن)	۱۲۔	ژتھر	(چیت)

☆ رنچن شاہ کے دور میں کشمیر کی سرکاری زبان سنسکرت تھی۔
☆ کشمیر 16 اکتوبر 1586ء کو مغل سلطنت کا حصہ بنا۔ یہ مغل سلطنت کا انیسواں صوبہ تھا۔
☆ مغل بادشاہ ہمایوں نے کئی بار کشمیر فتح کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوا۔
☆ 1540ء میں مرزا حیدر دوغلات نے لداخ کے راستے کشمیر پر حملہ کیا۔
☆ مغل شہنشاہ جہانگیر نے چشمہ ویری ناگ میں دفن ہونے کی وصیت کی تھی لیکن سفر کشمیر سے واپسی پر راجوری کے قریب وہ سرائے چنگس میں فوت ہو گیا۔ اس کی انتڑیاں وہیں دفن کر دی گئیں اور لاش کو لاہور لے جا کر دفن کیا گیا۔
☆ چینی سیاح ہیون تسانگ 630ء کو کشمیر آیا۔ اس نے دو سال یہاں قیام کیا۔ اس نے اپنے سفر نامے میں کشمیر کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔
☆ ہیون تسانگ جب کشمیر آیا اس وقت کشمیر میں درلب وردن کی حکومت تھی۔ اس کی حدود سلطنت میں

راجوری، پونچھ (پرونس) اور بھمبر شامل تھے۔

☆ کشمیر کا مشہور فاتح اور حکمران للتادتیہ 715ء میں تخت نشین ہوا اس نے دیگر علاقوں کے علاوہ کابل، بخارا، سمرقند، تاشقند، قندھار، کاشغر، ختن، ڈکا، خراسان اور ترکان تک اپنی حکومت کا پرچم لہرایا۔ اس نے سائبیریا تک کچھ علاقے فتح کر لیے۔

☆ سکھ جیون مل کو افغان بادشاہ تیمور شاہ نے 1775ء میں کشمیر کا گورنر مقرر کیا لیکن ایک سال بعد سکھ جیون مل نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ بادشاہ نے بہت بڑا لشکر بھیج کر اسے شکست دی۔ گرفتار کر کے کابل لے گئے جہاں اس کی آنکھیں نکال دی گئیں۔

☆ مشہور مورخ ملک حیدر نے لکھا ہے شاہ میری حکمران سلطان حسن شاہ (1472) کے دربار میں بارہ سو موسیقار ہوا کرتے تھے جن میں نہایت عمدہ گانے والی عورتیں بھی تھیں۔

☆ اکبر کشمیر کے خودمختار حکمران یوسف شاہ چک کو یرغمال بنا کر اپنے ساتھ لے گیا اور اسے اپنے درباری موسیقار تان سین کو فن موسیقی سکھانے پر مامور کر دیا۔

☆ کشمیر میں اسلامی عہد حکومت سے قبل 21 خاندانوں نے حکومت کی تھی جن میں سے 18 کشمیر کے مقامی خاندان تھے۔

☆ سیوئیر پہلا پرتگالی عیسائی مبلغ تھا جو سیاحت اور تبلیغ کی غرض سے شہنشاہ اکبر کے عہد میں کشمیر آیا۔

☆ برنیئر فرانس کا رہنے والا ایک انگریز معالج تھا وہ سیاحت کے لیے ہندوستان آیا اور پھر اورنگزیب عالمگیر کا درباری ڈاکٹر تعینات ہوا اس نے 1665ء میں اورنگزیب کے ہمراہ کشمیر کا سفر کیا اور اپنے مشاہدات قلم بند کئے۔

ریاستی سیاست

☆ نیشنل کانفرنس نے 2 نومبر 1947ء کو حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔

☆ کشمیر سوشلسٹ پارٹی کا بانی پنڈت پریم ناتھ بزاز تھا۔

☆ پاکستان نے 1965ء میں مقبوضہ کشمیر میں ہندوستانی فوج کے خلاف خفیہ آپریشن کیا جسے آپریشن جبرالٹر کہا جاتا ہے۔

☆ اگست 1955ء میں مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعظم بخشی غلام محمد نے مرزا افضل بیگ کو رہا کیا تو انہوں نے باہر آ کر 9 اگست 1955ء کو محاذ رائے شماری کے قیام کا اعلان کر دیا۔

☆ مسلم کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس 15 تا 17 دسمبر 1933ء کو میر پور میں منعقد ہوا۔

☆ مسلم کانفرنس نے 8 مئی 1936ء کو ریاست جموں کشمیر میں ''ذمہ دار اسمبلی ڈے'' منایا جس کا مقصد یہ تھا کہ ایک بااختیار اور نمائندہ اسمبلی قائم کی جائے جو جمہوری اصولوں پر گامزن ہو۔

☆ 14 اگست 1931ء کو کشمیر کمیٹی کی ہدایت پر سارے ہندوستان میں ''کشمیر ڈے'' منایا گیا۔

☆ 19 جولائی 1944ء کو مسٹر عبدالسلام یاتو کی قیادت میں آل جموں کشمیر کسان کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔

☆ جون 1940ء کو نیشنل کانفرنس کی دعوت پر پنڈت جواہر لعل نہرو نے کشمیر کا دورہ کیا۔

☆ جولائی 1947ء میں وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کشمیر کا دورہ کیا۔

☆ مہاتما گاندھی نے مہاراجہ ہری سنگھ کو قائل کیا کہ وہ شیخ عبداللہ کو رہا کر کے انہیں اپنا سیاسی کردار ادا کرنے دیں۔ مہاتما گاندھی تقسیم ہند سے دو ہفتے قبل اس غرض سے کشمیر آئے۔ ان دنوں شیخ عبداللہ کشمیر چھوڑ دو تحریک کے سلسلے میں قید تھے۔

☆ کشمیر کا وزیر اعظم رام چندر کاک خود مختار کشمیر کا حامی تھا۔ مہاراجہ نے اسے 11 اگست 1947ء کو وزارت عظمیٰ سے برطرف کر دیا اور اس کی جگہ مہاراجہ نے اپنے ایک رشتہ دار ٹھاکر جنگ سنگھ کو وزیر اعظم مقرر کیا۔

☆ مہاراجہ ہری سنگھ نے 15 اکتوبر 1947ء کو جسٹس مہر چند مہاجن کو کشمیر کا وزیر اعظم مقرر کیا۔

☆ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں زیر تعلیم مسلمان کشمیری طلباء نے جو تنظیم قائم کی تھی اس کا نام کشمیر مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن تھا۔

☆ 1957ء میں شیخ عبداللہ کو بخشی غلام محمد نے قید کر رکھا تھا تو ان کے ایک قریبی ساتھی خواجہ غلام محمد صادق نے 20 اکتوبر 1957ء کو سرینگر میں ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس قائم کی لیکن انہوں نے 5 دسمبر 1960ء کو ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس توڑ دی اور اپنے رفقاء سمیت دوبارہ بخشی غلام محمد کے ساتھ مل گئے۔

☆ 20 جون 1964ء کو مولوی محمد فاروق نے عوامی ایکشن کمیٹی بنائی۔

☆ 26 مئی 1949ء کو وزارت بے محکمہ حکومت پاکستان کا نام تبدیل کر کے وزارت امور کشمیر رکھ دیا گیا۔ جس کے وزیر مشتاق گورمانی تھے۔

☆ 1887ء میں کشمیر میں بندوبست اراضی کا آغاز ہوا اس وقت پرتاب سنگھ برسر تخت تھا۔ یہ کام ایک انگریز افسر مسٹر ونگیٹ کے سپرد کیا گیا۔ سرکاری افسروں، زمینداروں اور جاگیرداروں نے اس کام میں روڑے اٹکائے چنانچہ ایک سال بعد ونگیٹ نے کام ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد یہ کام ایک دوسرے انگریز افسر مسٹر والٹر لارنس کے سپرد ہوا۔ اس نے مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور

1888ء میں کام شروع کیا۔ بندوبست اراضی کا سارا کام 1912ء کو مکمل ہوا۔ بندوبست کے نتیجے میں مالیہ جنس کے بجائے سکوں میں ادا ہونے لگا۔ مالیہ کی جبری وصولی ختم کر دی گئی۔ بیگار کی ظالمانہ صورتیں ختم کی گئیں۔ غیر متنازعہ زمین پر کاشتکاروں کو مالکانہ حقوق دیئے گئے۔ مالکوں اور مزارعوں کے حقوق وفرائض کا تعین ہوا۔

☆ 23 مارچ 1940ء کو منٹو پارک لاہور میں مسلم لیگ کا جو اجلاس ہوا اس میں کشمیر سے ایم اے حفیظ، ایم اے عزیز، محمد اسماعیل ساغر، پیر ضیاالدین اندرابی، پروفیسر اسحاق قریشی، سید حسن شاہ گردیزی، سردار فتح محمد کریلوی، منشی گل احمد خان اور مولوی غلام حیدر جنڈالوی شریک تھے۔ اس اجلاس کے دوران آل انڈیا سٹیٹس مسلم لیگ کا اجلاس ہوا جس میں کشمیر سے پروفیسر ایم اے عزیز کو سٹیٹس مسلم لیگ کا رکن چنا گیا۔

☆ اکتوبر 1915ء میں حکومت کشمیر کی درخواست پر حکومت ہند نے اپنے تعلیمی سیکرٹری مسٹر شارپ کی خدمات حاصل کیں تاکہ ریاست میں تعلیمی حالت کو بہتر بنایا جا سکے۔ مسٹر شارپ نے تحقیقات کے بعد ایک مفصل رپورٹ بمعہ سفارشات پیش کی لیکن حکومت نے ان سفارشات پر خاطر خواہ عمل درآمد نہ کیا۔

☆ مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست جموں کشمیر میں غیر ریاستی باشندوں کی انتظامی بالادستی ختم کرنے کے لیے 13 جنوری 1927ء کو "پشتنی رعایائے ریاست" کے نام سے ایک قانون نافذ کیا جسے باشندہ ریاست قانون بھی کہا جاتا ہے۔ اس قانون کی رو سے ریاست کی تمام اسامیوں پر صرف باشندگان ریاست کو ہی تعینات کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

☆ ڈوگرہ راج کے قیام کے چھ سال بعد یعنی 1853ء کو انگریزی حکومت کی طرف سے ایک اعلیٰ سرکاری افسر مسٹر تیلاون کو اس مقصد کے لیے کشمیر بھیجا گیا کہ وہ ریاست کے نظم ونسق اور عوامی شکایات کا جائزہ لے چنانچہ مسٹر تیلاون نے سرینگر میں ایک جلسہ عام بلایا اور لوگوں سے سوال کیا کہ آپ لوگ گلاب سنگھ کی حکومت سے خوش ہیں۔ "کشمیری چپ سادھے کھڑے رہے، چند پنڈتوں نے خاموشی کو توڑتے ہوئے شور مچایا، "ہم سب راضی ہیں"۔

گلگت بلتستان

☆ بلتستان دو پہاڑی سلسلوں قراقرم اور ہمالیہ کے درمیان واقع ہے۔

☆ پاکستان اور چین کے مابین شاہراہ ریشم کے ذریعے تجارتی معاہدہ 1967ء کو ہوا۔

☆ ریاست جموں کشمیر کے شمالی علاقہ جات کا عوامی کھیل پولو ہے۔ پولو کا مطلب ہے گیند۔
☆ قدرت اللہ شہاب گلگت میں پیدا ہوئے۔
☆ گلگت بلتستان کا سرد ترین مہینہ جنوری ہے۔
☆ ریاست جموں کشمیر کے شمالی علاقہ جات میں ضلع اسکردو کی آبادی دوسرے اضلاع کی نسبت زیادہ ہے۔
☆ بلتستان میں پہلی مسجد 783ھ میں سید علی ھمدانی نے تعمیر کروائی۔
☆ شمالی علاقہ جات کو قدیم زمانے میں دردستان کہا جاتا تھا۔
☆ دیامرنانگا پربت کا مقامی نام ہے جس کے معنی ہیں "پریوں کے رہنے کی جگہ" دیامر کا صدر مقام چلاس ہے۔
☆ شمالی علاقہ جات کے آباد کار قدیم آریائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔
☆ گلگت میں پہلی برطانوی ایجنسی 1877ء کو قائم کی گئی۔
☆ شاہراہ قراقرم کی تعمیر 7 جنوری 1959ء سے شروع ہوئی اور اس کی تکمیل 20 سال میں ہوئی۔
☆ گلگت کے معنی ہیں "پہاڑوں میں گھرا ہوا"۔
☆ ہمالیہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "**برف کا گھر**"۔
☆ گلگت میں پہلا پولیٹیکل انگریز ایجنٹ کرنل ڈیورنڈ 1889ء میں آیا۔ اس کا کام سرحد پار روس کے حالات پر نظر رکھنا تھا۔
☆ گلگت 1889ء سے 1935ء تک انگریزوں کی ایجنسی رہی۔ اس میں گریز، استور، ہونجی، گلگت اور پونیال شامل تھے۔
☆ 17 جولائی 1947ء بمطابق 16 ساون 2004 بکرمی کو ریاستی وزیراعظم رام چند کاک نے مہاراجہ ہری سنگھ کی ہدایت پر ایک نوٹیفکیشن جاری کیا جس کی رو سے گلگت کو ریاست جموں کشمیر کے چوتھے صوبے کا درجہ دیا اور بریگیڈیئر گھنسار سنگھ کو گلگت کا گورنر بنا کر بھیجا۔
☆ 28 اپریل 1949ء کو مسلم کانفرنس اور حکومت پاکستان کے مابین کراچی میں ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت شمالی علاقہ جات کو عارضی طور پر پاکستان کے اختیار میں دے دیا گیا۔
☆ سکھ کمانڈر کرنل دیوی سنگھ نے 1860ء میں گلگت پر قبضہ کیا۔
☆ آزاد کشمیر ہائی کورٹ نے جسٹس عبدالمجید ملک کی سربراہی میں 1992ء کو شمالی علاقہ جات کو حکومت آزاد کشمیر کے دائرہ اختیار میں دینے کا فیصلہ سنایا۔
☆ مسلم کانفرنس کی حکومت نے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی۔
☆ شمالی علاقہ جات میں چھوٹے بڑے 12 دریا بہتے ہیں۔ جن میں دریائے سندھ، دریائے دار یل،

دریائے گلگت، دریائے ہنزہ، دریائے نگر، دریائی گوپس اور دریائے لین مشہور ہیں۔

☆ گلگت سے راولپنڈی 618 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

☆ شمالی علاقہ جات کے 7 اضلاع یہ ہیں۔ گلگت، ہنزہ نگر، دیامر، اسکردو، غذر، گانچے اور استور۔

☆ شاہراہ ریشم کی لمبائی 955 کلومیٹر ہے۔

☆ دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی کے۔ٹو اور سیاچن گلیشیر اسکردو میں واقع ہیں۔

☆ نانگا پربت کی بلندی 26660 فٹ ہے۔

☆ دریائے گلگت شندھور جھیل سے نکلتا ہے اور بونجی کے مقام پر دریائے سندھ میں شامل ہو جاتا ہے۔

☆ شمالی علاقہ جات میں 5,4 انچ سالانہ بارش ہوتی ہے۔

☆ مہاراجہ رنجیت سنگھ (1819) نے جب کشمیر پر قبضہ کیا تو اس نے کرنل سید نتھے شاہ آف گوجرانوالہ کو ریاست کے شمالی علاقہ جات کا گورنر بنا کر بھیجا۔

☆ گلگت شہر کے وسط میں دریائے گلگت کے کنارے چنار باغ قائم کیا گیا ہے۔ یہاں پر 1947ء کے شہدا کی یادگار قائم کی گئی ہے۔

☆ گلگت سے 8 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک تاریخی ہیرو تاج مغل کی یادگار بنائی گئی ہے یہ یادگار آج سے 70 سال قبل تعمیر کی گئی تھی۔

☆ گلگت شہر سطح سمندر سے 4800 فٹ بلند ہے۔

☆ وادی ہنزہ سطح سمندر سے 8000 فٹ بلند ہے۔

☆ وادی کشمیر اور گلگت بلتستان کے درمیان جو کوہستانی سلسلہ قائم ہے اسے دیوسائی سلسلہ کہا جاتا ہے۔

☆ ریاست کے شمالی علاقہ جات میں پاکستان نے محمد عالم خان کو پہلا پولیٹیکل ایجنٹ 12 نومبر کو متعین کیا۔

☆ 1858ء میں رنبیر سنگھ کے عہد میں والئی گلگت گوہر رحمان خان نے بغاوت کی اور گیارہ سو ڈوگرہ سپاہیوں کو تہہ تیغ کروا دیا۔ 1865ء میں والئی گلگت نے وفات پائی تو ڈوگروں نے یہ علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔

☆ ڈوگرہ عہد حکومت میں لداخ کے منتظم اعلیٰ/وزیر وزارت حسب ذیل تھے۔

۱۔	منگنا تھانیدار	1898	تا	1902 بکری
۲۔	مہتا بستی رام	1902	تا	1916 بکری
۳۔	مہتا منگل رام	1916	تا	1922 بکری

۴۔	شب سرن تھانیدار	1922	تا	1923 بکرمی
۵۔	سید اکبر علی (وزیر وزارت)	1923	تا	1926 بکرمی
۶۔	مسٹر ڈریو	1927	تا	1928 بکرمی
۷۔	مسٹر جانسن	1928	تا	1929 بکرمی
۸۔	پنڈت رادھا کشن کول	1939	تا	1943 بکرمی
۹۔	سردار محمد اکبر خان	1955	تا	1957 بکرمی
۱۰۔	چوہدری خوشی محمد ناظر	1963	تا	1966 بکرمی

کشمیر اور اقوامِ متحدہ

☆ 19 نومبر 1947 کو وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان نے وزیر اعظم بھارت جواہر لعل نہرو کو ایک ٹیلیگرام کے ذریعے تجویز دی کہ قضیہ کشمیر کو پر امن طریقے سے حل کرنے کی غرض سے اسے UNO میں پیش کیا جائے۔ لیاقت علی خاں نے اس تجویز کو ایک کاپی برطانوی وزیر اعظم کو بھی ارسال کی۔

☆ یکم جنوری 1948 کو بھارت نے اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ 35 کے تحت سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر اس بنیاد پر پیش کیا کہ پاکستان نے ریاست جموں کشمیر پر قبضہ کرنے کے لیے قبائلی حملہ کروایا ہے۔ لہذا ریاست کو حملہ آوروں سے خالی کروایا جائے۔

☆ سلامتی کونسل نے 6 جنوری 1948 کو مسئلہ کشمیر اپنے ایجنڈے پر رکھا بھارت کی طرف سے ریاست جموں کشمیر کے سابق وزیر اعظم گوپال سوامی آئینگر اور شیخ عبداللہ جبکہ پاکستان کی طرف سے ظفر اللہ خاں نے وکالت کی۔

☆ شیخ عبداللہ نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا ''میں موت گوارہ کر سکتا ہوں لیکن پاکستان کے ساتھ شامل ہونا گوارہ نہیں کر سکتا''

☆ پاکستان نے اقوام متحدہ میں بھارتی شکایت پر جواب دعوی داخل کرتے ہوئے کشمیر میں با اختیار اور نمائندہ حکومت کے قیام کی تجویز پیش کی۔ (بعد ازاں پاکستان اپنے ہی موقف سے منحرف ہو گیا)۔

☆ 17 جنوری 1948 کو سیکورٹی کونسل نے کشمیر کے حوالے سے پہلی قرارداد پاس کی جس کو بلجیم کے نمائندے نے پیش کیا تھا اس قرارداد میں دونوں ملکوں کو اپنے اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے مزید حالات بگاڑنے سے منع کیا گیا۔

☆ 20 جنوری 1948 کو سلامتی کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعے مسئلہ کشمیر کے لیے ایک خصوصی کمیشن UNCIP کا قیام عمل میں لایا۔

☆ ابتداء میں سلامتی کونسل نے مسئلہ کشمیر کو Kashmir The Situation in Jammu کے عنوان سے زیر بحث لایا۔ 20 جنوری 1948 کو پاکستان کے مطالبے پر اس کا عنوان India Pakistan Question رکھ دیا گیا۔

☆ 20 جنوری 1948 کو سلامتی کونسل نے رسمی طور پر تنازعہ کشمیر کو جب پاک ہند مسئلے کا نام دیا تو بھارتی مندوب گوپال سوامی آئینگر نے اس پر احتجاج کیا کہ پاکستان کو ایک جارح (Aggressor) کے بجائے فریق کیوں قرار دیا گیا ہے۔

☆ 20 جنوری کو 3 ارکان پر مشتمل ایک کمیشن مقرر کیا گیا اور اسے حالات کا جائزہ لینے اور رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت کی گئی۔

☆ سلامتی کونسل کے صدر نے پاکستان اور بھارت کے نمائندوں سے الگ الگ ملاقاتیں کیں اور فریقین کو متفقہ فیصلے کی طرف متوجہ کیا۔

☆ 21 اپریل 1948 کو سلامتی کونسل نے ایک قرارداد اتفاق رائے سے منظور کی جس میں ریاست جموں کشمیر سے پاکستانی شہریوں اور حملہ آور قبائلیوں کی واپسی بھارتی شہریوں اور افواج کی واپسی اور ریاستی شہریوں کی اپنے گھروں کو واپسی کا فیصلہ ہوا۔

☆ 13 اگست 1948 کو UNCIP نے پہلی قرارداد نمبر S/1100 منظور کی جس میں کہا گیا تھا کہ ''ریاست جموں کے مستقبل کی حیثیت کا تعین کشمیری عوام کی مرضی سے کیا جائے گا''۔ اس قرارداد کی رو سے مسئلہ کشمیر کو تین مرحلوں میں حل کرنے کے طریقہ کار پر اتفاق ہوا۔

۱۔ جنگ بندی۔ جنگ کا اختتام

۲۔ فوجوں کی واپسی۔ ریاست سے دونوں ملکوں کی افواج کا انخلا

۳۔ رائے شماری۔ مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری۔

☆ قرارداد میں ناظم رائے شماری کے تقرر کی تجویز رکھی گئی۔ یہ کام اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے کرنا تھا۔

☆ پاکستانی وزیر خارجہ ظفر اللہ خان نے 25 دسمبر 1948 کو UNCIP کو خط لکھ کر مطالبہ کیا کہ کشمیریوں کے آزادانہ حق خودارادیت کو بھارت یا پاکستان سے الحاق تک محدود رکھا جائے۔

☆ یکم جنوری 1949 کو محاذ کشمیر پر جنگ بندی عمل میں آئی۔

☆ 27 جولائی 1949 کو دونوں ملکوں کے فوجی مبصرین نے جنگ بندی لائن کا تعین کیا۔

☆ 5 جنوری 1949 کو UNCIP نے ایک قرارداد نمبر S/1196 منظور کی جس میں پاکستان اور ہندوستان کی دسمبر 1948 میں تحریری طور پر پیش کردہ تجاویز کے مطابق کشمیریوں کے حق خودارادیت کو آزادانہ رائے کے بجائے ''الحاق پاکستان'' یا ''الحاق ہندوستان'' تک محدود کر دیا گیا۔

☆ مارچ 1949 میں UNCIP نے بھارت اور پاکستان کے نمائندوں کا اجلاس بلایا جس میں دونوں ملکوں سے 13 اگست 1948 کی قرارداد کے حصہ دوئم (فوجوں کے انخلا) پر عمل درآمد کرنے کے لیے تجاویز مانگی گئیں۔

☆ 26 اگست 1949 کو اقوام متحدہ نے دونوں ملکوں کی رضامندی سے امریکہ کے ایڈمرل چیسٹر ڈبلیو نمٹز کو ثالث مقرر کیا۔

☆ ثالثی کا طریقہ اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ 33 میں مسائل کے پرامن حل کے لیے آخری طریقے کے طور پر مذکور ہے۔ خود بھارت کے دستور کی دفعہ 51 میں درج ہے کہ بین الاقوامی مسائل کو ثالثی کے ذریعے حل کرنے کی کوششیں بھارت کے لیے قابل قبول ہوں گی۔

☆ پاک بھارت ٹال مٹول نے ایڈمرل نمٹز کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔

☆ 17 دسمبر 1949 کو سلامتی کونسل کے صدر جنرل میکناٹن آف کنیڈا نے دونوں ممالک کو مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے مناسب تجاویز پیش کیں ان تجاویز میں آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کی تجاویز شامل تھیں لیکن دونوں ممالک نے ٹال مٹول سے کام لیتے ہوئے یہ تجاویز ماننے سے انکار کر دیا۔

☆ 30 مارچ 1950 کو کمیشن نے ایک قرارداد کے ذریعے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے ایک ثالث (Arbitrater) مقرر کرنے کی سفارش کی۔ چنانچہ 12 اپریل 1950 کو Sir Own Dxion کو ثالثی کے فرائض سونپے گئے۔

☆ 28 مئی 1950 کو اوون ڈکسن نے برصغیر پہنچ کر کام کا آغاز کر دیا۔

☆ سر اوون ڈکسن نے 20 جولائی 1950 کو پاک بھارت وزراء اعظم کی ایک کانفرنس بلائی جس میں تجویز پیش کی کہ پوری ریاست کو ایک انتظامیہ کے ماتحت کر دیا جائے۔ جو مجموعی طور پر غیر جانبدار ہو لیکن دونوں ممالک نے یہ تجویز ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ڈکسن نے علاقائی رائے شماری کی تجویز پیش کی جسے پاکستان نے تسلیم کر لیا۔ لیکن بھارت نے اس سے انکار کر دیا۔

☆ سر اوون ڈکسن کی ناکامی کے بعد Dr. Frank P.Graham کو فرائض سونپے گئے۔ گراہم نے 7 ستمبر 1951 کو ضروری کارروائی کے بعد اپنی تجاویز سلامتی کونسل کو پیش کیں۔ ان

تجاویز کو سلامتی کونسل نے 10 نومبر 1951 کے اجلاس میں منظور کر لیا۔

☆ 20 مارچ 1951 کو سلامتی کونسل نے ایک قرارداد میں فریقین کو تصفیہ کشمیر کے لیے ثالثی قبول کر لینے کی ہدایت کی۔

☆ 30 مارچ 1951 کو سلامتی کونسل نے ایک قرارداد منظور کی جس کی رو سے واضح کیا گیا کہ بھارتی مقبوضہ کشمیر کی آئین ساز اسمبلی ریاست جموں کشمیر کے مستقبل کے ضمن میں کسی قسم کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔

☆ بھارت اور پاکستان نے فوجوں کے انخلاء کے مسئلے پر سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تعطل پیدا کر دیا۔ سلامتی کونسل نے 23 ستمبر 1952 کو ایک قرارداد میں ڈاکٹر گراہم کی تجاویز کی توثیق کی اور ریاست جموں کشمیر سے غیر ملکی فوجوں کے انخلا کے اصول سے اتفاق کیا۔

☆ مسئلہ کشمیر پر بوگرا نہرو مذاکرات 1953 کو نئی دہلی میں ہوئے جن کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

☆ 1656ء میں روس کے صدر مسٹر بلگانن اور وزیر اعظم خرد شچیف ہندوستان کے دورے پر آئے اور کشمیر بھی گئے۔ انہوں نے اس دورے کے دوران جموں کشمیر کے بھارت سے الحاق کی حمایت کی۔

☆ 24 جنوری 1957 کو سلامتی کونسل نے ایک قرارداد کے ذریعے بھارت اور پاکستان کی حکومت کو باور کروایا کہ ریاست جموں کشمیر کے مستقبل کا حتمی فیصلہ اقوام متحدہ کے زیر انتظام کروائی جانے والی آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ذریعے کیا جائے گا۔

☆ 16 فروری 1957 کو روس نے پاکستان کے رویے سے مایوس ہو کر UNO میں مسئلہ کشمیر کو ویٹو کر دیا۔ (پاکستان سیٹو اور سینٹو معاہدوں میں شامل ہو کر امریکہ کا اتحادی بن گیا تھا)۔ اس وقت پاکستان میں فیروز خان نون کی حکومت تھی جس نے روس کے اس اقدام پر کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔

☆ 21 اپریل 1957 کو سویڈن کے Mr.Gunner.V. Jarring کو نمائندہ خصوصی بنا کر پاکستان اور بھارت کے دورہ پر بھیجا گیا تا کہ وہ فریقین سے بات چیت کریں۔ اس نمائندے نے واپس جا کر 29 اپریل 1957 کو UNO میں اپنی مفصل رپورٹ پیش کی۔ جس میں واضح کیا کہ کہ انڈیا اور پاکستان کشمیر سے فوجیں نکالنے کے معاملے پر سنجیدہ نہیں ہیں۔

☆ 27 اپریل 1962 کو حکومت پاکستان کی درخواست پر سلامتی کونسل نے مسئلہ کشمیر پر بحث کا آغاز کیا۔ اس موقع پر بھارت کے نمائندے مسٹر کرشنا مینن نے پہلی بار مسئلہ کشمیر کے وجود سے انکار کر دیا۔ اور رائے دی کہ ''کشمیر کا الحاق حتمی اور آخری ہے''۔ اس موقعے پر روس نے مسئلہ کشمیر کو دوبارہ ویٹو کر دیا۔

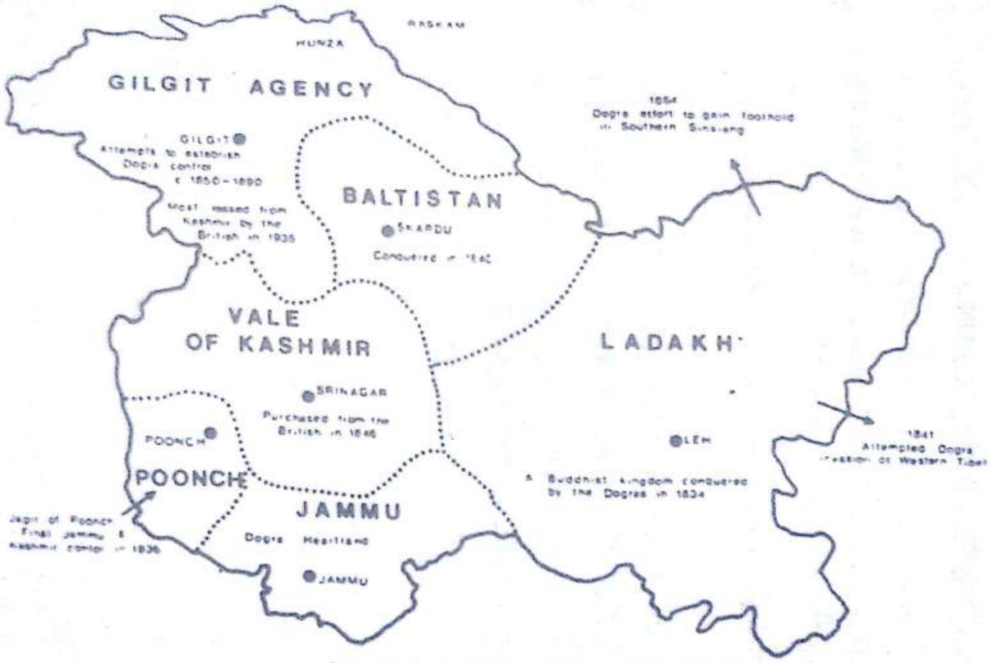
☆ 22 جون 1962 کو مسئلہ کشمیر کے حوالے سے ایک قرارداد کا مسودہ سلامتی کونسل میں پیش کیا گیا۔ یہ آئرلینڈ نے پیش کیا۔ اس کے حق میں چلی، چین، فرانس، آئرلینڈ، برطانیہ، امریکہ اور وینزویلا نے ووٹ دیئے۔ رومانیہ اور روس نے مخالفت کی۔ گھانا اور متحدہ عرب جمہوریہ نے ووٹنگ میں حصہ نہ لیا۔

☆ 1965 کی جنگ کے دوران UNO کے سیکرٹری جنرل اوتھان نے صلح کی کوشش کی۔ انہوں نے صدر پاکستان جنرل ایوب خان اور بھارتی صدر لال بہادر شاستری سے جنگ بندی کی اپیل کی۔

☆ 9 ستمبر 1965 کو نیویارک ٹائمز کے ایک تجزیہ نگار نے لکھا "کشمیر کے معاملے میں ثالثی کی ہر تجویز کے لیے ناکامی مقدر بن چکی ہے اور یہ حقیقت اسی بنا پر ہے کہ اس وقت ماسکو، واشنگٹن اور لنڈن تمام کے تمام، بھارت کی دوستی کو زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اس معاملے میں پاکستان کو کم اہمیت دیتے ہیں"۔

☆ 1965 کی جنگ کے بعد اقوام متحدہ میں پاکستان کی پیروی مسٹر ایس ایم ظفر نے کی۔

☆ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1970 اور 1974 میں دو قراردادیں منظور کیں جنہیں تمام ممبر ممالک بشمول بھارت و پاکستان نے تسلیم کیا۔ ان قراردادوں میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ طاقت کے زور پر حاصل کردہ علاقے پر قابض کا حق تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ دوم جارحیت کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فائدے کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔



Stages in the creation of the State of Jammu and Kashmir

باب گیارہ

جموں کشمیر

معلومات عامہ آزاد کشمیر

1	متفرق معلومات
2	آزاد کشمیر کی پہلی حکومت 4 اکتوبر 1947
3	کشمیر پر قبائلی حملہ
4	24 اکتوبر 1947
5	آزاد کشمیر کا دارالحکومت
6	آزاد کشمیر کی پہلی کابینہ
7	آزاد کشمیر کی فوج
8	آزاد کشمیر ریڈیو
9	آزاد کشمیر اسمبلی، انتخابات، صدارتی انتخاب، اسمبلی انتخابات
10	سربراہان آزاد کشمیر، آزاد کشمیر کے وزراء اعظم
11	آزاد کشمیر کے اہم شہر / اضلاع
	بھمبر
	میرپور
	کوٹلی
	پونچھ، راولاکوٹ
	باغ
	مظفرآباد نیلم، سدھنوتی، حویلی، ہٹیاں

آزاد کشمیر.... متفرق معلومات

☆ آزاد کشمیر 73,75 ڈگری طول بلد اور 36,33 ڈگری عرض بلد پر واقع ہے۔
☆ آزاد کشمیر سطح سمندر سے جنوباً 360 میٹر اور شمالاً 6325 میٹر تک بلند ہے۔
☆ آزاد کشمیر رقبہ کے اعتبار سے پوری ریاست جموں کشمیر کا 20 واں حصہ (5%) ہے۔
☆ آزاد کشمیر میں 10 اضلاع اور 32 تحصیلیں ہیں۔
☆ آزاد کشمیر کی آبادی 45 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔
☆ آزاد کشمیر میں شرح خواندگی بچاسی فیصد ہے۔
☆ آزاد کشمیر میں شرح پیدائش 4.2 فیصد ہے۔
☆ آزاد کشمیر میں شرح افزائش آبادی 2.7 فیصد ہے۔
☆ آزاد کشمیر میں فی مربع میل 1149 افراد بستے ہیں۔
☆ آزاد کشمیر میں صرف تیرہ فیصد رقبہ زیر کاشت ہے۔
☆ آزاد کشمیر میں زیر کاشت رقبہ 71,332,1 ہیکٹرز ہے۔
☆ آزاد کشمیر میں 10 فیصد رقبہ جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔
☆ آزاد کشمیر میں 1771 گاؤں ہیں۔
☆ آزاد کشمیر کا سب سے بڑا شہر میر پور ہے۔
☆ آزاد کشمیر کا دارالحکومت مظفر آباد ہے۔
☆ آزاد کشمیر میں 90 فیصد آبادی دیہاتوں میں آباد ہے۔
☆ آزاد کشمیر میں 10 فیصد آبادی شہروں میں آباد ہے۔
☆ آزاد کشمیر کی دفتری زبان اردو ہے۔
☆ آزاد کشمیر حکومت نے 15 اپریل 1967ء کو سرکاری دفاتر میں اردو خط و کتابت شروع کی۔
☆ آزاد کشمیر میں بارش کی اوسطاً سالانہ مقدار 1300 ملی میٹرز ہے۔
☆ آزاد کشمیر کی 100 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔
☆ آزاد کشمیر میں 5 میونسپل کارپوریشنز، 13 میونسپل کمیٹیاں، 5 ڈویلپمنٹ اتھارٹیز، 18 ٹاؤن

کمیٹیز ،47 تھانے اور 190 یونین کونسلز ہیں۔

☆ آزاد کشمیر میں 92 فیصد بچے سکول جاتے ہیں۔

☆ آزاد کشمیر میں 80 فیصد بچیاں سکول جاتی ہیں۔

☆ آزاد کشمیر یونیورسٹی 1980 میں قائم کی گی۔

☆ آزاد کشمیر کا ترانہ حفیظ جالندھری نے لکھا۔

☆ آزاد کشمیر میں شہد کا گھر کالا مولا (حویلی) ہے۔

☆ آزاد کشمیر میں دیسی آموں کے وسیع باغات دیواوثالہ (بھمبر) میں پائے جاتے ہیں۔

☆ آزاد کشمیر کا واحد ڈیم منگلا ڈیم ہے۔

☆ آزاد کشمیر کے پہلے منتخب صدر کے ایچ خورشید تھے۔

☆ آزاد کشمیر کے پہلے منتخب وزیر اعظم خان عبدالحمید خان تھے۔

☆ آزاد کشمیر حکومت نے مئی 1974ء میں قادیانوں کو غیر مسلم قرار دیا۔

☆ آزاد کشمیر کی وادی نیلم میں نہایت گھنے جنگل پائے جاتے ہیں۔

☆ آزاد کشمیر میں چار دریا بہتے ہیں۔دریائے نیلم، جہلم، پونچھ، توی۔

☆ آزاد کشمیر میں چند مشہور قلعے یہ ہیں۔قلعہ باغسر (سماہنی)، قلعہ منگلا (میرپور)، قلعہ رام کوٹ (میرپور)، قلعہ برجن (میرپور) قلعہ تھروچی (کوٹلی)، قلعہ باغ (باغ)، قلعہ بارل (سدھنوتی) قلعہ اسود (مظفر آباد)، قلعہ پلیٹ (مظفر آباد)۔

☆ آزاد کشمیر آرمی (AKRF) کا سب سے بڑا عسکری اعزاز شیر جنگ تھا۔

☆ آزاد کشمیر اسمبلی 49 ممبران پر مشتمل ہے۔جن میں سے 41 براہ راست منتخب ہوتے ہیں جبکہ 8 نامزد ممبران ہوتے ہیں۔جن میں 3 ٹیکنوکریٹ، علماء، مشائخ اور سمندر پار کشمیریوں کے لیے مختص ہیں۔جبکہ 5 سیٹیں خواتین ممبران کے لیے مختص ہیں۔یہ خواتین اسمبلی میں سیاسی پارٹیوں کی افرادی قوت کے تناسب سے نامزد ہوتی ہیں۔

آزاد کشمیر کی پہلی حکومت (4 اکتوبر 1947ء)

14 اگست 1947ء کو جب پاکستان اور بھارت کی دو آزاد مملکتیں معرض وجود میں آئیں تو قانون آزادی ہند کے مطابق دیگر شخصی ریاستوں کی طرح ریاست جموں کشمیر بھی آئینی طور پر ہندیونین سے الگ ہوگئی۔قانون آزادی ہند کے تحت ریاستوں کو حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں آزاد

ہیں۔ وہ چاہیں تو پاکستان یا ہندوستان سے الحاق کر لیں یا مکمل طور پر آزاد رہیں۔ ان دیسی یا شخصی ریاستوں کی تعداد 563 تھی جن میں ریاست جموں کشمیر بھی شامل تھی۔ ریاست جموں کشمیر کا حکمران اپنی ریاست کو پاکستان یا بھارت میں مدغم نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ اس کو مکمل طور پر آزاد رکھنے کا خواہش مند تھا لیکن اس کی یہ خواہش پاکستان اور بھارت کے جارحانہ عزائم کے سبب پوری نہ ہو سکی۔ ریاست کے سرحدی اضلاع میرپور، پونچھ، مظفرآباد اور گلگت بلتستان کے عوام نے قبائلی حملہ آوروں کے بہکاوے میں آ کر مہاراجہ کے خلاف مسلح بغاوت کا اعلان کر دیا۔ جس نے ایک بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ اس دوران کشمیر کے کچھ سیاسی قائدین راولپنڈی صدر کے پیرس ہوٹل میں جمع ہوئی اور ڈوگرہ حکومت کے متوازی آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ یہ حکومت 4اکتوبر 1947ء کو ''عارضی جمہوریہ آزاد جموں کشمیر حکومت'' کے نام سے معرض وجود میں آئی۔ اس حکومت کے بانی صدر غلام نبی گلکار تھے جن کا مخفی نام مسٹر انور تجویز کیا گیا۔ چنانچہ مسٹر انور نے ہری سنگھ کی معزولی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ریاست کے آزادی پسند عوام نے مظفرآباد کو ہیڈ کوارٹر بنا کر عارضی جمہوریہ کشمیر کا قیام عمل میں لایا ہے۔ 4اکتوبر کو رات ایک بجے کے بعد ہری سنگھ یا اس کا کوئی جانشین ریاست پر حکمرانی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جو بھی یہ دعویٰ کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ آج سے تمام قوانین احکامات و ہدایات جو عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر کی جانب سے شائع اور جاری ہوں گے عوام کا فرض ہے کہ وہ ان کی تعمیل کریں''

آزاد حکومت کے قیام کا یہ اعلان پاکستان کے تمام ذرائع ابلاغ میں شائع ہوا۔ اخبارات نے شہ سرخی لگائی ''کشمیری عوام نے خود مختاری کا اعلان کر دیا'' یہ اعلان ریڈیو پاکستان سے بھی نشر کیا گیا۔ ہری سنگھ کو اس کی معزولی کا تار بھیجا گیا۔ آزاد حکومت کا پہلا ڈھانچہ حسب ذیل تھا۔

مسٹر انور، غلام نبی گلکار	صدر
سردار محمد ابراہیم خان	وزیر اعلیٰ
غلام حیدر جنڈالوی	وزیر دفاع
نذیر حسین شاہ	وزیر مال
مسٹر علیم	وزیر تعلیم
مسٹر لقمان	وزیر صحت
مسٹر کارخانہ	وزیر صنعت
مسٹر فہیم	وزیر زراعت

کشمیر پر قبائلی حملہ

21، 22 اکتوبر کی درمیانی رات کو پاکستان کے سرحدی صوبے سے ہزاروں مسلح قبائیلیوں نے ریاست جموں کشمیر کے شہر مظفرآباد پر حملہ کر دیا۔ مہاراجہ کشمیر نے صوبہ سرحد سے ملنے والی مغربی سرحد پر جو فوجی نفری تعینات کر رکھی تھی وہ مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ ان فوجیوں نے حملہ آور قبائیلیوں کا راستہ روکنے کے بجائے انہیں کھلے عام ریاست میں داخل ہونے کا موقع فراہم کیا۔ دریائے نیلم پر واقع پل کا آہنی گیٹ جو رات کو مکمل طور پر بند رہتا تھا کھول دیا گیا اور خونخوار مسلح قبائلی دندناتے ہوئے رات کی تاریکی میں مظفرآباد پر چڑھ دوڑے۔ صبح کا اجالا پھیلنے تک مظفرآباد میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو چکا تھا۔ مٹھی بھر ڈوگرہ فوج تتر بتر ہو گئی۔ 26 اکتوبر تک یہ خونخوار قبائلی سری نگر تک پہنچ گئے۔ پاکستانی فوج کے آفیسر اور جوان بھی ان کی صفوں میں شامل ہو گئے تھے۔ مظفرآباد سے سرینگر تک کوئی گھر محفوظ نہیں رہا تھا۔ ہزاروں لوگ تہہ تیغ کر دیے گئے۔ لاکھوں بے گھر ہوئے اور سیکڑوں نوجوان عورتیں قبائلی اغواء کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ مال و متاع کی وسیع پیمانے پر لوٹ مار کی گئی۔ عورتوں کی عزتیں اور عصمتیں لوٹی گئیں۔ 26 اکتوبر کو بستیوں کی بستیاں تاراج کرتے ہوئے جب یہ قبائلی سری نگر تک پہنچ گئے تو مہاراجہ جموں کشمیر نے لاچار اور بے بس ہو کر ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو خط لکھ کر ہندوستان سے قبائیلیوں کی جارحیت کے خلاف مدد طلب کی۔ مہاراجہ سرینگر سے بھاگ کر جموں چلا گیا۔ 27 اکتوبر کو ہندوستان کی مسلح افواج سرینگر کے ہوائی اڈے پر اترنا شروع ہوئیں۔ ہندوستانی فضائیہ بھی حرکت میں آئی۔ غیر منظم اور لوٹ مار میں الجھے ہوئے قبائلی ہندوستان کی منظم اور پیشہ ور فوج کا مقابلہ نہ کر سکے اور خاک و خون میں لتھڑے ہوئے کشمیر سے نکل گئے۔ ہندوستانی افواج کی آمد کے ساتھ ہی پاکستانی افواج بھی اعلانیہ طور پر ریاست میں داخل ہو گئیں۔ [1]

24 اکتوبر 1947ء

چار اکتوبر 1947ء کو مسٹر انور (غلام نبی گلکار) کی سربراہی میں جو حکومت قائم کی گئی تھی۔ وہ اس لئے زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی کہ اس حکومت کے سربراہ غلام نبی گلکار چند روز بعد واپس سرینگر چلے گئے تا کہ مہاراجہ کشمیر کا تختہ الٹنے کی کوئی تدبیر کی جا سکے لیکن ان کے سرینگر پہنچتے ہی سی آئی ڈی کی رپورٹ پر گرفتار کر کے پسِ دیوارِ زنداں دھکیل دیا گیا چنانچہ ان کی باغی حکومت کے باقی ممبران نے راولپنڈی کے

---

[1] ریاست جموں کشمیر پر قبائلی حملے کی مکمل تفصیلات جاننے کے لیے پڑھیے راقم کی تصنیف ''یادوں کے زخم''

ڈپٹی کمیشنر حواجہ عبدالرحیم کی ہدایت پر اس حکومت کی تنظیم نو کے لئے راولپنڈی کے مقام پر ایک خصوصی اجلاس 24اکتوبر 1947ء کو منعقد کیا۔جس میں اس حکومت کی تنظیم نو کا اعلان کیا گیا۔ یہ اعلان 25اکتوبر کو ایسوسی ایٹ پریس آف انڈیا (نیوز ایجنسی) کی وساطت سے اخبارات میں شائع ہوا۔ مذکورہ اعلان کسی نامعلوم محرک نے جاری کیا جس میں محمد ابراہیم خان کو نئی حکومت کا صدر نامزد کیا گیا تھا۔ اس علامیہ کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"The provisional Azad Goverment , which the people of Jammu and Kashmir have set up a few weeks' ago with the object of ending intolerable Dogra tyrannies and securing to the people of the state, including Muslims,Hindus and Sikhs ,the right of free self-Goverment has now established its rule over a major portion of the state territory and hops to liberate the remaining pockets of Dogra rule very soon. In view of these circumstances it has been reconstituted with Mr. Ibrahim,Bar-at-law,of Poonch as its provisional head ,and its headquarters have been moved to Plandari in Poonch".[1]

''عارضی آزاد حکومت نے جسے عوام نے کچھ ہفتے قبل نا قابل برداشت ڈوگرہ مظالم کے خاتمے اور ریاستی عوام جن میں مسلمان، ہندو اور سکھ شامل ہیں، کے حق خودارادیت کے حصول کے لیے تشکیل دیا تھا، اب ریاست کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا ہے اور بقیہ حصہ ڈوگرہ تسلط سے آزاد کرانے کے لیے پر امید ہے۔ان حالات کے پیش نظر حکومت کی تشکیل نو عمل میں لائی گئی ہے اور اس کے صدر دفتر کو پلندری منتقل کر کے مسٹر ابراہیم بیرسٹر کو اس حکومت کا عارضی صدر مقرر کیا گیا ہے۔۔۔۔۔

نئی حکومت ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کی اجتماعی آواز کی ترجمان ہے۔ یہ لوگ ڈوگرہ خاندان سے جس نے طویل عرصہ تک انہیں ظلم وستم کا نشانہ بنایا آزادی چاہتے ہیں۔۔۔۔۔۔

عارضی حکومت ہمسایہ ممالک پاکستان اور ہندوستان کے لیے دوستی اور خیر سگالی کے بہترین

[1] "The Kashmir Saga " by Muhammad Ibrahim Khan.page 117-118 Published by VERINAG,Mirpur,1990.

جذبات رکھتی ہے اور امید کرتی ہے کہ ہر دو مملکتیں کشمیری عوام کی فطری آرزوئے آزادی کے ساتھ پوری ہمدردی کریں گے''۔

نومبر 1947ء کو راولپنڈی میں مسلم کانفرنس کے راہنماؤں کا اجلاس ہوا جس میں اس اعلان کی توثیق کی گئی۔

آزاد کشمیر کا دارالحکومت

آزاد کشمیر حکومت کے دفاتر پہلے پہل جنجال ہل (پلندری) کے گھنے جنگلوں میں خیمے لگا کر قائم کئے گئے۔ پھر سلیر نامی گاؤں میں یہ دفاتر منتقل ہو گئے۔ پلندری سے ڈوگرہ فوج نکل جانے کے بعد حکومت کے دفاتر پلندری قصبے میں منتقل ہو گئے۔ پلندری کے بعد کچھ عرصہ تک تراڑکھل کو صدر مقام کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا مگر عملاً حکومت کا کاروبار راولپنڈی میں چلایا جاتا رہا۔ بعد ازاں اصغر مال روڈ پر واقع ایک عمارت Chadda Building کو آزاد حکومت کے ہیڈ کوارٹر کی حیثیت دی گئی۔ یکم جنوری 1949ء کے بعد آزاد حکومت کا دارالحکومت تراڑکھل سے مظفر آباد منتقل کر دیا گیا۔

آزاد کشمیر کی پہلی کابینہ

4 نومبر 1947ء کو چوہدری حمید اللہ خان کی صدارت میں راولپنڈی میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ ایک اجلاس ہوا جس میں سردار محمد ابراہیم خان کی صدارت کی توثیق کی گئی۔ سردار محمد ابراہیم خان نے حسب ذیل کابینہ تشکیل دی۔

کرنل علی احمد شاہ	(میرپور)	وزیر دفاع
سید نذیر حسین شاہ	(پونچھ)	وزیر خزانہ
خواجہ غلام دین وانی	(وادی)	وزیر قانون و داخلہ
چوہدری عبداللہ خان بھلی	(جموں)	وزیر مال

ایک ماہ بعد خواجہ ثناء اللہ شمیم کو وزیر برائے سول سپلائز و ترقیات بنایا گیا اور چند ماہ بعد میر واعظ مولانا یوسف شاہ کو کابینہ میں شامل کر کے وزارت تعلیم کا قلم دان سونپا گیا۔ امن و امان اور سروسز کے امور محمد ابراہیم خان نے اپنے پاس رکھے۔

آزاد کشمیر کا پرچم

آزاد کشمیر کا پرچم 1947 میں کشمیر فریڈم لیگ کے راہنما پنڈت جے، کے ریڈی اور ان کے

ساتھیوں نے ڈیزائن کیا تھا۔ مسٹر ریڈی کا سرینگر میں اپنا پریس تھا۔ 4 اکتوبر 1947ء میں ریاست جموں کشمیر کی آزاد انقلابی حکومت قائم ہونے کے بعد ریاست کے لیے ایک علیحدہ پرچم کی ضرورت کے تحت یہ پرچم تشکیل دیا گیا۔ اس سے پہلے ڈوگرہ دور میں ریاست کا پرچم موجود تھا۔

آزاد کشمیر کا پرچم مستطیل شکل میں ہے۔ اس کی زمین ہری سبز رنگ کی ہے جو مسلم تشخص کی علامت ہے۔ پرچم کا 25% حصہ زرد رنگ کا ہے جو ریاست کی 25 فیصد غیر مسلم آبادی کی نمائندگی کرتا ہے۔ پرچم کے ایک کونے میں ستارہ وہلال ہیں جو ریاست کی تاریخی عظمت کے علمبردار ہیں۔

پرچم کے نچلے حصے میں 4 سفید پاٹیاں ریاست کے 4 بڑے دریاؤں راوی، چناب، جہلم اور سندھ کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ریاست جموں کشمیر کے منقسم حصوں میں سرکاری سطح پر کوئی دوسرا پرچم ریاستی پرچم کے طور پر رائج نہیں ہے۔ صرف آزاد کشمیر میں ہی مذکورہ پرچم کو سرکاری حیثیت حاصل ہے۔

آزاد کشمیر کی فوج

آزاد کشمیر حکومت کے قیام کے بعد آزاد فوج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کا ایک جی ایچ کیو قائم کیا گیا۔ میجر جنرل ایم زیڈ کیانی کو کمانڈر انچیف اور بریگیڈیئر حبیب الرحمان (بھمبر) کو چیف آف آرمی سٹاف مقرر کیا گیا۔ یہ ایک عوامی فوج تھی جس میں سابق فوجی، رضا کار اور سرفروش دستے شامل تھے۔ آزاد حکومت کے وزیر دفاع کرنل علی احمد شاہ کی سربراہی میں چار ارکان پر مشتمل ایک ڈیفنس کونسل تشکیل دی گئی جس کے ذمے فوجی امور کی نگرانی تھا۔ جنگ شروع ہونے سے چند ماہ بعد آزاد فوج اور قبائلی دستوں کی کمان بریگیڈیئر محمد اکبر خان (جنرل طارق) کے سپرد کی گئی۔ جنگ کی وسعت کے ساتھ ہی پاکستان آرمی کشمیر میں داخل ہوگئی اور آزاد کشمیر فوج اس کے ماتحت لڑنے لگی۔ جنگ بندی کے بعد آزاد فوج کی باقاعدہ تنظیم بندی کی گئی۔ یہ فوج بٹالین پر مشتمل تھی۔ آزاد کشمیر فوج کے فوجی اعزازات میں ہلال کشمیر، فخر کشمیر، مجاہد حیدری، اور شیر جنگ کے اعزازات شامل تھے۔ شیر جنگ سب سے بڑا فوجی اعزاز تھا۔

آزاد کشمیر ریڈیو

16 اپریل 1948ء کو "صدائے کشمیر ریڈیو" کے نام سے آزاد کشمیر ریڈیو کا اجراء کیا گیا۔ 26 اپریل کو آزاد حکومت کے وزیر دفاع کرنل سید علی احمد شاہ اور وزیر ترقیات خواجہ ثناء اللہ شمیم نے پیغامات نشر کر کے سرکاری طور پر ریڈیو کا افتتاح کیا۔ مری اور تراڑکھل میں ٹرکوں پر مشینری رکھ کر ان نشریات کا آغاز ہوا۔ مکمل ریڈیو اسٹیشن کے ایچ خورشید کے دور میں 15 اکتوبر 1960ء کو مظفر آباد میں قائم کیا گیا۔

آزاد کشمیر اسمبلی

آزاد کشمیر میں 17 جولائی 1970 کو حکومت پاکستان نے ایک صدارتی آرڈیننس جاری کیا جو کہ سراسر غیر جمہوری نوعیت کا تھا۔ چنانچہ اس آرڈیننس کے خلاف آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں نے ملک گیر احتجاج شروع کیا جس میں لبریشن لیگ اور اس کے قائدین پیش پیش تھے۔ چنانچہ ستمبر 1970ء کو صدر آزاد کشمیر بریگیڈیئر عبدالرحمن قریشی نے صدارتی آرڈیننس کی بجائے ایکٹ 1970ء کے نفاذ کا اعلان کیا۔ اس ایکٹ کے تحت صدر آزاد کشمیر کا انتخاب براہ راست بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہونا طے پایا۔ صدر کے ماتحت 25 ارکان پر مشتمل ایک قانون ساز اسمبلی کے قیام کا بھی فیصلہ ہوا۔ سیاسی جماعتوں نے گلگت بلتستان کو آزاد کشمیر میں نمائندگی دینے کا مطالبہ کیا لیکن پاکستان نے یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔

انتخابات

ایکٹ 1970ء کے نفاذ کے ساتھ ہی صدر اور قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کا اعلان ہو گیا۔ 30 اکتوبر کو صدر آزاد کشمیر کے لیے اور 31 اکتوبر کو قانون ساز اسمبلی کے ارکان کے لیے انتخاب کا اعلان ہوا۔ 25 ارکان اسمبلی میں سے 16 نشستیں آزاد کشمیر کے لیے مختص کی گئیں، 8 نشستیں مہاجرین مقیم پاکستان کے لیے مختص کی گئیں۔ جبکہ ایک نشست خاتون ممبر کے لیے مختص کی گئی جس کا انتخاب ممبران اسمبلی نے کرنا تھا۔

صدارتی انتخاب

آزاد کشمیر کے پہلے عام صدارتی انتخابات 30 اکتوبر 1970ء کو ہوئے۔ ان انتخابات میں جن چار سیاسی جماعتوں نے حصہ لیا ان میں بالترتیب مسلم کانفرنس، لبریشن لیگ، آزاد مسلم کانفرنس اور محاذ رائے شماری شامل تھیں۔ انتخابی نتیجہ حسب ذیل تھا۔

	امیدوار	حاصل کردہ ووٹ
۱۔	محمد عبدالقیوم	2,29,512
۲۔	کے ایچ خورشید	1,63,865
۳۔	محمد ابراہیم خان	1,14,894
۴۔	چوہدری شریف طارق	12,906

انتخابات میں عبدالقیوم خان کو بظاہر اکثریت حاصل ہوئی۔ اس عمل میں فوج اور خفیہ اداروں نے اہم کردار

ادا کیا۔ پاکستانی فوج کسی کرپٹ، دو غلے، آلہ کار، مخبر اور جی حضور یے شخص کو اس کٹھ پتلی حکومت کی باگ ڈور سونپنا چاہتی تھی۔ صدارتی امیدواروں میں صرف قیوم خان ہی اس معیار پر پورا اترتا تھا۔ چنانچہ اسے جعل سازی کے ذریعے کامیاب کروایا گیا۔

اسمبلی انتخابات

آزاد کشمیر اسمبلی کے پہلے انتخابات 31 اکتوبر 1970ء کو ہوئے 16 ممبرز آزاد کشمیر سے منتخب ہوئے اور 8 مہاجرین مقیم پاکستان سے۔ تفصیل ذیل حسب ذیل ہے۔

میر پور	۱۔ چوہدری صحبت علی
	۲۔ چوہدری نیاز احمد
	۳۔ چوہدری خادم حسین
	۴۔ پیر علی جان شاہ
	۵۔ چوہدری محمد اعظم
	۶۔ سید نثار حسین شاہ
	۷۔ سکندر حیات خان
پونچھ	۱۔ کرنل منشا خان
	۲۔ خان بہادر خان
	۳۔ راجہ ممتاز حسین راٹھور
	۴۔ محمد آزاد
	۵۔ محمد ایوب خان
مظفر آباد	۱۔ خواجہ محمد عثمان
	۲۔ راجہ محمد لطیف
	۳۔ منشی علی گوہر
	۴۔ میاں غلام رسول
مہاجرین مقیم پاکستان	
(صوبہ جموں)	۱۔ شیخ منظر مسعود
	۲۔ خواجہ محمد شفیع صراف

۳۔ چوہدری سلطان علی

۴۔ چوہدری وزیر علی

(صوبہ کشمیر) ۱۔ بشیر حسین خان

۲۔ خواجہ غلام حسن پنجابی

۳۔ غلام حسن کرمانی

۴۔ بشیر احمد خان

خواتین کے لیے مختص ایک نشست پر بیگم راجہ حیدر خاں کو ممبر چنا گیا۔

عبوری آئین 1974ء

1973ء کو ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے میں پاکستان میں حقیقی معنوں میں ایک جمہوری اور پارلیمانی روایات کا آئینہ دار آئین نافذ کیا گیا، جسے پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں کی تائید وحمایت حاصل تھی۔ چنانچہ آزاد کشمیر میں بھی ایک جمہوری اور پارلیمانی طرز حکومت کے رجحان کو تقویت ملی۔ آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں نے بھی پاکستان کے آئین کی طرز پر ایک نئے آئین کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اسی اثناء میں نومبر 1973ء کو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو آزاد کشمیر کے دورے پر آئے اور اُنہوں نے آزاد کشمیر کو صوبہ بنانے کا عندیہ ظاہر کیا۔ ان کا یہ عندیہ سامنے آتے ہی آزاد کشمیر میں اکثر سیاسی جماعتوں نے اسکی بھرپور مخالفت شروع کر دی۔ خصوصاً آزادی پسند جماعتوں نے اس کی بڑھ چڑھ کر مخالفت کی اور آزاد کشمیر کے در و دیوار گونج اُٹھے۔ ''بچہ بچہ کٹ مرے گا، کشمیر صوبہ نہیں بنے گا''۔ کشمیری عوام کے غیض وغضب اور جوش وجذبے کو دیکھتے ہوئے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے آزاد کشمیر کو صوبہ بنانے کے بجائے اسے ایک نیا نظامِ حکومت دینے کا فیصلہ کیا۔ 10 جون 1974ء کو آزاد کشمیر کی اہم سیاسی جماعتوں کا ایک اجلاس وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کی صدارت میں ہوا، جس میں آزاد کشمیر کے لئے نئے آئین پر اتفاقِ رائے کیا گیا۔ وفاقی وزیر قانون مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے سامنے ایک پریس کانفرنس میں آزاد کشمیر کیلئے نئے آئین کے نفاذ کا اعلان کیا۔ اس پریس کانفرنس میں آزاد کشمیر کے صدر سردار عبدالقیوم خان، سردار ابراہیم خان، چوہدری نور حسین، مسٹر کے ایچ خورشید، پیر علی جان شاہ، میر واعظ محمد احمد اور مسٹر یوسف بچھ (مشیر وزیر اعظم پاکستان) شامل تھے۔

عبوری آئین سازی کے عمل کو جاری رکھتے ہوئے سال 1974ء میں حکومت پاکستان نے ایک مسودہ آئین مرتب کر کے آزاد کشمیر اسمبلی میں منظوری کیلئے پیش کیا جسے "Interim Constitution Act 1974" کا نام دیا گیا۔ ایکٹ 1974ء حقیقی معنوں میں کوئی نئی آئین سازی نہ تھی

اور نہ ہی آزاد کشمیر اسمبلی کے ممبران کو اس سے انکار یا کسی ترمیم کا حق حاصل تھا بلکہ حکومتِ پاکستان کے اس اختیار کا اطلاق تھا جس کا سلامتی کونسل کی قراردادوں سے اخذ کیے جانے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ سلامتی کونسل سے اس نوع کی کوئی قراردادیں ہوئیں اور نہ ہی اس طرح کے کوئی اختیارات حکومتِ پاکستان کو حاصل تھے۔

عبوری آئین 1974ء کے نمایاں خط و خال

عبوری آئین 1974ء کے نمایاں خط و خال حسب ذیل ہیں:

۱۔ آزاد کشمیر میں صدارتی نظام کے بجائے ''پارلیمانی نظام'' رائج کیا گیا ہے۔

۲۔ وزیر اعظم کا انتخاب سادہ اکثریت سے ممبران اسمبلی کرتے ہیں اور وہ آزاد کشمیر کا چیف ایگزیکٹیو بھی ہوتا ہے۔ وزیر اعظم بلحاظ عہدہ کشمیر کونسل کا بھی ممبر ہوتا ہے۔

۳۔ صدر کا انتخاب ممبران اسمبلی دو تہائی اکثریت سے کرتے ہیں۔ صدر سربراہ ریاست کہلاتا ہے۔

۴۔ صدر کی غیر حاضری میں سپیکر قانون ساز اسمبلی قائمقام صدر کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

۵۔ وزیر اعظم کی غیر موجودگی میں کابینہ کا سینئر وزیر وزیر اعظم کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

۶۔ ''جموں و کشمیر کونسل'' کا قیام عمل میں لایا گیا ہے، جسے مقننہ کے اختیارات حاصل ہیں۔ ان اختیارات کی وضاحت مذکورہ ایکٹ کی دفعہ 21 میں کی گئی ہے۔

۷۔ کشمیر کونسل کا چیئرمین، چیف ایگزیکٹیو پاکستان بلحاظ عہدہ ہوتا ہے۔ جبکہ وائس چیئرمین صدر آزاد کشمیر بلحاظ عہدہ ہوتا ہے۔

۸۔ چیئرمین اور وائس چیئرمین سمیت کونسل کے ممبران کی تعداد 14 ہوتی ہے، جن میں سے 6 ممبران حکومتِ پاکستان کے نمائندے ہوتے ہیں اور 8 حکومتِ آزاد کشمیر کے۔

۹۔ آئین سازی کیلئے مشترکہ اجلاس (Joint Sitting) کا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے، جس کی رو سے کشمیر کونسل اور قانون ساز اسمبلی کے ممبران مل کر ہی آئین سازی کر سکتے ہیں۔ تاہم دفاع، امورِ خارجہ اور کرنسی جیسے معاملات پر قانون سازی کا انھیں اختیار حاصل نہیں۔

۱۰۔ آزاد کشمیر اسمبلی کی معیاد پانچ سال مقرر کی گئی ہے۔

۱۱۔ ایکٹ کی دفعہ 22 کے تحت ایک قانون ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے ممبران کی تعداد 49 ہے، ان میں سے 29 ممبران براہ راست بالغ رائے دہی کی بنیاد پر آزاد کشمیر کے 29 حلقہ ہائے انتخاب سے منتخب ہوتے ہیں۔ 12 نشستیں مہاجرین کشمیر مقیم پاکستان کیلئے رکھی گئیں ہیں۔ 6 نشستیں صوبہ

جموں کے مہاجرین کیلئے اور 6 صوبہ کشمیر کے مہاجرین کے لئے۔ یہ ممبران بھی انتخابات کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ بقیہ آٹھ سیٹیں مختص ہیں۔ 5 نشستیں خواتین کیلئے، ایک نشست علماء و مشائخ کیلئے، ایک نشست تارکین وطن کیلئے اور ایک نشست ٹیکنو کریٹس کے لئے۔ ان آٹھ نشستوں کا انتخاب ممبران اسمبلی کرتے ہیں۔ اسمبلی ممبران کے لئے عمر کی حد 25 سال رکھی گئی ہے۔ جبکہ ووٹرز کیلئے یہ حد 21 سال ہے۔

۱۲۔ ایکٹ کی دفعہ 56 کے تحت حکومتِ پاکستان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی نوعیت کے پیش نظر حکومت آزاد کشمیر کو برخاست کرسکتی ہے۔

آئین کے ابتدائیہ سے ہی یہ عیاں ہوتا ہے کہ مسودہ آئین آزاد کشمیر کی محض رسمی منظوری کے لئے پیش کیا گیا۔ ایکٹ 1974ء کے ایکٹ 1970ء کے ساتھ تقابلی جائزہ سے بادی النظر میں ہی واضح ہوجاتا ہے کہ ان ایکٹوں میں کوئی بڑا تضاد نہ ہے۔ تاہم ایکٹ 1974ء صریحاً اور واضح طور پر باہم متضاد ہے۔ اس تضاد کا جائزہ لینے کیلئے سرسری طور پر سلامتی کونسل کی 13 اگست 1948ء کی قرارداد میں پاکستان کے اختیارات سے متعلق دفعات کا جائزہ لینا ضروری ہے اور پھر انہی اختیارات کا ایکٹ 1974ء کی دیگر دفعات کے ساتھ تقابل کرنا ضروری امر ہے۔ مذکورہ قرارداد یو۔ این۔ سی۔ آئی۔ پی کا حصہ دوم، الف پاکستان کے اختیارات و فرائض سے متعلق ہے۔

حصہ دوم، الف ملاحظہ فرمائیں

(الف)

"(۱) چونکہ ریاست جموں کشمیر میں پاکستانی فوج کی موجودگی اس صورتِ حالات میں نمایاں تبدیلی کے مترادف ہے جو اس نے سلامتی کونسل کے سامنے پیش کی تھی اس لیے حکومت پاکستان ریاست سے اپنی فوجوں کو واپس بلانے پر رضامند ہے۔

(۲) حکومت پاکستان اس امر کی پوری کوشش کرے گی کہ ریاست جموں کشمیر سے قبائلی اور پاکستانی باشندے جو وہاں پر رہائش نہیں رکھتے ہیں اور لڑائی کی خاطر ریاست میں داخل ہوئے ہیں، ریاست سے واپس چلے جائیں۔

(۳) جس علاقہ سے پاکستانی فوج کی واپسی عمل میں آجائے گی اس کا نظم و نسق قطعی فیصلہ تک مقامی حکام کے سپرد اور کمیشن کی نگرانی میں ہوگا۔"

حکومتِ پاکستان نے متعدد بار اپنے ملک میں مروجہ نظام کی اساس پر آزاد کشمیر میں بھی حکومت سازی کے لئے آئین بنائے، ترمیم کیے، بگاڑے اور یکسر ختم کر کے نئے سرے سے نافذ کیے۔ تاہم ایکٹ 1974ء کی رو سے 13 اگست 1948ء کی قرارداد کی دھجیاں بذریعہ دفعہ 4 ذیلی دفعہ 4 کلاز 7 بکھیر دی گئیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے 13 اگست 1948ء کی قرارداد میں کشمیری عوام کو رائے کے حق کے استعمال کی مکمل آزادی دی گئی کہ وہ جو چاہیں بلا کسی تعصب اور امتیاز کے نظریے کا پرچار کر سکتے ہیں۔ مزید برآں الحاق کے مسئلہ پر بھی اُن کو ووٹ کا حق دیا گیا، لیکن قدغن ہرگز نہ لگایا گیا کہ وہ بہر صورت الحاق ہی کریں۔ ملاحظہ فرمائیں مذکورہ بالا قرارداد کا حصہ سوئم

حصہ سوئم

حکومت ہندوستان اور حکومت پاکستان اپنی اس خواہش کا اعادہ کرتی ہیں کہ ریاست جموں کشمیر کی آئندہ حیثیت عوام کی خواہشات کے مطابق متعین کی جائے گی اور اس مقصد کے لیے، جنگی سمجھوتہ کو قبول کر لینے کے بعد، دونوں حکومتیں کمیشن کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے پر رضا مندی کا اظہار کرتی ہیں تا کہ ایسی منصفانہ شرائط طے کی جا سکیں جن کے تحت ایسی آزادانہ رائے کا اظہار یقینی ہو۔

سلامتی کونسل کی قرارداد مذکورہ سے اخذ کردہ اس حق کو دفعہ 4 مندرجہ بالا کی رو سے یوں معدوم کر دیا گیا۔

Section: 0 4 (3) (7) (2) No person or political party in Azad Jammu & Kashmir shall be permitted to propagate against or take part in activities prejudicial or detrimental

☆ The ideology of the accession

☆ Pakistan

گویا حق الحاق کو پاکستان کے ساتھ مشروط کر کے سلامتی کونسل کی قراردادوں سے صریحاً انحراف کیا گیا۔

ایکٹ 1974ء کا ایک افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ یہ ایکٹ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں اور حقوقِ انسانی کے اُن تمام مسلّمہ اصولوں کے متصادم ہے جن کی رو سے کشمیری عوام کو آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق دیا گیا تھا۔ یہ ایکٹ کشمیری عوام کو یا حکومتِ آزاد کشمیر کو کسی ایسی سرگرمی کی اجازت نہیں دیتا جس کا مقصد ریاست جموں کشمیر کے عوام کو حقِ خود ارادیت یا حقِ آزادی سے ہمکنار کرنا ہو۔ نظریۂ الحاقِ پاکستان پر یقین اور ایمان کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس نظریے کے منافی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کی غرض سے، صدر، وزیر اعظم، ممبران، عدلیہ کے ججز اور تمام سرکاری ملازمین کے لیے الحاقِ پاکستان کی سوچ پر کاربند رہنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

ایکٹ 1974ء کے تحت پارلیمانی طرز کا جو نظام متعارف کروایا گیا ہے اُس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پارلیمانی کا ایک حصہ آزاد کشمیر کی اسمبلی کی صورت میں بمقام مظفر آباد ایک صدر، ایک وزیر اعظم،

اراکین قانون ساز اسمبلی، سپریم کورٹ، ہائی کوٹ اور دوسرے اداروں کی صورت میں معرض وجود میں لایا گیا۔ جوڈیشل بورڈ کا نام تبدیل کر کے سپریم کورٹ رکھا گیا۔ جبکہ پارلیمان کا دوسرا حصہ کشمیر کونسل کی صورت میں معرض وجود میں لایا گیا، جس کا سربراہ پاکستان کا مقتدر اعلیٰ تجویز ہوا۔ اگر پاکستان کا مقتدر اعلیٰ منتخب نمائندہ ہے تو جمہوریت کے بروئے اور اگر مارشل لاء والا ہے، تو وردی اور جمہوریت دونوں یعنی ایک وقت میں دہری تفریح مارشل لاء بھی اور جمہوریت بھی، (Military Democracy)۔ یہ ایک کراماتی نظام ہے، جس کی مثال دنیا کے کسی دیگر خطے میں نہیں ملتی۔ بلکہ نوآبادیاتی نظام کو چلانے کے سلسلہ میں اسی نوع کی قانون سازی بھی کسی دیگر نوآبادیاتی نظام کے مقابلہ میں ممتاز ہے۔ اسمبلی کو قانون سازی کی بابت محدود اختیارات ہیں جبکہ کونسل کے اختیارات لامحدود اور وسیع ہیں۔ کشمیریوں کو اپنی آزادی کے سلسلہ میں کسیقانون سازی کا حق حاصل نہ ہے، حق محض پاکستان کے مقتدر اعلیٰ کو دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ایسی تضحیک آمیز قانون سازی کی گئی جس کی رو سے اسمبلی اور کشمیر کونسل دونوں کو قانون سازی کے حق سے روک دیا گیا۔ ملاحظہ ہو دفعہ 31 ذیلی دفعہ 3۔

Neither the council nor the assembly shall have the power to make any law concerning

a) The responsibilities of Govt. of Pakistan under the UNCIP resolutions.

b) The defence and security of Azad Jammu and Kashmir;

(c) The current coin or the issue of any bills, notes or other paper currency; or

(d) The external affairs of Azad Jammu and Kashmir including foreign trade and foreign aid.

دلچسپ بات یہ ہے کہ UNCIP کمیشن کی کوئی قرارداد سرے سے موجود ہی نہ ہے۔ اوّلاً تو قرارداد صادر کرنے کا حق یا تو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کو ہے یا سلامتی کونسل کو ہے۔ کسی کمیشن کو سرے سے کوئی حق حاصل ہی نہ ہے۔ ثانیاً اگر مان بھی لیا جائے کہ کمیشن کو کوئی حق حاصل تھا تو بھی کمیشن نے ہندوستان اور پاکستان کی حکومت ہا کو محض تجاویز دی ہیں نہ کہ کوئی قرارداد صادر کی ہے۔ یوں کشمیری عوام کی آزادی اور غلامی کا فیصلہ کرنے کا حق بروئے ایکٹ 1974ء محض پاکستان کا حق بنا دیا گیا۔

اس نوع کی ایک غاصبانہ کڑی دفعہ 33 ہے جس کی رو سے آئین میں بعض اہم نوعیت کا ترامیم کا حق کشمیری عوام سے چھین لیا گیا۔ ملاحظہ ہو دفعہ 33 ذیلی دفعہ 1:

The provisions of this act may be amended in accordance with the following provisions. Provided that no amendment shall be made in section 31, this section or section 56 save with prior approval of the govt. of Pakistan.

مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ترمیم کی نسبت حکومتِ پاکستان سے قبل از ترمیم کس طرح اجازت لی جائے، اس کا تذکرہ ایکٹ 1974ء میں موجود نہ ہے۔ یوں کشمیری عوام کا حقِ آزادی اس ایکٹ کی رو سے مکمل طور پر قانون سازی کی آڑ میں ختم کر دیا گیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ یہ حسن کرشمہ سازی کی کرامت کہ کس حکومت کو چلنے دیا جائے اور کس کی رخصتی کر دی جائے۔ یہ حق بھی کشمیری عوام کو نہ دیا گیا۔ اگر غور سے ایکٹ کا ملاحظہ کیا جائے تو سارا ایکٹ اور قانون سازی محض ایک ڈھونگ اور دھوکہ سازی ہے۔ بروئے دفعہ 56 حکومت پاکستان نے یہ حق محفوظ کر لیا کہ وہ کسی بھی عوامی نمائندہ حکومت کو بدوں نوٹس چلتا کر دے۔ ملاحظہ ہو دفعہ 56:

Act not to derogate from the responsibilities of Pakistan:

Nothing in this act shall derogate from the responsibilities of govt. of Pakistan in relation to the matters specified in sub-section 3 of section 31 or prevent the govt. of Pakistan from taking such action as it may consider necessary or expedient for the responsibilities.

یہی وہ مقدس ذمہ داریاں تھیں جن کے تحفظ کی خاطر آزاد کشمیر حکومت کو ختم کر کے جنرل ضیاء الحق نے ایک بریگیڈئر کو کشمیری عوام کا مالک بنا دیا تھا۔ ایسا بے مہار حق نوآبادیاتی قانون سازی کی ایک عام سی مثال ہے جبکہ ہمارا دعویٰ Enlightened Moderation اور اکیسویں صدی میں باوقار قدم رکھنے کا ہے۔ آج بھی کشمیری عوام پاکستان کے عوام کی خواہشات کے خلاف ایک غاصب اور آمر حکمران کی قلم کے اشارے کے محتاج ہیں نیز بروئے دفعہ 50 آڈیٹر جنرل کی تعیناتی مقتدر اعلیٰ پاکستان کے حکم کے مطابق عمل میں لائی جائے گی۔ جبکہ عدالت العظمیٰ اور عدالت العالیہ چیف جسٹس صاحبان سمیت تمام ججز چیئرمین کشمیر کونسل کی منظوری کے بغیر تعینات نہیں کیے جا سکتے۔ ایکٹ 1974ء کی آڑ میں آزادی پسند لوگوں پر ملازمتوں پر پابندی عائد کر دی گئی ہے جبکہ حقِ انتخاب کے دروازے اُن پر بند ہیں۔ یوں اس ایکٹ کو نہ جمہوری اور نہ ہی اخلاقی کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ ایکٹ 1974ء اقوام متحدہ کی قراردادوں اور بین الاقوامی حقوقِ انسانی چارٹر کے صریحاً متضاد ہے۔

ایکٹ 1974ء کا خاتمہ......ایک مکمل آئین کا نفاذ:

اگر بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایکٹ 1974ء سراسر انسانی حقوق کے منافی کشمیری عوام کے حقِ خود ارادیت کے لئے زہرِ قاتل اور خطۂ آزاد کشمیر کے تشخص، وقار اور آئینی حیثیت میں سدِ راہ کی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہے۔

14 اکتوبر 1947ء اور 24 اکتوبر 1947ء کو ڈوگرہ حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے ہوئے جب اس حکومت کا اعلامیہ جاری کیا گیا تھا تو اس میں یہ بات زور دے کر کہی گئی تھی کہ "یہ حکومت ساری ریاست جموں کشمیر کی نمائندہ، بااختیار، انقلابی اور جمہوری حکومت ہوگی۔ یہ ساری ریاست جموں و کشمیر کی آزادی کی ضامن ہوگی۔" اگر یہ اعلامیہ جاری کرنے والے اپنے مؤقف میں درست اور سچے تھے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومتِ آزاد کشمیر کو ایک لولی لنگڑی اور وزارتِ امورِ کشمیر کی دم چھلہ انتظامیہ کس نے بنا کر رکھ دیا ہے؟۔

(3 جون 1947ء) کا برطانوی پارلیمنٹ کے منظور کردہ قانون آزادیٔ ہند کی رو سے شخصی ریاستوں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ آزاد اور خود مختار رہ سکتی ہیں۔ یوں جب مسئلہ کشمیر کو بھارت اقوامِ متحدہ میں لے گیا تو سلامتی کونسل نے کشمیریوں کے حقِ خود ارادیت کو تسلیم کرتے ہوئے آزاد کشمیر میں قائم ہونے والی حکومت کو کشمیریوں کی مقامی حکومت تسلیم کرتے ہوئے آزاد کشمیر میں قائم ہونے والی حکومت کو کشمیریوں کی مقامی حکومت تسلیم کیا اور اسے رائے شماری کے انعقاد تک نظم و نسق چلانے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حکومتِ آزاد کشمیر مکمل طور پر آزاد، بااختیار، جمہوری اور عالمی سطح پر تسلیم شدہ نمائندہ حکومت ہوتی جو ریاستی عوام کے جملہ حقوق کی وارث ہونے کا ثبوت دیتی لیکن عملاً ایسا نہ ہو سکا خطۂ آزاد کشمیر کو وزارتِ امورِ کشمیر کے تابع کر دیا گیا، جی، او، سی مری، چیف سیکرٹری، سیکرٹری مالیات، آئی جی پولیس اور آڈیٹر جنرل ایسے اعلیٰ انتظامی عہدوں پر حکومت پاکستان نے اپنے لینٹ آفیسران کو مختارِ کل بنا کر بٹھا دیا۔ رولز آف بزنس اور نام نہاد ایکٹس کی آڑ لیتے ہوئے حکومتِ آزاد کشمیر کو کٹھ پتلی اور پاکستانی بیورو کریسی کی دم چھلا بنا دیا گیا۔ آزاد کشمیر کا صدر، وزیر اعظم اور وزراء کی فوج ظفر موج پاکستانی حکمرانوں کے "بلا تنخواہ سپاہی" "اردلی" اور "مجاور" بن بیٹھے۔

پاکستان کے نیتاؤں نے اور پالیسی سازوں نے ہمیشہ یہ پالیسی اختیار کیے رکھی ہے کہ آزادیٔ کشمیر کے اس بیس کیمپ کو بے حس کیمپ بنانے کے لئے یہاں بدکردار، کرپٹ، جھوٹے، بدعنوان، بلیک میلر، بے ایمان اور بددیانت عناصر کو حکومت سونپی جائے تا کہ وہ قانون، آئین، انصاف، آزادی، جمہوریت اور عظیم انسانی آدرشوں کی بات نہ کر سکیں۔ پاکستانی سرکار کی یہ "قومی پالیسی" تا دمِ تحریر خطۂ بدنصیب "آزاد کشمیر" میں جاری و ساری ہے۔ یہاں "بوٹ پالشیئے" اور "مالشیئے" ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی دوڑ میں لگے

ہیں۔

مذکورہ بالا حالات میں آزاد کشمیر کے عوام پر مسلط کردہ ایکٹ 1974ء غلامی کی بدترین دستاویز نہیں تو اور کیا ہے؟ آزاد کشمیر کے باشعور، پڑھے لکھے اور سنجیدہ حلقے ان دنوں اس ایکٹ میں ترمیم کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن یہ ترمیم اس وقت تک کشمیری عوام کے مفاد میں نہیں لائی جاسکتی جب تک عوام باکردار، باعمل، سچی، اور محب وطن سیاسی قیادت کا چناؤ نہ کرلیں۔ ایسی قیادت کے چناؤ کے نتیجے میں جو اسمبلی معرض وجود میں آئے گی وہ یقیناً ایک قومی اسمبلی ہوگی، یہ عوام کے حقوق کی محافظ ہوگی، یہ آزادئ وطن کی ضامن ہوگی اور یہ انسانی قدروں کی نگہبان ہوگی۔

یہ اسمبلی خطۂ آزاد کشمیر کے لئے خود قانون سازی کرے گی اور ایسا آئین تشکیل دے گی جو کشمیری عوام کی صحیح معنوں میں نمائندگی اور ترجمانی کرتا ہو۔ یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہے کہ آزاد کشمیر میں قانون ساز اسمبلی کے نام پر جو اسمبلی بنی ہوئی ہے اسے قانون سازی کا اختیار ہی نہیں ہے۔ یہ اختیار کشمیر کونسل اور اس کے چیئرمین کے پاس ہے۔ جو ایک غیر ریاستی باشندہ ہوتا ہے۔

آزاد کشمیر میں ایک ایسے آئین کی ضرورت ہے جو محب وطن ریاستی ماہرین قانون کا تیار کردہ ہو اور جسے کشمیری عوام کی حقیقی نمائندہ، بااختیار اسمبلی منظور کرے۔ کشمیری عوام کے حقوق کی غاصب پاکستانی حکومت سے ایکٹ 1974ء میں ترمیم کا مطالبہ کرنا اس شعر کے مصداق ہے۔

میر بھی کیا سادہ ہیں کہ بیمار ہوئے جس کے سبب
اُسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

(میر تقی میر)

آزاد جموں کشمیر کونسل

عبوری آئین 1974ء کی دفعہ 21 کے تحت آزاد جموں کشمیر کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہ ایک آئینی ادارہ ہے جسے قانونی، آئینی، مالیاتی اور انتظامی اعتبار سے وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ آزاد کشمیر اسمبلی کے اختیارات پر اس ادارے کو فوقیت حاصل ہے۔ یہ ادارہ فی الوقت 14 ممبران پر مشتمل ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

1- وزیراعظم پاکستان (چیف ایگزیکٹو) — چیئرمین

1- صدر آزاد کشمیر — وائس چیئرمین

5- وفاقی وزرا یا ممبران قومی اسمبلی پاکستان جن کا تقرر وزیراعظم پاکستان کرتا ہے جن میں وزیر امور کشمیر،

وزیر خزانہ، وزیر دفاع اور وزیر خارجہ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

1-وزیر اعظم آزاد کشمیر یا اس کا مقرر کردہ نمائندہ۔

6-چھ ممبران جنھیں آزاد کشمیر اسمبلی کے ممبران 5 سال کے لیے منتخب کرتے ہیں۔

سربراہان آزاد جموں کشمیر

نمبر شمار	نام	معیاد صدارت		
1	غلام نبی گلکار	14 اکتوبر 1947ء	تا	24 اکتوبر 1947ء
2	محمد ابراہیم خان	24 اکتوبر 1947ء	تا	30 مئی 1950ء
3	کیپٹن سید علی احمد شاہ	یکم جون 1950ء	تا	یکم دسمبر 1951ء
4	میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ	یکم دسمبر 1951ء	تا	21 جون 1952ء
5	کرنل شیر احمد خان	22 جون 1952ء	تا	31 مئی 1956ء
6	میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ	یکم جون 1956ء	تا	6 ستمبر 1956ء
7	محمد عبدالقیوم خان	7 ستمبر 1956ء	تا	13 اپریل 1957ء
8	محمد ابراہیم خان	14 اپریل 1957ء	تا	26 اپریل 1959ء
9	کے ایچ خورشید	یکم مئی 1959ء	تا	15 اگست 1964ء
10	خان عبدالحمید خان	16 اگست 1964ء	تا	7 اکتوبر 1969ء
11	بریگیڈیئر عبدالرحمان	8 اکتوبر 1969ء	تا	12 نومبر 1970ء
12	محمد عبدالقیوم خان	13 نومبر 1970ء	تا	15 اپریل 1975ء
13	شیخ منظر مسعود	16 اپریل 1975ء	تا	5 جون 1975ء
14	محمد ابراہیم خان	5 جون 1975ء	تا	30 اکتوبر 1978ء
15	میجر جنرل محمد حیات خان	31 اکتوبر 1978ء	تا	یکم جنوری 1983ء
16	میجر جنرل (ر) عبدالرحمان	یکم فروری 1983ء	تا	یکم اکتوبر 1985ء
17	محمد عبدالقیوم خان	یکم اکتوبر 1985ء	تا	29 ستمبر 1990ء
18	محمد عبدالقیوم خان	30 ستمبر 1990ء	تا	19 جولائی 1991ء
19	صاحبزادہ محمد اسحاق ظفر	20 جولائی 1991ء	تا	28 جولائی 1991ء (قائمقام)

20	عبدالرشید عباسی	29 جولائی 1991ء	تا	11 اگست 1991ء (قائمقام)
21	سکندر حیات خان	12 اگست 1991ء	تا	11 مئی 1996ء
22	عبدالرشید عباسی	12 مئی 1996ء	تا	22 مئی 1996ء (قائمقام)
23	سکندر حیات خان	23 مئی 1996ء	تا	11 اگست 1996ء
24	راجہ ممتاز حسین راٹھور	12 اگست 1996ء	تا	24 اگست 1996ء (قائمقام)
25	محمد ابراہیم خان	25 اگست 1996ء	تا	23 اگست 2001ء
26	جنرل (ر) نور خان	25 اگست 2001ء	تا	23 اگست 2006ء
27	راجہ ذوالقرنین خان	24 اگست 2006ء	تا	25 اگست 2011ء
28	محمد یعقوب خان	25 اگست 2011ء	تا	27 جولائی 2016ء
29	مسعود خان	17 اگست 2016ء	تا	حال

آزاد کشمیر کے وزراء اعظم

۱۔ خان عبدالحمید خان	11 جون 1975ء	تا	11 اگست 1977ء
۲۔ سکندر حیات خان	17 جون 1985ء	تا	28 جون 1990ء
۳۔ راجہ ممتاز حسین راٹھور	29 جون 1990ء	تا	5 جولائی 1991ء
۴۔ عبدالقیوم خان	29 جولائی 1991ء	تا	29 جولائی 1996ء
۵۔ بیرسٹر سلطان محمود چوہدری	30 جولائی 1996ء	تا	24 جولائی 2001ء
۶۔ سکندر حیات خان	25 جولائی 2001ء	تا	23 جولائی 2006ء
۷۔ عتیق احمد خان	24 جولائی 2006ء	تا	6 جنوری 2009ء
۸۔ یعقوب خان	7 جنوری 2009ء	تا	21 اکتوبر 2009ء
۹۔ راجہ فاروق حیدر خان	22 اکتوبر 2009ء	تا	28 جولائی 2010ء
۱۰۔ عتیق احمد خان	29 جولائی 2010ء	تا	25 جولائی 2011ء
۱۱۔ چوہدری عبدالمجید	26 جولائی 2011ء	تا	30 جولائی 2016ء
۱۲۔ راجہ فاروق حیدر خان	31 جولائی 2016ء	تا	حال

آزاد کشمیر کے اہم شہر / اضلاع

ضلع بھمبر

بھمبر آزاد کشمیر کا تاریخی مقام ہے۔ یہ گجرات سے 28 میل اور میر پور سے 50 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ تاریخی شہر 32.58 عرض بلد اور 74.8 طول بلد پر واقع ہے۔ شہر کی تین اطراف سے ایک برساتی نالہ چکر کاٹ کر گزرتا ہے جسے ''بھمبر نالہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ نالہ وزیر آباد کے قریب دریائے چناب میں شامل ہو جاتا ہے۔ بھمبر سے براستہ پیر پنجال ایک قدیم سڑک سرینگر کو جاتی ہے۔ یہ سڑک اکبر کے انجینئر محمد قاسم نے اس وقت تعمیر کی جب اکبر نے 1586 میں کشمیر پر قبضہ کیا۔ اس شاہراہ کو مغل روڈ کہا جاتا ہے۔ کشمیر کی جبری تقسیم کے سبب آج کل یہ شاہراہ بند پڑی ہے۔ مستقبل میں جب کشمیر آزاد ہوگا (انشاء اللہ) تو یہ شاہراہ پھر بحال ہو جائے گی اور اپنی اہمیت وافادیت کا لوہا منوائے گی۔ بھمبر سے جموں 70 کلو میٹر اور سرینگر 150 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

ماضی میں بھمبر ایک آزاد اور خود مختار ریاست رہی ہے۔ یہ کشمیر دربار کی باج گزار ریاست بھی رہی ہے۔ اس ریاست کا تاریخی نام چبھال تھا جس کی حدود کھڑی، جہلم، کھاریاں اور گجرات تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس ریاست کے کچھ حصے اب صوبہ پنجاب میں شامل ہو چکے ہیں۔ بھمبر پر جب راجپوت حکمرانوں نے بڑے شاہانہ انداز سے حکومت کی۔ یہاں کا آخری حکمران راجہ سلطان خان تھا جو بڑا دلیر، بہادر اور عقلمند حکمران تھا۔ جب رنجیت سنگھ کشمیر پر قبضہ کرنے کے لیے لاہور سے لاؤ لشکر لے کر نکلا تو بھمبر کے مقام پر اس کا سامنا سلطان خان سے ہوا۔ اس حملے میں رنجیت سنگھ کی افواج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ عرصہ بعد رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کی مدد سے سلطان خان کو دھوکہ دے کر جموں بلایا۔ جہاں اسے قلعہ باہو میں پابہ زنجیر رکھا گیا۔ گلاب سنگھ نے سلطان خان کی آنکھیں نکلوا دیں۔ اسے سخت جسمانی اذیتیں دیں۔ چنانچہ یہ 7 مئی 1825ء کو وہیں انتقال کر گیا اور وہیں کسی نامعلوم مقام پر اسے دفن کر دیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ راجہ دھرم چند (شاداب خان) کے دو بیٹے تھے بھوم چند اور روپ چند۔ باپ کی وفات کے بعد اس کی ریاست دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ چونکہ دھرم چند دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا اور مسلمان بیوی افغان بیگم سے بھی اس کے دو بیٹے تھے چنانچہ اس کی وفات کے بعد مسلمان اور ہندو بیٹوں نے باپ کی ساری ریاست آپس میں تقسیم کر لی۔ راجہ کے ہندو بیٹے بھوم چند نے اپنے نام سے یہاں ایک بستی بھوم پور آباد کی۔ یہی نام بدل کر بھمبر کہلانے لگا۔

ڈوگرہ دور حکومت میں (1905ء) بھمبر ایک ضلع تھا جبکہ میرپور اس کا ایک قصبہ تھا لیکن 1947ء کے بعد بھمبر کو ضلع میرپور کی ایک تحصیل بنادیا گیا۔ لیکن 1996ء میں اسے پھر الگ درجہ دے کر ضلع بنادیا گیا۔ ضلع بھمبر کا رقبہ 1516 مربع کلومیٹر اور آبادی 3 لاکھ 75 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ ضلع بھمبر میں تین تحصیلیں ہیں، بھمبر، سماہنی، برنالہ۔ بھمبر کے سیاحتی مقامات میں چھمب، وادی بنی اور وادی سماہنی قابل دید ہیں۔ سماہنی نہایت خوبصورت وادی ہے سماہنی میں تاریخی آثار بھی ہیں۔ ان میں قلعہ باغسر اور سرائے سعد آباد ماضی کا ورثہ ہیں۔ بھمبر کے لوگ محنتی اور جفاکش ہیں۔ اکثریتی آبادی کا ذریعہ معاش زراعت ہے۔ اس ضلع کے لاکھوں لوگ بسلسلہ روزگار بیرون ملک آباد ہیں۔ بھمبر کی زمینیں زرخیز اور ہموار ہیں۔ ان میں ہر قسم کی فصل اگائی جاتی ہے۔ آزاد کشمیر کا یہ واحد میدانی ضلع ہے جس کی زمینیں وافر مقدار میں غلہ پیدا کرتی ہیں۔ بھمبر میں جاٹ، راجپوت، گجر، مغل اور جرال قبائل کے علاوہ کئی قبیلوں اور نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ بھمبر کی آبادی کا ایک بڑا حصہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو 65-1947 کی جنگوں میں بھارتی مقبوضہ پونچھ اور راجوری سے بے گھر ہو کر یہاں آباد ہو گئے۔ 24 اکتوبر 1947 کو بریگیڈیئر حبیب الرحمان کی قیادت میں یہ علاقہ ڈوگرہ افواج سے خالی کروالیا گیا۔

بھمبر شہر: بھمبر آزاد کشمیر کا تاریخی شہر ہے۔ اس کے مشرق، مغرب اور شمال میں نچلے درجے کی پہاڑیاں ہیں جن کی بلندی 500 سے 600 فٹ تک ہے۔ بھمبر شہر میں مغلیہ عہد کی کئی یادگاریں موجود ہیں۔ ان میں مغلیہ سرائے، باؤلی، کنویں، تالاب، مساجد، حمام اور مندر شامل ہیں۔ بھمبر کو مغل ''باب کشمیر'' کہا کرتے تھے۔ افسوس صد افسوس اس عظیم الشان تاریخی ورثے کے حامل شہر کے آثار قدیمہ تباہ و برباد ہو گئے۔ عوامی لاشعوری اور حکومت آزاد کشمیر کی مجرمانہ غفلت کے سبب یہ عظیم ورثہ محفوظ نہ رہ سکا۔ بس اب چند نشانیاں ہی باقی رہ گئیں ہیں۔

بھمبر شہر اب ترقی کی منازل تیزی سے طے کر رہا ہے۔ یہ ایک انڈسٹریل اسٹیٹ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس شہر کے آس پاس بیسیوں صنعتیں چل رہی ہیں۔ بھمبر میں روزگار، صحت، تعلیم، رسل و رسائل اور ذرائع ابلاغ کی جدید سہولتیں میسر ہیں۔ شہر میں مسٹ یونیورسٹی کیمپس، پوسٹ گریجویٹ کالجز اور دیگر کئی تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ الخیر یونیورسٹی کا کیمپس بھی بھمبر کے ایک مضافاتی گاؤں میں بنایا گیا ہے۔

ضلع میرپور

ضلع میرپور کی آبادی 4 لاکھ 23 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ اس ضلع کا رقبہ 1010 مربع کلومیٹر

ہے۔ میر پور آزاد کشمیر کا ایسا ضلع ہے جو زیادہ تر میدانی علاقے پر مشتمل ہے۔ اس کے شمال میں کوٹلی، جنوب میں جہلم، مشرق میں بھمبر اور مغرب میں گوجر خان، راولپنڈی واقع ہیں۔ چونکہ ریاست جموں کشمیر کا یہ علاقہ پنجاب سے ملحقہ ہے اس لیے یہاں کی آب و ہوا اور موسمی حالات پنجاب سے ملتے جلتے ہیں۔ البتہ پنجاب اور میر پور کے لوگوں کی عادات و اطوار میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کشمیریوں کی فطری شرافت، دیانتداری اور سادگی اسے پنجاب سے جدا کرتی ہے۔ یہاں کی آبادی کا ذریعہ معاش زراعت اور تجارت ہے۔ میر پور کے لوگ گزشتہ ایک صدی سے بسلسلہ روزگار بیرون ممالک میں نسل در نسل آباد چلے آرہے ہیں۔ منگلا ڈیم بننے کے سبب یہاں کی آبادی کا 70 فیصد حصہ تارک وطن ہوا۔ دیار غیر میں ان لوگوں نے کثیر زرمبادلہ کمایا۔ اس وقت میر پور کے لوگوں کے کھربوں روپے پاکستان کے بنکوں میں زرمبادلہ کی صورت میں جمع ہیں جو پاکستان کی معیشت کا ایک بڑا سہارا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اسلام آباد کے ہوائی اڈے سے بیرون ملک روانہ ہونے والے 70 فیصد مسافروں کا تعلق خطہ میر پور آزاد کشمیر سے ہوتا ہے۔ آزاد کشمیر کا یہ ضلع انڈسٹریل سٹیٹ کا درجہ رکھتا ہے۔ یہاں سیکڑوں صنعتیں لگائی گئی ہیں جن سے زرکثیر حاصل ہو رہا ہے۔ یہاں کے لوگ محنتی، جفاکش، اور صحت مند ہیں۔ میر پور میں جاٹ اور راجپوت دو بڑے قبیلوں کی اکثریت ہے۔ گھڑسواری، نیزہ بازی اور کشتی یہاں کے عوامی کھیل ہوا کرتے تھے۔ میر پور میں میلوں ٹھیلوں کا رواج اب بھی قائم ہے۔

آزاد کشمیر کا یہ ضلع دو تحصیلوں میر پور اور ڈڈیال پر مشتمل ہے۔ میر پور میں تاریخی قلعے، مساجد اور دیگر عمارات کے آثار پائے جاتے ہیں۔ قلعہ منگلا اور قلعہ رام کوٹ یہاں کے قابل دید قلعے ہیں۔ کھڑی شریف کے مقام پر کشمیر کے عظیم صوفی شاعر میاں محمد بخش اور ان کے روحانی پیشوا حضرت بابا پیرے شاہ غازی کے مزارات مرجع خلائق ہیں۔ آزاد کشمیر کی ممتاز روحانی و علمی شخصیت پیر علاؤ الدین صدیقی نے میر پور میں محی الدین میڈیکل کالج قائم کیا ہے۔

منگلا ڈیم آزاد کشمیر کے اسی ضلع میں واقع ہیں۔ ڈیم بننے کے سبب میر پور اور ڈڈیال کے تاریخی شہر اور 300 گاؤں نذر آب کر دیے گئے تھے۔ 100 مربع میل پر پھیلا ہوا یہ ڈیم حکومتِ پاکستان کے کشمیر پر جابرانہ تسلط کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ایک فوجی آمر میں اپنے دیس کی زمینوں کو سیراب کرنے کے لیے میر پور کی سرسبز و شاداب تاریخی دھرتی کو غرق آب کر دیا۔ پاکستان میں استعمال ہونے والی 35 فیصد بجلی اس ڈیم سے پیدا ہوتی ہے۔

میر پور شہر: میر پور شہر ضلع میر پور کا صدر مقام ہے۔ یہ آزاد کشمیر کا سب سے بڑا اور خوبصورت شہر ہے۔ جو جدید طرز تعمیر کا عظیم نمونہ ہے۔ میر پور کا جدید شہر سطح سمندر سے 1500 فٹ کی بلندی پر ہے۔

میر پور کا پرانا شہر سطح سمندر سے 1236 فٹ کی بلندی پر تھا۔ منگلا بند کی تعمیر کے نتیجے میں میر پور کا پرانا شہر اور اس سے ملحقہ 300 گاؤں زیر آب آ گئے تھے۔ یہاں کے مکین نقل مکانی کر کے یا تو پنجاب اور تھل کے ریگستانوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ یا ان پہاڑی ٹیلوں پر آباد ہو گئے۔ جو بالکل غیر آباد اور سنگلاخ تھے۔ آج یہ غیر آباد پہاڑی ٹیلے ایک خوبصورت شہر میں بدل چکے ہیں۔ اس لیے اس شہر کو ایشیاء کا برمنگھم کہا جاتا ہے۔ میر پور شہر جدید طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ بنتا جا رہا ہے۔

میر پور شہر 33.11 درجہ عرض بلد اور 73.45 درجہ طول بلد پر واقع ہے۔ یہاں سے دینہ 19 میل، راولپنڈی 76 میل (126 کلو میٹر) بھمبر 30 میل (50 کلو میٹر) اور کوٹلی 60 میل (100 کلو میٹر) کے فاصلے پر واقع ہیں۔ دور حاضر کے جدید شہروں کی تمام سہولیتں اس شہر میں موجود ہیں۔ میر پور شہر کا رقبہ 10 مربع کلو میٹر اور آبادی 1,10,000 نفوس پر مشتمل ہے۔ میر پور شہر میں MUST یونیورسٹی، دو پوسٹ گریجویٹ کالجز، ایلیمنٹری کالجز، نرسنگ کالج، میڈیکل کالج، مرکزی تعلیمی بورڈ اور دیگر بہت سے تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ میر پور کی وجہ تسمیہ کے بارے بتایا جاتا ہے کہ 450 سال قبل اس علاقے پر گکھڑ خاندان کے میراں شاہ کی حکومت تھی جس کا مزار پرانے میر پور شہر میں موجود ہے جو اب زیر آب آ گیا ہے۔ ڈیم خشک ہونے کے موقع پر یہاں عرس منعقد ہوتا ہے۔ میراں شاہ کی نسبت اس شہر کا نام میر پور پڑ گیا۔ میر پور شہر کو براہ راست اکال گڑھ سے ملانے کے لیے منگلا جھیل پر ایک پل تعمیر کیا جا رہا ہے جس سے 30 کلو میٹر کا فاصلہ سمٹ کر 5 کلو میٹر رہ جائے گا۔

ضلع کوٹلی

کوٹلی آزاد کشمیر کا ضلع ہے۔ اس کے شمال میں ضلع پونچھ، جنوب میں ضلع میر پور، مشرق میں ضلع راجوری اور مغرب میں ضلع راولپنڈی (پاکستان) واقع ہیں۔ 1947ء سے قبل یہ علاقہ صوبہ جموں کا حصہ تھا اور اسے تحصیل کی حیثیت حاصل تھی۔ 1947ء میں کشمیر کی جبری تقسیم کے نتیجے میں یہ علاقہ آزاد کشمیر کا انتظامی حصہ بن گیا۔ کوٹلی ضلع میر پور کی ایک تحصیل تھی۔ 1974 میں اسے ضلع کا درجہ دے دیا گیا۔ ضلع کوٹلی کا کل رقبہ 1862 مربع کلو میٹر ہے۔ اور آبادی 6 لاکھ 90 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ یہ ضلع 6 تحصیلوں کوٹلی، سہنسہ، نکیال، چڑھوئی، کھوئیرٹہ اور دولیاہ جٹاں پر مشتمل ہے۔ ضلع کا بیشتر حصہ پہاڑی ہے لیکن پہاڑوں کے دامن میں سرسبز و شاداب اور ہموار وادیاں ہیں۔

ضلع کوٹلی معدنی دولت سے مالا مال ہے۔ یہاں سے کئی قسم کی معدنیات نکالی جا رہی ہیں۔ کئی ایسی قیمتی معدنیات کا کھوج بھی لگایا گیا ہے۔ جو ابھی زیر زمین دفن ہیں۔ ان معدنیات میں لوہا، کوئلہ،

بکسائٹ، جپسم، سنگ مرمر، ڈولومائٹ، کوارزائٹ اور یورینیم وغیرہ شامل ہیں۔

ضلع کوٹلی میں تاریخی عمارات بھی موجود ہیں جو کشمیر کے اس خطے کی تاریخ وتہذیب اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ کوٹلی شہر سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر تھروچی کے مقام پر ایک قلعہ کے آثار موجود ہیں یہ قلعہ 1460ء میں تعمیر کیا گیا اس وقت بڈ شاہ تخت کشمیر پر براجمان تھا۔ ایک اور قلعہ گاؤں ڈھنگروٹ میں 1775ء میں تعمیر کیا گیا تھا اس قلعے کے آثار بھی موجود ہیں۔ وادیِ بناہ میں کھوئیرٹہ شہر کے شمال میں ایک پہاڑی چوٹی پر قلعہ کرجائی (دیوی گڑھ) واقع ہے۔ یہ قلعہ فنِ تعمیر کا عظیم شاہکار ہے۔ علاوہ ازیں کوٹلی میں فوجی چھاؤنیوں اور قدیم آبادیوں کے نشانات موجود ہیں۔ کوٹلی شہر میں بلیاہ محلہ اور بلیاہ مسجد عہدِ رفتہ کی یادگاریں ہیں۔ ٹینڈا، حاجی آباد، کھوئی رٹہ، سیری، کوٹ خاناں، سہنسہ، سرسادہ اور نکیال یہاں کے خوبصورت سیاحتی مقامات ہیں۔ کھوئیرٹہ میں دیہاڑی باغ کے مقام پر ہر سال اپریل کے مہینے میں بساکھی کا میلہ لگتا ہے۔ یہ یہاں کا ایک قدیم ثقافتی تہوار ہے، جس میں لاکھوں لوگ شرکت کرتے ہیں۔ اس میلے کی روایت 1932ء سے قائم چلی آرہی ہے۔

کوٹلی شہر: کوٹلی شہر ضلع کوٹلی کا صدر مقام کوٹلی ہے۔ یہ شہر 33.31 درجہ عرض بلد اور 73.57 درجہ طول بلد پر دریائے پونچھ کے کنارے واقع ہے۔ اس شہر سے اسلام آباد 141 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ دریائے جہلم پر ہولاڑ پل کوٹلی اور راولپنڈی کو آپس میں ملاتا ہے۔ منگلا ڈیم کی تعمیر سے پہلے میرپور یہاں سے 70 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا لیکن ڈیم بننے کی وجہ سے یہ فاصلہ بڑھ کر 100 کلومیٹر ہوگیا ہے۔

میرپور کے ساتھ یہ شہر دو سڑکوں کے ذریعے ملا ہوا ہے ایک سڑک براستہ گلپور، راجدھانی اور دوسری براستہ چڑھوئی پیر گلی میرپور پہنچتی ہے۔ کوٹلی سے ایک سڑک راولاکوٹ کو بھی جاتی ہے۔ بھارتی مقبوضہ جموں کشمیر کا ضلع راجوری کوٹلی سے منسلک ہے۔ حال ہی میں تتہ پانی سہڑہ سیکٹر سے ضلع راجوری اور کوٹلی کے مابین بس سروس کا اجرا کیا گیا ہے۔ یہاں سے مخصوص ایام کے لیے مسافر بذریعہ پرمٹ آر پار آجا سکتے ہیں۔

کوٹلی کی وجہ تسمیہ کے بارے متضاد آراء ملتی ہیں۔ ایک محقق کی رائے ہے کہ یہاں کے ایک مقامی حکمران رائے دیار کے انتقال کے بعد اس کے جانشین بیٹے راجہ شہسوار خاں نے پہاڑ کی ڈھلوان پر کوٹ آباد کیا اور بخشی شیر سنگھ جب حکمران بنا تو اس نے شہسوار کے آباد کردہ کوٹ اور دامن کوہ میں واقع ہونے کی نسبت سے اس کا نام کوٹلی رکھا۔ ایک دوسرے محقق کی رائے ہے کہ کوٹلی سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ڈیرہ یا رہائش کے ہیں چونکہ یہاں منگھرال اور سوہلن قبیلے آباد تھے اس لیے کوٹلی سوہلناں نام پڑ گیا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صرف کوٹلی رہ گیا۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ کوٹلی چونکہ پہاڑوں کے دامن

میں واقع ہے اس لیے عہد رفتہ میں اسے ''کوہ تلی'' کہا جاتا ہے جو مستعمل ہوتے ہوتے کوٹلی بن گیا۔
کوٹلی شہر کی آبادی 70 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ ضلعی ہیڈ کوارٹر ہونے کی وجہ سے یہاں مختلف سرکاری محکمہ جات کے دفاتر موجود ہیں۔ یہاں کی ایک بزرگ شخصیت کی کوششوں سے جا بجا خوبصورت مساجد تعمیر کی گئی ہیں اس لیے اس شہر کو مدینۃ المساجد بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شہر قدیم اور جدید فن تعمیر کا خوبصورت امتزاج ہے۔ شہر کی مغربی سمت دریائے پونچھ بہتا ہے۔ اس شہر میں ہر قسم کی جدید سہولتیں موجود ہیں۔ آزاد کشمیر یونیورسٹی، پوسٹ گریجویٹ کالجز اور دیگر بہت سے تعلیمی ادارے بھی یہاں موجود ہیں۔

ضلع پونچھ (راولاکوٹ)

راولاکوٹ آزاد کشمیر کے ضلع پونچھ کا صدر مقام ہے۔ پونچھ ریاست جموں کشمیر کا ایک بڑا مسلم اکثریتی ضلع تھا جو 1947ء میں تقسیم ہوگیا۔ راولاکوٹ اور باغ پر مشتمل 1/3 حصہ آزاد کشمیر کے زیر انتظام آ گیا جبکہ بقیہ دو گنا بڑا علاقہ اور اصل پونچھ شہر بھارت کے قبضہ میں چلا گیا۔ پونچھ ریاست جموں و کشمیر کا قدیم خطہ ہے جس کی تہذیب و ثقافت کا ذکر تاریخی کتب میں خوبصورت پیرائے میں ملتا ہے۔

مشہور چینی سیاح ہیون تسانگ (631ء) نے سیاحت کشمیر کے دوران اس خطے کا بھی مشاہدہ کیا۔ اس نے لکھا ہے کہ مقامی باشندے اس کو پنس یا پرنوتس یا پونچھ کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ کشمیری زبان میں اب بھی پونچھ کو پرنوتس یا ''پرونژھ'' کہتے ہیں۔ سنسکرت زبان میں کسی ملک کے سرحدی علاقے کو پونچھ کہتے ہیں۔ مختلف تواریخ میں اس علاقے کا نام لوہارا یا لوہر کوٹ بھی ملتا ہے۔ لوہر کوٹ کے کھنڈرات اب بھی پونچھ شہر سے مشرق کی جانب چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ہیں۔ غالباً یہ قدیم زمانے میں سلطنت لوہارا کا صدر مقام تھا۔ پنڈت کلہن نے راج ترنگنی میں لکھا ہے کہ پونچھ شہر کو راجہ للتادتیہ نے 695ء میں تعمیر کیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ کشمیر کے راجہ نے یہاں کے بکروال خاندان کی ایک حسین و جمیل لڑکی سے شادی کی تھی جس کا نام پونچھ تھا۔ یہ شہر اسی مناسبت سے پونچھ کہلایا۔

1846ء میں ریاست جموں کشمیر میں ڈوگرہ اقتدار قائم ہونے کے بعد 1850 میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنے بھتیجے موتی سنگھ کو راجہ کا خطاب دے کر پونچھ کا علاقہ اسے بطور جاگیر عطا کر دیا۔ 1888 میں راجہ بلدیو سنگھ اور 1918 میں راجہ سکھ دیو سنگھ یہاں گدی نشین رہے۔ 1927ء میں سکھ دیو سنگھ کی وفات پر پونچھ جاگیر کی حیثیت ختم کر کے اس کا کنٹرول براہ راست مرکزی حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سکھ دیو سنگھ کی وفات کے بعد اس کا بھائی جگت دیو سنگھ یہاں کا راجہ بنا۔

پونچھ کی سرحدیں ایک طرف پاکستان کے ضلع راولپنڈی اور دوسری طرف وادی کشمیر سے ملی

ہیں۔ یہاں سدھن، ڈھونڈ، ڈلی، ملک اور مغل قبائل بکثرت آباد ہیں۔ پونچھ کا جنوبی اور مشرقی حصہ خاصا زرخیز ہے۔ اس علاقے میں پہاڑی، ڈوگری، گوجری اور کشمیری بولیاں بولی جاتی ہیں۔ لباس رہن سہن اور طور طریقے کشمیری معاشرت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ضلع پونچھ کا رقبہ 855 مربع کلومیٹر ہے جبکہ اس ضلع کی آبادی 4 لاکھ 90 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ اس ضلع میں چند ایک خوبصورت اور دلکش سیاحتی مقامات ہیں جن میں تولی پیر اور بن جونسہ جھیل بہت مقبول ہیں سالانہ لاکھوں سیاح ان مقامات کی سیر کے لیے آتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیوی گلی، تراڑکھل، حسین کوٹ، کھائی گلہ، داتوٹ، پاچھیوٹ اور شہید گلہ بھی نہایت دیدہ زیب مقامات ہیں۔

راولاکوٹ شہر: راولاکوٹ سطح سمندر سے 1615 میٹر بلندی پر واقع ہے۔ راولاکوٹ سے اسلام آباد 131 کلومیٹر اور کوہالہ 76 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ شہر آزاد کشمیر کے دیگر اضلاع سے پختہ سڑکوں کے ذریعے ملا ہوا ہے۔ شہریوں کو یہاں پانی کے سوا ہر طرح کی جدید سہولتیں میسر ہیں۔ سیاحوں کی تفریح کے لیے یہ ایک خوبصورت جگہ ہے۔ پہاڑی ڈھلوانوں اور وسیع جنگلوں کے بیچ واقعہ ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں یہاں کا موسم بڑا دلکش اور سکون بخش ہوتا ہے۔ جبکہ سردیوں میں شدید برف باری ہوتی ہے۔ شہر میں پونچھ یونیورسٹی، میڈیکل کالج، پوسٹ گریجویٹ کالجز (بوائز، گرلز) اور دیگر کئی تعلیمی ادارے حکومتی اور پرائیویٹ سطح پر قائم ہیں۔ 8 اکتوبر 2005ء کے زلزلے کے بعد جدید عمارتوں کی تعمیر شروع ہے۔ شیخ زید ہسپتال جدید نوعیت کا ہسپتال تعمیر ہو چکا ہے جبکہ ڈسٹرکٹ کمپلیکس کی عمارات اور سڑکوں کی تعمیر کا کام ابھی جاری ہے۔ راولاکوٹ، اسلام آباد کے مابین ہوائی سروس کی سہولت محدود وقت کے لیے میسر رہی ہے لیکن اب یہ سروس مفقود ہو چکی ہے۔

ضلع باغ

باغ آزاد کشمیر کا ایک تاریخی مقام ہے۔ یہ ضلع 1368 مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ (بشمول ضلع حویلی) یہ علاقہ پونچھ کی ایک تحصیل تھا لیکن 1988 میں اسے ضلع کا درجہ دے دیا گیا۔ باغ کے شمال میں نانگا پیر، گنگا چوٹی اور پیر کنٹھی نہایت اونچی چوٹیاں ایستادہ ہیں۔ پیر پنجال کے اس پہاڑی سلسلے کے پیچھے وادی کشمیر واقع ہے۔ باغ کے مشرق میں 9 ہزار فٹ کی بلند چوٹی تولی پیر ضلع راولاکوٹ میں واقع ہے۔ ان اونچے پہاڑوں کے دامن میں باغ کا خوبصورت خطہ واقع ہے۔ باغ میں دریافت ہونے والے آثار قدیمہ کے مشاہدہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ باغ پرانے زمانے میں کسی بڑی تہذیب کا مرکز رہا ہے۔ یہاں سے عالی شان عمارات، پرانے قلعوں، بازاروں اور شہروں کے کھنڈرات ملے ہیں جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں۔ یہ

کھنڈرات بوائز کالج کے احاطے میں زیر زمین دفن ہیں۔

ضلع باغ تین تحصیلوں پر مشتمل ہے۔ان میں باغ، ہاڑی گہبل، دھیر کوٹ شامل ہیں۔ باغ کی تحصیل حویلی کو حال ہی میں ضلع کا درجہ دے دیا گیا ہے۔دونوں اضلاع کی مجموعی آبادی 4لاکھ 65ہزار پر نفوس پر مشتمل ہے اور مجموعی رقبہ 1368 مربع کلومیٹر ہے۔یہ ضلع تاریخی پس منظر،معاشرتی رسم ورواج،عوامی عادات وخصائل اور فطری رجحانات کے اعتبار سے ضلع پونچھ سے بھر پور مماثلت رکھتا ہے۔باغ کے لوگ، نڈر، دلیر، بہادر، جفاکش، محنتی اور دیانت دار ہیں۔یہاں کے لوگ زمینداری، سپہ گری، کاروبار اور دست کاری جیسے پیشوں سے وابستہ ہیں۔باغ کے لوگوں کا ایک مخصوص پیشہ بیکری اور کنفکشنری کا سامان تیار کرنا ہے۔اس فن کے ماہرین دنیا بھر میں شہرت رکھتے ہیں۔ضلع باغ میں ملدیال (مغل) اور ڈھونڈ قبیلوں کی اکثریت آباد ہے۔اس کے علاوہ ضلع میں سدھن، عباسی، گوجر، نارمہ راجپوت، تھکیال راجپوت اور سید ذاتوں کے لوگ بھی آباد ہیں۔ضلع باغ میں نہایت خوبصورت تفریحی مقامات ہیں جو سیاحوں کے لیے دلکشی کا سامان رکھتے ہیں۔باغ کے خوبصورت سیاحتی مقامات میں گنگا چوٹی، دھیر کوٹ، نیلہ بٹ، لس ڈنہ اور سدھن گلی قابل دید ہیں۔یہ ضلع فطری رعنائیوں، سرسبز وشاداب وادیوں، گھنے جنگلوں، برف پوش پہاڑوں اور پرکیف نظاروں کی وجہ سے آزاد کشمیر میں منفرد مقام رکھتا ہے۔

باغ شہر: باغ کسی زمانے میں ایک چھوٹا سا تاریخی قصبہ تھا جس نے آہستہ آہستہ گنجان آباد شہر کی شکل اختیار کر لی۔یہ شہر 34.24 عرض بلد اور 73.50 طول بلد پر واقع ہے۔سطح سمندر سے اس کی بلندی 3960 فٹ ہے۔یہ شہر نالہ ماہل اور نالہ ملوانی کے سنگم پر واقع ہے۔یہ شہر دو پختہ سڑکوں کے ذریعے آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفرآباد سے ملا ہوا ہے۔ایک سڑک براستہ چکار، سدھن گلی باغ جاتی ہے جس کا فاصلہ 80 کلومیٹر ہے۔جبکہ دوسری سڑک براستہ کوہالہ دھیر کوٹ باغ جاتی ہے۔جس کا فاصلہ 97 کلومیٹر ہے۔باغ سے براستہ علی آباد مقبوضہ پونچھ شہر کو بھی ایک راستہ جاتا ہے۔پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد سے باغ کا فاصلہ 205 کلومیٹر ہے۔اسلام آباد سے باغ جانے کے لیے مری کوہالہ یا ٹائیں ڈھل کوٹ، راولاکوٹ کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ باغ شہر جدید دور کی ضروری سہولتوں سے آراستہ ہے۔ 8اکتوبر 2005 کے تباہ کن زلزلے کے نتیجے میں باغ شہر مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا جسے اب کافی حد تک تعمیر کر لیا ہے۔حال ہی میں باغ میں خواتین یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے جبکہ پوسٹ گریجویٹ کالجز اور سرکاری و غیر سرکاری سطح پر کئی تعلیمی ادارے قائم ہیں۔باغ شہر میں غیر ریاستی عناصر کاروبار پر چھائے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے مقامی کاروباری برادری اور عوام الناس کے لیے کئی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔

ضلع مظفرآباد

مظفرآباد آزاد کشمیر کا دارالحکومت ہے۔ اس ضلع کا رقبہ 1642 مربع کلومیٹر ہے۔ ضلع کی کل آبادی 7 لاکھ 70 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ انتظامی اعتبار سے یہ آزاد کشمیر کا ایک ڈویژن بھی ہے۔ مظفرآباد کے شمال میں نیلم، کاغان اور گلگت، جنوب میں ضلع پونچھ، مشرق میں بھارتی مقبوضہ وادی کشمیر اور مغرب میں پاکستان کا ضلع ایبٹ آباد واقع ہے۔

ضلع مظفرآباد کا بیشتر حصہ پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے۔ اس کا عمومی سالانہ درجہ حرارت زیادہ سے زیادہ 20.48 درجہ سینٹی گریڈ اور کم سے کم 23.6 درجہ سینٹی گریڈ ہے۔ مظفرآباد شہر میں گرمیوں میں شدید گرمی اور سردیوں میں شدید سردی پڑتی ہے۔ البتہ ضلع کے بیشتر مقامات سطح سمندر سے کافی بلندی پر ہونے کی بنا پر گرمیوں میں خشک اور خوشگوار ہوتے ہیں اور سردیوں میں ان پر شدید برفباری ہوتی ہے۔ ان پہاڑی سلسلوں پر برف سارا سال جمی رہتی ہے۔

ضلع مظفرآباد میں کئی نسلوں اور قبیلوں کے لوگ آباد ہیں۔ ان میں آریائی، ترک، افغان، سادات، مغل اور کشمیری ذاتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ لوگوں کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی، زراعت، ملازمت اور کسب و ہنر ہے۔ لوگ چالاک، ذہین اور محنتی ہیں۔ فن دستکاری میں کمال مہارت رکھتے ہیں۔ گبہ سازی، نمدہ سازی، شال بافی اور چوبکاری یہاں کے عمدہ فنون ہیں۔

مظفرآباد ڈویژن کی وادی لیپا اور وادی جہلم قدرتی حسن و جمال اور مادی وسائل سے مالا مال وادیاں ہیں۔ ان وادیوں میں نہایت گھنے جنگل پائے جاتے ہیں جن کی قیمتی لکڑی دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ضلع مظفرآباد معدنی دولت سے بھی مالا مال ہے یہاں سے کئی قسم کی قیمتی معدنیات نکالی جارہی ہیں۔

معاہدہ امرتسر (1846ء) کے بعد ضلع مظفرآباد کا علاقہ تین تحصیلوں مظفرآباد، کرناہ اور اوڑی میں منقسم رہا۔ اس سے پہلے اسے انتظامی حیثیت میں وزارت پہاڑ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ازاں بعد وزارت مظفرآباد کا نام دیا گیا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کی عملداری سے قبل زمانہ قدیم میں یہ علاقہ دو مشہور قبائل کھکھہ و بمبہ کی عملداری میں رہا۔ یہ قبائل یہاں دو سو سال تک حکومت کرتے رہے۔

ضلع مظفرآباد سیاحتی اعتبار سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ضلع مختلف اطراف سے وادی نیلم، وادی جہلم اور وادی لیپہ کے حصار میں واقع ہے۔ یہ وادیاں فطری حسن کی جلوہ گاہ ہیں۔ خوبصورت اور دلفریب مقامات قابل دید ہیں۔ فطرتی حسن کے متلاشیوں، کوہ پیماؤں سیاحوں اور آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ علاقہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ضلع مظفرآباد کے سیاحتی مقامات میں پیکار، لون بنگلہ،

سدھن گلی، لوہار گلی، شہید گلی، وادی لیپہ اور پیر چناسی نمایاں ہیں۔ 5 اکتوبر 2008 کے خوفناک زلزلے میں یہ ضلع مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا۔ ہزاروں انسان لقمہ اجل بن گئے تھے۔

مظفر آباد شہر: مظفر آباد شہر دریائے نیلم اور دریائے جہلم کے سنگم پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 2470 فٹ ہے۔ یہ شہر 34.22 درجہ عرض بلد اور 73.21 درجہ طول بلد پر واقع ہے۔ مظفر آباد شہر کو بمبہ راجپوت قبیلہ کے حکمران سلطان محمد مظفر خان نے 1662 میں آباد کیا۔ اسی نسبت سے اس کا نام مظفر آباد رکھا گیا۔ سلطان مظفر خان نے جنگی اور دفائی نکتہ نظر سے مظفر آباد کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اس شہر کا قدیم نام چکڑی بہک تھا۔ عہد پارینہ میں یہ مقام اس لیے اہمیت کا حامل رہا ہے کہ یہاں سے شمال مشرق کی سمت میں ایبٹ آباد کے علاقہ جات پر ہمہ وقت نظر رکھی جا سکتی تھی اور خطہ پوٹھوہار کی جانب سے حملہ آوروں کا دفاع ہو سکتا تھا، سلطان محمود غزنوی اس سمت سے کشمیر پر حملہ آور ہوا اور اسے کشمیری افواج نے عبرت ناک شکست دی۔ سلطان مظفر خان کو اس علاقے کے دفاع اور سالمیت کے لیے ہمیشہ دشمنوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ یہ حملہ آور ہمیشہ جنوب مغرب سے حملے کرتے رہے۔ 1823 میں سکھ سپہ سالار ہری سنگھ نلوا نے مظفر آباد پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا تاہم بعد میں سات ہزار روپے سالانہ کے عوض سکھوں نے بمبہ حکمرانوں کو اقتدار واپس دے دیا۔ 22 اکتوبر 1947ء کو صوبہ سرحد کے مسلح قبائل نے اسی راستے رات کی تاریکی میں حملہ آور ہو کر یہاں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ یہی سلسلہ ریاست جموں کشمیر کی جبری تقسیم کا سبب بنا۔

مغل حکمران بھی اس راستے کشمیر آیا کرتے تھے۔ اکبر اور جہانگیر اس راستے کئی بار کشمیر آئے تزک جہانگیری میں اس جگہ کا نام ''پیم درنگ'' لکھا ہے جو بعد میں ''کھمب درنگ'' مستعمل ہوا۔ اب یہ جگہ شوکت لائنز کہلاتی ہے۔ شاہ جہاں کے عہد میں علی مردان خاں نے یہاں ایک سرائے تعمیر کرائی تھی۔ مظفر آباد میں اکبر نے ایک باغ لگوایا، جسے جلال آباد گارڈن کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں سلطان مظفر خان نے یہاں شاندار عمارات تعمیر کرائیں اور باغ لگوائے۔ مظفر آباد میں سلطان مظفر خاں کی تعمیر کردہ ''سلطانی مسجد'' اب بھی موجود ہے۔ سلطان مظفر خاں کی قبر حال ہی میں دریافت ہوئی ہے جس پر مقبرہ تعمیر کیے جانے کا پروگرام ہے۔ شہر میں نامور کشمیری راہنما کے ایچ خورشید، میر واعظ مولانا یوسف شاہ اور شہدائے چکوٹھی کے مزارات ہیں۔

مظفر آباد شہر میں دو تاریخی قلعے موجود ہیں ایک قلعہ شوکت لائنز کے قریب ہے جو فوج اور خفیہ اداروں کے زیر استعمال ہے۔ اسے ایک تشدد خانہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے اس لیے اس کا نام ''بلیک

فورٹ'' پڑ گیا ہے۔ یہ قلعہ دریائے نیلم کی دائیں کنارے پر موجود ہے۔ دریائے نیلم کے بائیں کنارے پر شہر کے شمال میں ایک اور عالی شان قلعہ موجود ہے جسے قلعہ پلیٹ کہا جاتا ہے۔ اس قلعہ کو چک حکمرانوں نے تعمیر کروایا۔ یہ قلعہ فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔ حالیہ زلزلہ میں یہ تاریخی قلعہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اس زلزلے نے مظفرآباد شہر کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ شہر کی تعمیر نو کا کام مکمل ہو چکا ہے۔

مظفرآباد شہر میں گردوارے اور مندر بھی ہیں، شہر کے مضافات میں کئی زیارتیں اور خانقاہیں موجود ہیں۔ ان میں حضرت سخی سہیلی سرکار، دربار حضرت شاہ عنایت، دربار دھنی مائی صاحبہ اور دربار پیر چناسی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ مظفرآباد شہر سے ضلع سرحد پاکستان کا شہر ایبٹ آباد 70 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے جبکہ راولپنڈی 138 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ سرینگر شہر یہاں سے 182 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ 1947ء میں جب مظفرآباد کو آزاد کشمیر کا دارالحکومت بنایا گیا تو یہ ایک اجڑا ہوا اور آتش زدہ قصبہ تھا جسے قبائلیوں نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ لیکن بعد ازاں اس شہر نے بہت ترقی کی اور وسعت پائی۔ شہر میں وزیراعظم سیکرٹریٹ، صدارتی سیکرٹریٹ، سول سیکرٹریٹ، ریڈیو اسٹیشن، عدالت العالیہ، عدالت عظمیٰ، سی ایم ایچ، ٹیلیفون و تار کا نظام، یونیورسٹی، کالجز، میڈیکل کالج، لاء کالج، ہوائی اڈہ اور بہت سے سرکاری و غیر سرکاری دفاتر کے علاوہ ایک پر رونق شہر موجود ہے۔ شہر میں سرکاری و غیر سرکاری سطح پر سیاحوں کے لیے ہر طرح کی سہولتیں موجود ہیں۔ نلوچھی کے مقام پر آزاد کشمیر کے سب سے اونچے اور عالی شان پل کی تعمیر اور اس سے ملحقہ سڑک نے شہر کی رونق کو دوبالا کر دیا ہے۔

ضلع نیلم

ضلع نیلم آزاد کشمیر کا رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا ضلع ہے۔ اس ضلع کا رقبہ 3621 مربع کلومیٹر ہے۔ یہ آزاد کشمیر کا کل 27 فیصد علاقہ بنتا ہے۔ اس کی آبادی 2لاکھ 30 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ ضلع کا صدر مقام اٹھمقام ہے جو مظفرآباد سے 84 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ضلع دو تحصیلوں اٹھمقام اور شاردا پر مشتمل ہے۔ شاردا اس ضلع کا سب سے اہم اور تاریخی مقام ہے۔ یہاں ہزاروں سالہ قدیم تہذیب کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ تواریخ کی کتب میں لکھا ہے کہ شاردا کے مقام پر بدھ مت کے عہد کی ایک عظیم درسگاہ واقع تھی۔ اس درسگاہ کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ ضلع نیلم نو یونین کونسلز پر مشتمل ہے۔ ان میں بازیاں، بانڈی اشکوٹ، کنڈل شاہی، شاہ کوٹ، نیلم، دودنیال، شاردا، کیل اور گریز شامل ہیں۔ نیلم ویلی ہندومت، بدھ مت اور اسلامی تہذیبوں کا سنگم ہے۔ یہ ضلع خوبصورت، دلفریب اور دیدہ زیب سیاحتی مقامات پر مشتمل ہے جبکہ دو ٹاؤن کمیٹیز اٹھمقام اور کیل ہیں۔ یہاں کا چپہ چپہ حسن فطرت کا عکاس ہے۔ یہاں برف پوش گلیشیئرز، چوٹیاں، گھنے

جنگل، خوبصورت جھیلیں، آبشاریں اور مرغزار واقع ہیں۔ دریائے نیلم ضلع کے ماتھے کا جھومر ہے۔ یہ دریا صاف شفاف اور میٹھے پانی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس ضلع میں چلیانہ، کٹھ چوگلی، جبڑ باڑیاں، لیسوا، جورا، کنڈل شاہی، کٹن، جاگراں، اٹھمقام، کیرن، دواریاں، لوات، کھریگام، چانگن، شاردا، کیل، کیل اڑنگ، شونٹھر، جانوائی، بھلوائی، سرداری، ہلمت اور تاؤبٹ جیسے خوبصورت مقامات واقع ہیں۔ جھیل رتی گلی جھیل ایاسین، جھیل پتلیاں اور چٹا کٹھا شونٹھر جھیل وادی نیلم کی خوبصورت جھیلیں ہیں۔ ضلع نیلم کا صدر مقام اٹھ مقام مظفر آباد سے 84 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

یہ ضلع معدنیات اور جنگلات کی قدرتی دولت سے مالا مال ہے لیکن مقام افسوس ہے کہ قدرت کی نعمتوں سے مالا مال یہ وادی نیلم پسماندگی اور تباہ حالی کا نمونہ بنادی گئی ہے۔ بھارتی اور پاکستانی افواج یہاں کے لوگوں کی جان و مال، عزت و آبرو اور قدرتی وسائل کو ظالمانہ اور جابرانہ انداز سے لوٹ رہی ہیں۔ غیر ملکی فوجوں نے اس وادی کو جہنم زار بنادیا ہے۔ حکومتِ آزاد کشمیر بے غیرتی اور بے حسی کی آخری حدوں کو کراس کر کے اس وادی کے مکینوں کو خونخوار درندوں کے آگے پھینک چکی ہے۔ سڑکیں تباہ حال اور اہل وادی تباہ حالی کی مجسم تصویر ہیں۔ نیلم ویلی کے عوام کا مطالبہ ہے کہ بھارت اور پاکستان اس وادی سے اپنی اپنی فوجیں واپس بلا لیں اور اسے MILLITARY FREE ZONE قرار دیں تا کہ اس وادی کے عوام سکھ کا سانس لے سکیں اور دنیا بھر کے سیاح بلاخوف وخطر یہاں آسکیں۔

ضلع سدھنوتی

آزاد کشمیر کا ضلع سدھنوتی 1996ء میں قائم ہوا۔ اس کا رقبہ 569 مربع کلومیٹر ہے۔ جو آزاد کشمیر کے کل رقبے کا 4% ہے۔ اس ضلع کی آبادی 340,000 نفوس پر مشتمل ہے۔ اس ضلع کے تاریخی مقامات میں بارل اور منگ تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔ قلعہ بارل پلندری شہر سے 14 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس ضلع کے سیاحتی مقامات میں بارل، بلوچ، بیٹھک، گجن، ٹھنڈی کسی، قلعاں، بساڑی، ستہ پانی، تراڑکھل اور آزاد پتن مشہور ہیں۔ تراڑکھل کے گاؤں نیریاں شریف میں ایک مذہبی و روحانی پیشوا پیر علاؤ الدین صدیقی کی کاوشوں سے محی الدین اسلامک یونیورسٹی قائم کی گئی ہے۔ نیریاں شریف میں پیر محی الدین غزنوی اور ان کے صاحبزادے پیر علاؤ الدین صدیقی کا مزار مرجع خلائق ہے۔

پلندری شہر: پلندری آزاد کشمیر کا ایک چھوٹا قصبہ نما شہر ہے۔ یہ ضلع سدھنوتی کا ضلعی ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 4500 فٹ ہے۔ 1996 میں سدھنوتی کو ضلعی درجہ ملنے کے بعد پلندری شہر کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ قبل ازیں پلندری ضلع پونچھ کی ایک تحصیل تھی۔ پلندری میں کیڈٹ کالج

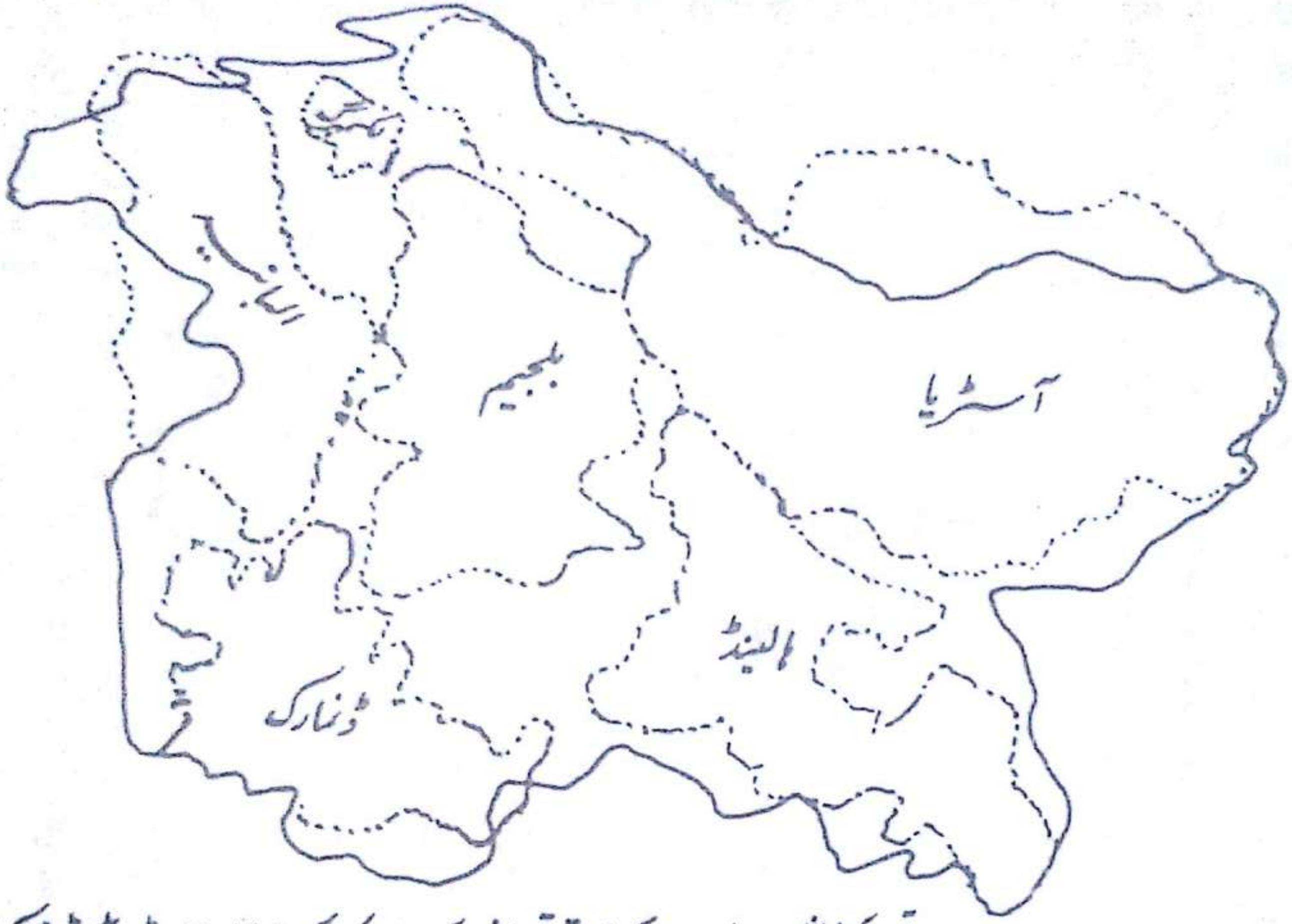
ایک مثالی تعلیمی ادارہ ہے جبکہ مولانا محمد یوسف کا قائم کردہ دینی دارالعلوم بھی ایک اہم درس گاہ ہے۔ شہر میں تعلیمی ادارے، ہوٹل، ریسٹ ہاوس اور حکومتی دفاتر قائم ہیں۔ شہر میں ضروریات زندگی کی بنیادی اشیاء دستیاب ہیں۔ پلندری شہر پہاڑوں کی چوٹی پر واقع ہے۔ اس کے آس پاس خوبصورت جنگلات ہیں۔ یہاں سے پاکستان کا شہر راولپنڈی 97 کلومیٹر اور راولاکوٹ 54 کلومیٹر ہے۔ جبکہ دارالحکومت مظفر آباد 160 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ سیاحتی اعتبار سے پلندری پرکشش مقام ہے۔ پلندری شہر سے مشرق کی سمت ایک کلومیٹر کے فاصلے پر مہاراجہ پونچھ کا تاریخی محل واقع ہے جسے مقامی لوگ ''باولی'' کہتے ہیں۔ یہ فن تعمیر کا ایک عظیم شاہکار ہے لیکن حکومتی بے حسی کے سبب یہ تاریخی عمارت خستہ حال ہو رہی ہے۔ اس تاریخی ورثے کو بچانا اہلیانِ علاقہ کی قومی ذمہ داری ہے۔

ضلع حویلی

اپریل 2009ء میں ضلع باغ کی تحصیل حویلی کو بھی ضلع کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ حویلی کا ضلعی ہیڈکوارٹر فارورڈ کہوٹہ ہے۔ یہ سطح سمندر سے 4300 فٹ بلند ہے۔ یہ ضلع تقریباً 616 مربع کلومیٹر پر محیط ہے۔ یہاں کی کل آبادی 2,09,250 افراد پر مشتمل ہے۔ یہ ضلع 3 تحصیلوں (فارورڈ کہوٹہ، خورشید آباد، ممتاز آباد) 9 یونین کونسلز اور 90 دیہاتوں پر مشتمل ہے۔ فطری حسن وخوبصورتی سے مالا مال یہ خطہ دلکش سیاحتی مقامات پر مشتمل ہے۔ ان میں لس ڈنہ، محمود گلی، چڑی کوٹ، چھانجل، خورشید آباد، علی آباد، ہلاں اور خواجہ بانڈی اپنی مثال آپ ہیں۔ یہاں کی بلندترین پہاڑی چوٹیوں میں بیڈوڑی 12,380 فٹ بلند ہے۔ دوسرے بلندترین مقامات میں نیزہ پیر، نیل کنٹھ، نیل فری اور درہ حاجی پیر شامل ہیں۔ ضلع حویلی میں بساہاں شریف اور بدھال شریف کو روحانی مراکز کی حیثیت حاصل ہے۔

ضلع جہلم ویلی (ہٹیاں)

حکومت آزاد کشمیر نے ضلع مظفر آباد کی سابقہ تحصیل ہٹیاں کو ضلع کا درجہ دیا ہے۔ جسے اب ضلع جہلم ویلی کا نام دیا گیا ہے۔ یہ ضلع 3 تحصیلوں ہٹیاں، چکار اور لیپا پر مشتمل ہے۔ ہٹیاں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو دریائے جہلم کے کنارے صدیوں سے آباد ہے۔ ہٹیاں کی حدود میں گڑھی دوپٹہ، چناری، چکوٹھی، چکار، لون بگلہ، ڈنگیاں، سدھن گلی، وادی لیپہ، داؤ کھن ریشیاں، وغیرہ اہم سیاحتی مقامات ہیں۔ ضلع جہلم ویلی 12 یونین کونسلز پر مشتمل ہے۔ یہ ضلع آزاد کشمیر کے 8 فیصد علاقے پر محیط ہے۔



رقبہ کے لحاظ سے یورپ کے چھ ترقی یافتہ آزاد ممالک آسٹریلیا، ہالینڈ، بلجیم ڈنمارک، البانیہ
اور لکسمبرگ ریاست جموں کشمیر کے اندر سما سکتے ہیں

باب 12

کشمیر

سوالات و جوابات...... کشمیر سٹڈیز

گزشتہ چند برسوں سے پبلک سروس کمیشن آزاد کشمیر میں وطن عزیز جموں کشمیر کے حوالے سے سوالات پوچھنے کا رجحان خاصا بڑھ گیا ہے۔ امیدواروں سے اس موضوع پر مختلف النوع سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ اس باب میں ایسے سوالات اور ان کے جوابات دیئے گئے ہیں جو PSC میں بار بار پوچھے جاتے ہیں۔ یہ سوالات انٹرویو کمیٹی کے سامنے پیش ہونے والے امیدواروں سے جمع کیے گئے ہیں۔ امیدواروں کی سہولت کے لیے سوالات یکجا کر کے آخر پر ان کے جوابات دے دیئے گئے ہیں۔ امیدواروں کو چاہیے کہ وہ ان سوالات کو غور سے پڑھیں اور ان کے جوابات ذہن نشین کر لیں۔

(مصنف)

اطلاع عام:

کشمیر کے موضوع پر کسی بھی حوالے سے تحقیق یا تیاری کرنے والوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کو کسی بھی قسم کا مواد، معلومات، حقائق، یا راہنمائی چاہیے ہو تو ادارہ نکس میر پور سے رابطہ کریں۔ نجی سطح پر قائم کیے گئے اس ادارے میں وطن عزیز جموں کشمیر کے حوالے سے تاریخی ریکارڈ کا وافر ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔

محمد سعید اسعد
ڈائریکٹر ادارہ نکس میر پور
0344-5663443

سوالات..... کشمیر سٹڈیز

1 آزاد کشمیر کے پہلے منتخب صدر کا نام بتائیں؟

2 آزاد کشمیر کے پہلے منتخب وزیر اعظم کا نام بتائیں؟

3 آزاد حکومت کے بانی صدر کا نام بتائیں؟

4 قائداعظم کتنی بار کشمیر آئے؟

5 قائداعظم آخری بار کب کشمیر آئے؟

6 قائداعظم مظفر آباد میں کہاں ٹھہرے؟

7 قائداعظم کو مظفر آباد میں عشائیہ کس نے دیا؟

8 چوبیس اکتوبر کیوں مشہور ہے؟

9 کشمیر کا کل رقبہ کتنا ہے؟

10 آزاد کشمیر کا کل رقبہ کتنا ہے؟

11 مقبوضہ کشمیر کا کل رقبہ کتنا ہے؟

12 گلگت بلتستان کا کل رقبہ کتنا ہے؟

13 ریاست جموں کشمیر اس وقت کتنے یونٹس میں تقسیم ہے؟

14 پرتاب سنگھ کب تخت سے اتارا گیا اور پھر بحال کیا گیا؟

جوابات

1	کے ایچ خورشید	2	خان عبدالحمید خان
3	غلام نبی گلکار (4اکتوبر 1947)	4	4بار
5	مئی 1944 میں	6	دومیل ریسٹ ہاؤس میں
7	شیخ سعید احمد نے	8	24اکتوبر 1947 کو آزاد حکومت کا قیام عمل میں آیا
9	84,471مربع میل	10	4,144مربع میل
11	41,342مربع میل	12	29,841مربع میل
13	4یونٹس	14	اپریل 1889 کو تخت سے اتار دیا اور 1905 کو دوبارہ بٹھا دیا

1 مقبوضہ کشمیر میں اسمبلی کی نشستوں کی تعداد کتنی ہے؟
2 آزاد کشمیر اسمبلی کی نشستوں کی تعداد کتنی ہے؟
3 مہاراجہ رنبیر سنگھ کا عرصہ حکومت بتائیں؟
4 پرتاب سنگھ اور ہری سنگھ کا آپس میں کیا رشتہ تھا؟
5 ریاستی اسمبلی ڈوگرہ دور میں بنی اس کا نام کیا تھا؟
6 قائداعظم کو کشمیر کے دورے کی دعوت کس کس سیاسی جماعت نے دی تھی؟
7 1947ء میں پاکستان اور بھارت کی طرف سے اقوام متحدہ میں کس کس نے نمائندگی کی؟
8 UNO میں جنگ بندی کی درخواست کس نے کی تھی؟
9 پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ بندی معاہدہ کب ہوا؟
10 ہری سنگھ کب تخت نشین ہوا؟
11 مہاراجہ گلاب سنگھ پنجاب کے حکمران رنجیب سنگھ کے دربار میں کس عہدے پر فائز ہوا؟
12 لاہور میں ملازمت سے پہلے گلاب سنگھ کس قلعہ میں ملازمت کرتا تھا؟
13 کشمیر کو ہندوستان سے ملانے والی شاہراؤں کے نام بتائیں؟
14 کشمیر کا سائبیریا کسے کہتے ہیں؟

جوابات

1 87
2 49
3 1858ء تا 1885
4 پرتاب سنگھ ہری سنگھ کا چچا تھا۔
5 جموں کشمیر پرجا سبھا
6 مسلم کانفرنس، نیشنل کانفرنس، مسلم سٹوڈنٹس یونین
7 ظفراللہ خان (پاکستان) گوپال سوامی آئینگر (بھارت)
8 ہندوستان نے
9 یکم جنوری 1949
10 1925 میں
11 حاضر باش
12 قلعہ منگلا میرپور میں
13 کشمیر کو ہندوستان سے صرف ہنجاب جموں شاہراہ ملاتی ہے
14 وادی اور گلگت کے درمیان واقع دیوسائی میدان کو

1 چرار شریف میں شرپسندوں نے کس بزرگ کی درگاہ کو جلایا؟

2 خانقاہ معلیٰ کیوں مشہور ہے؟

3 درگاہ حضرت بل کیوں مشہور ہے؟

4 شیخ محمد عبداللہ کہاں پیدا ہوئے تھے؟

5 رنبیر نہر اور پرتاب نہر کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

6 پانڈو اور حاجی پیر کیوں مشہور ہیں؟

7 ریشم خانہ سرینگر میں بغاوت کب ہوئی؟

8 پٹھان کوٹ اور گورداس پور کی تحصیلیں بھارت کے حوالے کیوں کی گئیں؟

9 شیخ عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کیوں بنائی تھی؟

10 1943 میں نواب بہادر یار جنگ کو کشمیر کے دورے کی دعوت کس نے دی؟

11 مظفرآباد کس کے نام سے آباد ہے؟

12 مظفرآباد کے مشہور دربار کون سے ہیں؟

13 منگلا ڈیم کا رقبہ بتائیں؟

14 میرپور کے تاریخی قلعے کون کونسے ہیں؟

جوابات

1 شیخ نورالدین ولی" کی درگاہ کو

2 سید علی ہمدانی سے منسوب ہے۔

3 درگاہ حضرت بل میں حضور ﷺ کا بال مبارک محفوظ ہے۔

4 سرینگر کے قریب گاؤں سورہ میں۔

5 یہ نہر دریائے چناب سے رنبیر سنگھ اور پرتاب سنگھ کے نام پر نکالی گئی ہیں۔

6 پانڈو اور حاجی پیر کے پہاڑوں پر زبردست جنگیں ہوئیں۔

7 1924ء کو

8 کشمیر کا بھارت سے زمینی رابطہ قائم رکھنے کے لیے

9 اپنا الگ سیاسی تشخص قائم رکھنے کے لیے

10 مسلم کانفرنس اور مسلم سٹوڈنٹس یونین نے

11 سلطان مظفر خان کے نام پر

12 سائیں سہیلی سرکار، سلطان شاہ عنایت، شاہ سلطان، پیر چناسی اور ترید شریف

13 100 مربع میل

14 قلعہ منگلا، قلعہ رام کوٹ، قلعہ بڑجن

1 باغ میں نیلا بٹ کیوں مشہور ہے؟

2 کشمیر کا کونسا دریا سب سے بڑا ہے؟

3 کشمیر کمیٹی کب بنی؟

4 شیخ عبداللہ کی کشمیر چھوڑ دو تحریک کا نعرہ کیا تھا؟

5 تقسیم ہندوستان کے وقت کشمیر کا وزیراعظم کون تھا؟

6 پانپور کیوں مشہور ہے؟

7 منگلا ڈیم سے سالانہ کتنی بجلی پیدا ہوتی ہے؟

8 موجودہ ریاست جموں کشمیر کا بانی کسے کہا جاتا ہے؟

9 کشمیر کی وہ کون سی ہستی ہے جو اعلیٰ عہدہ پر فائز رہی اور دین کے سلسلے میں بھی خدمات سرانجام دیں؟

10 میرواعظ مولانا یوسف شاہ نے کس زبان میں قرآن پاک کے 20 پاروں کا ترجمہ کیا؟

11 16 رمضان کو کس کی برسی منائی جاتی ہے؟

12 مظفرآباد میں آزاد کشمیر کے کتنے صدور دفن ہیں؟

13 میرپور سے تعلق رکھنے والے آزاد کشمیر کے سابق صدر اور وزیراعظم کا نام بتائیں؟

14 پہلی کشمیر اسمبلی کے لیے ووٹ کب ڈالے گئے؟

جوابات

1	نیلا بٹ میں یہاں کے مقامی مسلمانوں نے ایک جلسہ کیا تھا۔	2	دریائے سندھ
3	1932ء میں	4	''بیع نامہ امرتسر توڑ دو۔ کشمیر ہمارا چھوڑ دو''
5	جنرل جنک سنگھ ڈوگرہ	6	پانپور زعفران کی پیداوار کی وجہ سے مشہور ہے
7	ایک ہزار میگاواٹ	8	مہاراجہ گلاب سنگھ کو
9	میرواعظ مولانا یوسف شاہ	10	کشمیری زبان میں
11	میرواعظ مولانا یوسف شاہ کی	12	تین، خان حمید خان، کے ایچ خورشید، میرواعظ یوسف شاہ
13	کرنل علی احمد شاہ (صدر) بیرسٹر سلطان محمود چوہدری (وزیراعظم)	14	4 ستمبر 1934

1 بانہال ٹنل کہاں ہے؟

2 گلگت ایجنسی کب قائم ہوئی؟

3 سرائے علی آباد کہاں ہے؟

4 معاہدہ تاشقند کب ہوا؟

5 شملہ معاہدہ کب ہوا؟

6 معاہدہ امرتسر کب ہوا؟

7 ہندوستانی آئین کی دفعہ 370 کیا ہے؟

8 دریائے پونچھ کہاں سے نکلتا ہے؟

9 آزاد کشمیر میں انتخابات کا حق کس نے دیا اور پہلے انتخابات کب ہوئے؟

10 ریاست پونچھ کا آخری مہاراجہ کون تھا؟

11 27 اکتوبر کو کون سا دن منایا جاتا ہے؟

12 کشمیر کے ذرائع آمدن کیا ہیں؟

جوابات

1 جموں اور سرینگر کے درمیان پیر پنجال میں

2 1980

3 پونچھ میں

4 10 جنوری 1966

5 2 جولائی 1972

6 16 مارچ 1846

7 اس دفعہ کے تحت ہندوستانی آئین میں ریاست جموں کشمیر کو ہندوستان کی دیگر ریاستوں سے الگ اور منفرد حیثیت دی گئی ہے۔

8 مقبوضہ پونچھ کے علاقہ سرن کی جمیا گلی اور نیل کنٹھ گلی سے

9 کے ایچ خورشید نے 7 اکتوبر 1961 کو پہلے صدارتی انتخاب کے لیے ووٹ ڈالے گئے

10 شیور تن جگد یو سنگھ

11 یوم سیاہ (کشمیر پر بھارت کی فوج کشی)

12 زراعت، سیاحت، جنگلات، پانی، فروٹ، معدنیات، انڈسٹری

1 آزاد کشمیر اسمبلی کی پہلی خاتون ایم ایل اے کون تھی؟

2 معاہدہ تاشقند پر کس کس نے دستخط کیے؟

3 سردار محمد ابراہیم کتنی بار آزاد کشمیر کے صدر بنے؟

4 آزاد کشمیر میں پارلیمانی جمہوریت کب قائم ہوئی؟

5 کشمیر چھوڑ دو کا نعرہ کب اور کس نے لگایا؟

6 کشمیر میں پہلی مردم شماری 1911 میں ہوئی اس وقت کشمیر کا مہاراجہ کون تھا؟

7 پاکستان اور مہاراجہ ہری سنگھ کے مابین کونسا معاہدہ ہوا تھا؟

8 سٹیٹ سبجیکٹ کا قانون کب اور کس کے دور میں نافذ ہوا؟

9 چوہدری غلام عباس نے کون سی کتاب لکھی ہے؟

10 کنٹرول لائن اور سیز فائر لائن میں کیا فرق ہے؟

11 درہ خنجراب کہاں ہے؟

12 تاریخ کشمیر کے دو سیاہ ترین دن کونسے ہو سکتے ہیں؟

13 میر واعظ مولانا یوسف شاہ نے کون سی سیاسی جماعت بنائی؟

14 مسلم کانفرنس کا احیاء کب ہوا؟

جوابات

1 بیگم راجہ حیدر خان

2 ایوب خان اور لال بہادر شاستری نے

3 4 بار

4 1975 میں

5 1946 میں ، نیشنل کانفرنس نے

6 مہاراجہ پرتاپ سنگھ

7 معاہدہ قائمہ

8 1927 میں، ہری سنگھ کے دور میں

9 کشمکش

10 کنٹرول لائن کا مطلب ہوتا ہے دو ملکوں کے درمیان مستقل سرحد جبکہ سیز فائر لائن عارضی جنگ بندی لائن ہوتی ہے اسے کسی بھی وقت توڑا جا سکتا ہے۔

11 گلگت اور چین کو ملاتا ہے۔

12 21 اکتوبر 1947 (پاکستانی قبائلی کشمیر پر حملہ آور ہوئے)۔ 27 اکتوبر 1947 (بھارتی فوج کشمیر میں داخل ہوئی)

13 جموں کشمیر آزاد پارٹی مسلم کانفرنس

14 1942 میں

1 کشمیر میں پہلی مردم شماری کب ہوئی اس وقت کشمیر کی آبادی کتنی تھی؟
2 شیخ عبداللہ کب آزاد کشمیر آئے؟
3 معاہدہ کراچی کب ہوا؟
4 گلاب سنگھ کون سے گاؤں میں پیدا ہوا؟
5 آزاد کشمیر میں بارش کی سالانہ مقدار کتنی ہے؟
6 منگلا ڈیم کی گہرائی کتنی ہے؟
7 میرپور کا افضل پور کالج کس کے نام پر قائم کیا گیا ہے؟
8 آزاد کشمیر ہائی کورٹ کے پہلے چیف جسٹس کا نام کیا تھا؟
9 آزاد کشمیر سپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس کا نام کیا تھا؟
10 پاکستانی فوج کب کشمیر میں داخل ہوئی؟
11 ہندوستانی فوج کب کشمیر میں داخل ہوئی؟
12 مقبول بٹ شہید کو تہاڑ جیل دلی میں پھانسی کب دی گئی؟

جوابات

1	1911ء آبادی 31,61,339 تھی	2	1964
3	28 اپریل 1949	4	سمھیل پور (جموں)
5	1300 ملی میٹرز	6	380 فٹ
7	میجر محمد افضل شہید	8	جسٹس خان بہادر، شیخ عبدالمجید، 22 مئی 1948 تعینات ہوئے۔
9	جسٹس رحیم داد چوہدری	10	22 اکتوبر 1947
11	27 اکتوبر 1947	12	11 فروری 1984

1 بھمبر اور وادی کشمیر کے مابین کون سا پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا ہے؟

2 انگریزوں نے ڈوگرہ حکمرانوں سے 1935 میں ریاست کے شمالی علاقہ جات کا کتنا رقبہ 60 سال کے لیے پٹہ پر لیا تھا؟

3 حکومت پاکستان نے گلگت بلتستان میں پہلا پولیٹیکل ایجنٹ کسے مقرر کیا؟

4 کشمیر میں سیز فائر لائن کا تعین کب ہوا؟

5 کشمیر کا قومی ترانہ کون سا تھا؟

6 آزاد کشمیر میں قیامت خیز زلزلہ کب اور کتنا بجے آیا؟

7 اس زلزلے سے آزاد کشمیر کے کون سے دو شہر تباہ ہوئے؟

8 مظفر آباد سرینگر بس سروس کا اجراء کب ہوا؟

9 آزاد کشمیر کی تحصیل حویلی کو ضلع کا درجہ کب دیا گیا؟

جوابات

1 پیر پنجال سلسلہ

2 1480 مربع میل

3 سردار محمد عالم خان کو

4 27 جولائی 1949 کو

5 دیکھئے کتاب ہذا کا صفحہ ۳

6 8 اکتوبر 2005 بوقت 8.52 پر

7 مظفر آباد اور باغ

8 7 اپریل 2005

9 اپریل 2009

MCQ's Kashmir Studies.

آزاد جموں کشمیر پبلک سروس کمیشن کے تحریری امتحانات میں پوچھے گئے MCQ's اور ان کے درست جوابات

Head Mistress (B-17) Dated : 27-01-2018

Q: The Book" Raj Trangni "was written in :

a. **Sansikrit** b. Persian c. Urdu d. None of these .

Q: Who was known as " Nightingale of Kashmir " ?

a. **Habba Khatun** b. Kuta Rani c. Lalla Arifa d. None of these

Q: Which Mughal Emperor construct network of roads in Kashmir?

a. Jhangair b. Shah jahan c. Aurangzaib d. **None of these.**

Q: The " Mo-I- Muqaddas " (The Hair of Prophet PBUH) was shifted to Kashmir by :

a. **Khawaja Noor ud Din Eshai** b. Khawaja Zahir ud Din

c. Ahmed Shah Abdali d. None of these.

Q: Young Men's Muslim association was founded in:

a. 1906 b. 1907 c. 1908 d. **None of these**

Q: Who was the first President of Muslim Conference ?

a. Ch. Ghulam Abbas b. **Sheikh Abdullah**

c. Sardar Ibrahim Khan d. None of these.

Q: Who was the first Prime Minister of Azad Jammu Kashmir?

a. Sardar Abdul Qayyum Khan b. **Khan Abdul Hameed Khan.**

c. K.H. Khurshid d. None of these.

Q: The Govt. of Kashmir sent proposal of stand still agreement on:

a. 11th August , 1947. b. **12th August , 1947.**

c. 13th August , 1947. d. None of these.

Q: The cease fire line was converted into line of control under the :

a. **Shimla Agreement** b. Tashkand Agreement

c. Karachi Agreement d. None of these.

MCQ's Kashmir Studies

آزاد جموں کشمیر پبلک سروس کمیشن کے تحریری امتحانات میں پوچھے گئے MCQ's اور ان کے درست جوابات

Senior Teacher General Line (B-16) Dated : 28-01-2018

Q: The Book" Raj Trangni "was written by :

a. Rentchen Shaw **b Pandit Kalhana**

c. Muhammad Din Faouq d. None of these .

Q: According to 1941 census , the total area of Kashmir is:

a. 84,258 sq Miles b. 84,432 sq Miles

c. 85,471 sq Miles **d. None of these**[1]

Q: Kashmir was known for its :

a. Saffron. b. Rubies c. Silk d. None of these.

Q: Ranchin embraced Islam and adopted the name of:

a. Shah Mir **b. Sultan Sadruddin** c. Bulbul Shah d. None of these.

Q: All Jammu Kashmir Muslim Conference was established in:

a. Oct. 1932 b. Oct. 1933 c. Oct. 1934 d. None of these

Q: In the History of Kashmir 13th July, 1931 observed as:

a. Martyr Day b. Solidarity Day

c. Freedom Day d. None of these.

Q: The Book " Kashmir Saga " was written by :

a. Sardar Abdul Qayyum Khan **b. Sardar Ibrahim Khan**

c. Ch. Muhammad Ali d. K.H.Khurshid.

Q: Who was the first elected President of Azad Jammu Kashmir:

a. Sardar Abdul Qayyum Khan **b. K.H.Khurshid.**

c. Sardar Ibrahim Khan d. Ch. Ghulam Abbas

1 بحوالہ An Introduction to Kashmir، ایم بی پتھاول ص 78

MCQ's Kashmir Studies

AD Development and Planning (B-17) Dated : 14-10-2016

Q: When was Kargil war started:

A. May 8,1999 B. June 8,1999

C. July 8,1999 D.None of these

Q:Who was arrested on October 19,1946.

A. Farooq Abdullah B. Ibrahim Khan

C. Sheikh Abdullah D. Ch.Ghulam Abbas

Q:No tax campaign was launched in 1932in:

A. Mirpur B.Srinagar C. Jammu D. Poonch

Q: ALL Jammu and Kashmir Muslim Conference was established in:

A. 1931 B.1932 C.1933 D.1934

Q: Syed Khadim Hussain Shah,a Kashmiri leader,belonged to:

A.Kotli B.Bagh C.Palandri D. Mirpur

Q: Mountbatten visited Hari Singh on[ے]:

A. June 14,1947B. June 15,1947C.June 16,1947D. June 17,1947

Q: In 1819,the Sikh army entered in Kashmir under the command of:

A. Pertaab Singh B.Hari Singh C. Ranjeet Singh D.None of them

Q: .Stand Still Agreement was offered by:

A. Hari Singh B. Nehro C. Ibrahim Khan D. Sheikh Abdullah

Q: Who was known as Raja of Uri:

A. Sardar Ghulam Ali B. Raja Sarfaraz Khan

C. Raja Zabardast Khan D.None of these

ے اس سوال کے آپشنز غلط دیے گئے ہیں کیونکہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے 18 سے 23 جون 1947 تک کشمیر کا دورہ کیا تھا۔ دیکھیے جسٹس یوسف صراف کی کتاب Kashmiris Fight For Freedom ماؤنٹ بیٹن کی اپنی رائے۔ص 643 جلد دوم

Q: Where is Fort Baghser located?

A. Mung B. Sharda C. Samahni D. Mangla

Q: Name Kashmiri Leader who died in a road accident:

A. Sheikh Abdullah B. Abdul Qayyum Khan

C. Sardar Ibrahim Khan D. K.H Khurshid

Q: Earthquake Memorial bridge is located in:

A. Bagh B. Muzaffarabad C. Balakot D. Neelum

Q: Sardar Abdul Qayyum Khan was born in:

A. 1924 B.1925 C.1926 D.1927

Q: Where is radio Tarakhal operational?

A. Tarakhal B. Islamabad C. Muzaffarabad D. Rawalpindi

Q: Who is chief justice of Supreme Court of AJK.

A. Mustafa Mughal B. Azam Khan C. Ibrahim Zia D. None

AD Planning ,statistics (B-17) Dated : 13-3-2016

Q:Who signed Jammu and Kashmir's instrument of Accession?

A. Hari Singh B. Gulab Singh C. Ranjeet Singh D. NONE

Q: How many districts are there in AJ&K:

A. 7 B . 8 C. 9 D. 10

Q: What is total area of Siachin Glacier square miles?

A. 450 B. 475 C. 525 D. 550

Q: Kishen Ganga was the old name of river:

A. Jhelum B. Neelum C. Sindh D. Sutlaj

Q: Afghans ruled Kashmir for:

A. 60 years B. 66 years C. 70 years D. 75 years

Q: National Conference was established in:

A. 1931 B.1934 C. 1938 D. 1939

Q: How many Kashmiris were killed on July 13 ,1931?

A. 17 B. 19 C. 22 D. 27

Q: K.H Khurshid was born in:

A. Srinagar B. Baramula C. Muzaffarabad D. Sialkot

Q: Death anniversary of Ch. Ghulam Abbas is observed on:

A. 16 Dec B. 18 Dec C. 21 Dec D. 25 Dec

Q: Persian was official language of Kashmir till:

A. 1918 B. 1927 C. 1924 D. 1930

Q: A well known book "Aatish-e-Chanar" was written by:

A. Sheikh M. Abdullah B.Abdul Qayyum Khan

C. K.H Khurshid D. Sardar Ibrahim Khan

Q: University of AJ&K was established in:

A.1978 B. 1980 C. 1982 D. 1984

Q: Who was the first elected Prime Minister of AJ&K?

A. Khan A. Hamid Khan B. Sardar A. Qayyum Khan

C. Sardar Ibrahim Khan D. None of these

Q: How many languages are spoken in Jammu & Kashmir?

A. 60 B. 64 C. 68 D. 72

Q: Radio Azad Kashmir was established in:

A. 1974 B .1948 C.1949 D.1950

Revenue Officer B-17 Planning and Housing 30-09-16

Q:Where the precious stone ruby is found in AJ&K?

A. District Neelum B. District Haveli

C. District Bagh D. District Poonch

Q: How many degree colleges were in AJ&K in 1947?

A. 3 B. 4 C. 6 D. NONE

Q: Sultan Zain -ul- Abadin Bud Shah passed away in the year:

A . ،1470 B . ،1475 C . ،1477 D . ،1497

Q: Sri nagar- Muzaffarabad bus service started in:

A. 2004 B. 2005(7 April) C. 2006 D. None of these

Q: Delhi Accord was signed by Indra Ghandi and:

A. Abdul Qayyum Khan B. Sheikh M. Abdullah

C. Sardar Ibrahim Khan D. K.H Khurshid

Q: Mir Waiz Mohammad Yousaf Shah joined Muslim Conference in:

A. 1930 B. 1934 C. 1938 D. 1942

Q: When Muzaffarabad was made capital of AJ&K?

A. 1947 B. 1948 C. 1949 D. 1950

Q: Who was second president of AJ&K?

A. Ali Ahmad Shah B. K.H Khurshid

C. Ibrahim Khan (24th Oct, 1947) D. Sher Khan

Q: Liberation League was established in:

A. Mirpur B. Rawalpindi C. Muzaffarabad D. Islamabad

Q: How far is Kohala Bridge from capital city of AJ&K?

A. 28 km B. 30 km C. 35 km D. 40 km

Q: A well known book "Mata-e-Zindagi" was written by:

A. Sheikh M. Abdullah B. Abdul Qayyum Khan

C K.H Khurshid D. Sardar Ibrahim Khan

Q: How many women are sitting at the moment in legislative Assembly of AJ&K?

A. 5 B. 6 C. 7 D. 8

Q: The state of AJ&K is divided into how many divisions?

A. 3 B. 5 C. 7 D. 10

Q: What is the power generation capacity of Neelum Jhelum Hydral Project?

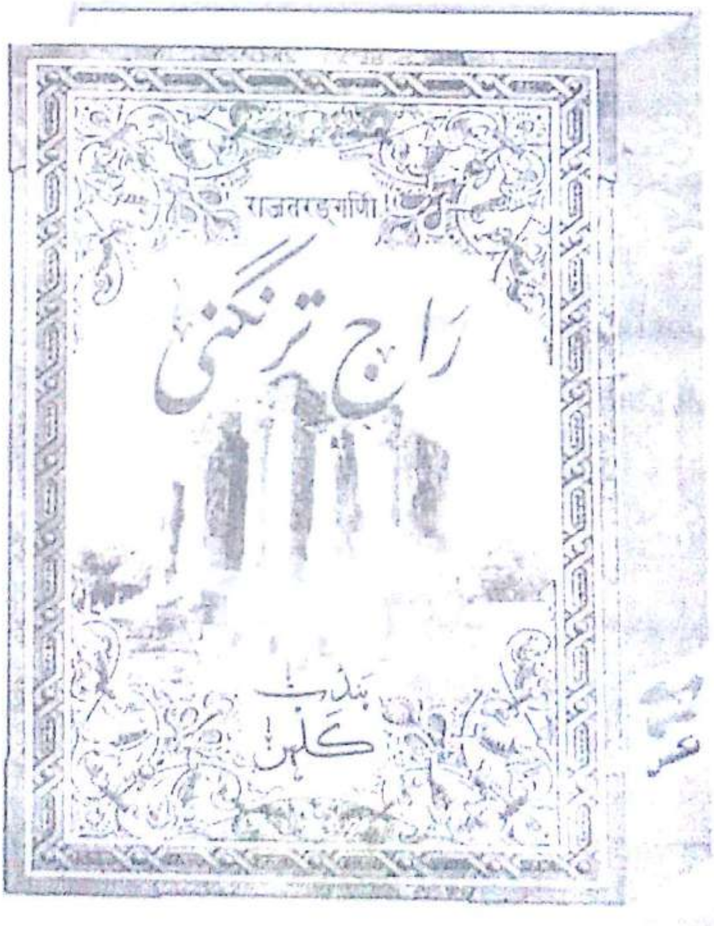
A. 950 B. 955 C.960 D. 969 MW

Q: Who is the chief justice of Supreme Court of AJ&K?

A. Mustafa Mughal B.Azam Khan

C. Ibrahim Zia D. None of them.

Rs. 2000



کتابیات

1. Kashmiries fight for freedom ..... Yousaf Saraf
2. A Gazetter of Kashmir ..... Charles Ellison Bates
3. Kashmir a disputed legacy ..... Alestar Lamb
4. Kashir ..... Dr G.MD. Sufi
5. Daughters of The Vitista. .... Prem Nath Bazaz.
6. Kashmir Diery. .... Rafiq A. khan.(Editor)
7. Judgement of GANGA. ..... Supreme Court of Pakistan.
8. The story of Kashmir Yesterday and Today.... Verender Grover.
9. The History of struggle for freedom in Kashmir..... (Prem Nath Bazaz).
10. An Introduction to Kashmir. ..... Professor M.B.Pithawalla

۱۔ تاریخ جد وجہد آزادی کشمیر۔ (پریم ناتھ بزاز) اردو ترجمہ عبدالحمید نظامی
۲۔ راج ترنگنی ۔ پنڈت کلہن اردو ترجمہ ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ
۳۔ کشمیر کی رانیاں ۔ منشی محمد دین فوق
۴۔ مشاہیر کشمیر ۔ محمد احمد اندرابی
۵۔ محسنین کشمیر پروفیسر محمد رفیق بھٹی
۶۔ پاکستان کی حماقتوں بھری کشمیر پالیسی ۔ امان اللہ خان
۷۔ رشی نامہ شیخ نورالدین ولی
۸۔ جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے 30 سال ۔ امان اللہ خان
۹ جاوید نامہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال
۱۰۔ دیوان غنی ملا محمد طاہر غنی کاشمیری
۱۱۔ سیف الملوک میاں محمد بخش
۱۲۔ للہ داکھ للہ عارفہ
۱۳۔ بطل حریت راجہ محمد اکبر خان ڈاکٹر غلام حسین اظہر
۱۴۔ تاریخ جموں مولوی حشمت اللہ خان

۱۵۔ کشمیری زبان و ادب کی مختصر تاریخ ڈاکٹر سید محمد یوسف بخاری

۱۶۔ آتش چنار شیخ محمد عبداللہ

۱۷۔ جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں جی ایم میر

۱۸۔ مسئلہ کشمیر ممتاز احمد

۱۹۔ کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی سرور عباسی

۲۰۔ سید علی ہمدانی سیدہ اشرف ظفر

۲۱۔ تاریخ کشمیر سید محمود آزاد

۲۲۔ جلوہ کشمیر پروفیسر صابر آفاقی

۲۳۔ کشمکش چوہدری غلام عباس

۲۴۔ کشمیر چراغ حسن حسرت

۲۵۔ کشمیر کی ان کہی داستان ڈاکٹر سلام الدین نیاز

۲۶۔ کشمیر قائداعظم اور کے ایچ خورشید محمد سعید اسعد

۲۷ کشمیریات محمد سعید اسعد

۲۸۔ کشمیر 1947ء سے 1976ء تک ثناءاللہ بٹ

۲۹۔ کے ایل ایم خواجہ عبدالصمدانی

۳۰۔ آزاد کشمیر کا سیاسی جائزہ پروفیسر شفیق حسین مرزا

۳۱۔ شمالی علاقے عدالتی کٹہرے میں عبدالخالق انصاری

۳۲۔ جموں کشمیر میں اردو صحافت صوفی محی الدین (سری نگر)

۳۳۔ کشور کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ جی ایم میر

۳۴۔ کشمیر تاریخ کے آئینے میں ایم-اے-خان

۳۵۔ کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی وی پی مینن اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری

۳۶۔ آزاد کشمیر ایک نظر میں محکمہ منصوبہ بندی وترقیات آزاد کشمیر

۳۷۔ ماہنامہ شیرازہ (مغل اور کشمیر نمبر) سرینگر کلچرل اکیڈمی

۳۸۔ ماہنامہ ادبی دنیا (کشمیر نمبر) عبداللہ قریشی (ایڈیٹر)

۳۹۔ ہفت روزہ نصرت (کشمیر نمبر) محمد حنیف رامے (ایڈیٹر)

۴۰۔ ماہنامہ کتاب (کشمیر نمبر) سید قاسم محمود (ایڈیٹر)

۴۱۔ ماہنامہ معلومات (کشمیر نمبر) سید قاسم محمود (ایڈیٹر)

۴۲۔ مجلہ سونت کال احسن راحیل (ایڈیٹر)

۴۳۔ ہفت روزہ عوامی دور (شیخ عبداللہ نمبر) رام لعل ورما، ایڈیٹر (جموں)

۴۴۔ ہفت روزہ آج کل جوش ملیح آبادی (ایڈیٹر) نئی دہلی

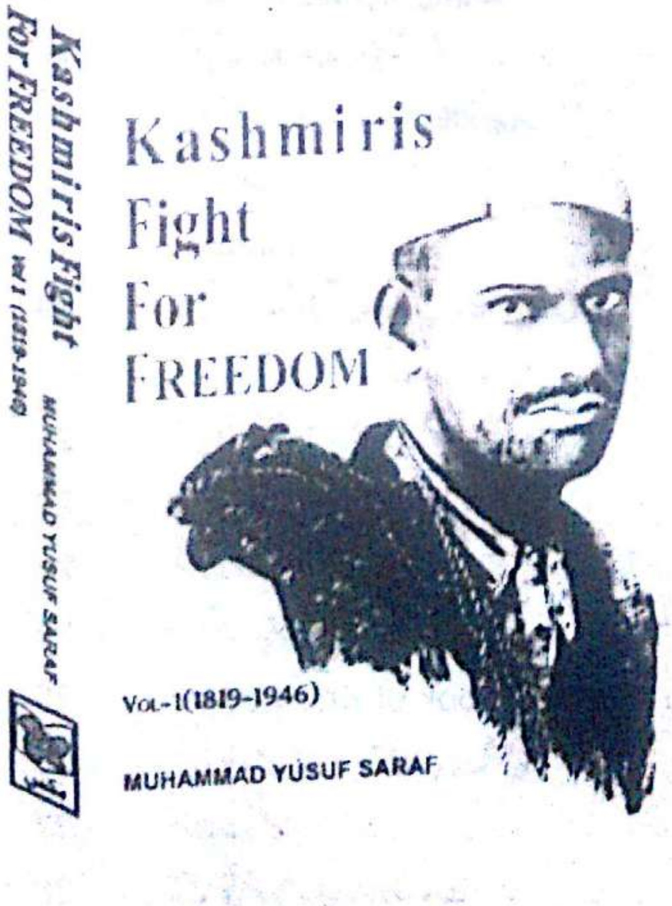
۴۵۔ سہ ماہی پربت محمد سعید اسعد (ایڈیٹر)

۴۶۔ روزنامہ جنگ لاہور، راولپنڈی

۴۷۔ روزنامہ اوصاف اسلام آباد

۴۸۔ ڈیلی پاکستان ٹائمز 1947

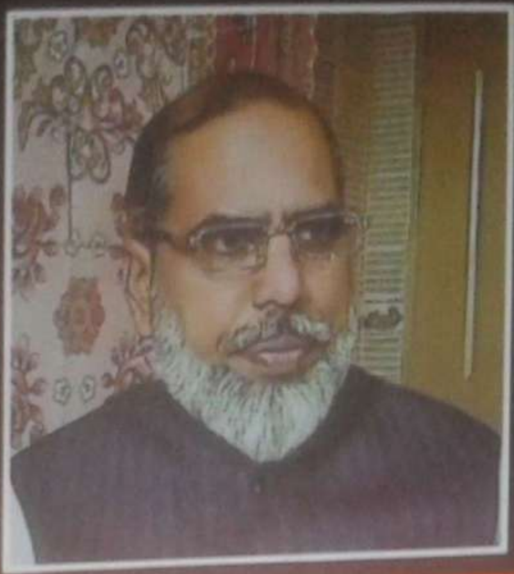
۴۹۔ کے ایچ خورشید، حیات و خدمات محمد سعید اسعد



Rs. 3000
(vol 1, 2)

محمد سعید اسعد کی تصانیف

1 چالیس احادیث نبوی ﷺ
2 معلومات جموں کشمیر (15 واں ایڈیشن)
3 بطل حریت اشفاق مجید وانی شہید
4 کشمیر، قائد اعظم اور کے ایچ خورشید
5 غیرت کشمیر
6 جموں کشمیر بک آف نالج (19 واں ایڈیشن)
7 شعور فردا (مقبول بٹ شہید کے خطوط)
8 خطبات خورشید
9 جلال و جمال (کتابچہ)
10 کشمیر کی لوک کہانیاں
11 کیپٹن یونس شہید یادیں اور باتیں
12 منگلا ڈیم خطرناک توسیعی منصوبہ
13 کشمیر ہمارا وطن (بچوں کے لیے معلومات)
14 گلگت بلتستان تاریخی و آئینی حیثیت
15 کشمیریات (8 واں ایڈیشن)
16 Question Papers of PSC
17 خراج عقیدت
18 وحدت مارچ
19 یادوں کے زخم (کشمیر پر قبائلی حملے کی یادیں)
20 Wounded Memories
21 شہید وطن جمیل احمد چوہدری شہید
22 پروفیسر محمد جمیل اجمل شاگردوں کی نظر میں
23 سردار محمد انور خان یادیں اور باتیں
24 دیوانوں پہ کیا گزری
25 Jammu Kashmir Book of Knowledge
26 میرا قائد میرا راہبر (مقبول بٹ شہید)
27 مقالات کشمیر
28 کے ایچ خورشید حیات و خدمات



ہمارا وطن عزیز، خطہ جنت نظیر جموں کشمیر غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ غیر ملکی غاصبوں نے اس کی تاریخ و تہذیب، علم و ادب، ثقافت، روایات اور معیشت و وسائل تباہ کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کی جس کے نتیجے میں ہمارا عظیم قومی سرمایہ نیست و بود ہو گیا۔ ہمارا پیارا وطن جموں کشمیر پاکستان، چین اور بھارت کے زیر قبضہ ہے۔ یہ ممالک بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ خطہ کشمیر کی تاریخ دفن کر دی جائے، اس کی تہذیب تباہ کر دی جائے، اس کی ثقافت مسخ کر دی جائے، اس کے وسائل لوٹ لیے جائیں۔ اس کا جغرافیہ مٹا دیا جائے، اس کا ادب بے آبرو ہو جائے، حتیٰ کہ اس کی پہچان بھی ختم ہو جائے۔

گزشتہ کئی دہائیوں سے جاری ان گھناؤنی سازشوں نے کشمیری قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ عظیم قوم کے باشعور فرزند ہونے کے ناطے ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنی قومی عظمت اور علمی ورثے کے تحفظ کے لیے ہر ممکن کوشش کریں۔ ہماری جدوجہد ان قوتوں کے خلاف ہے جو ہمارا قومی تشخص چھین کر ہمیں آزادی کی نعمت سے محروم رکھنا چاہتی ہیں۔

محمد سعید اسعد

ISBN 978-969-9493-09-6

RS. 300